مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی

ایک مطالعہ

مُصنّف

(ڈاکٹر) عبید اقبال عاصم

مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ

ایک مطالعہ

مصنف

(ڈاکٹر) عبید اقبال عاصم

حافظی

ناشران وتاجرانِ کتب

بکڈپو دیوبند ۲۴۷۵۵۴ (یوپی)

کتاب

مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ - ایک مطالعہ

مؤلف

(ڈاکٹر) عبید اقبال عاصم

۴/۶۰ زہرہ باغ علی گڑھ (یوپی) انڈیا ۲۰۲۰۰۱

کمپوزنگ

(مولانا) امیر اللہ قاسمی (مئوی)

اشاعت اول

۲۰۰۹ء

ناشر

حافظی بکڈپو دیوبند ۲۴۷۵۵۴ یوپی

HAFZI BOOK DEPOT

DEOBAND-247554 (U.P.)

Tele-fax (01336) 222311 Mobile 9412556171

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

والدین محترمین کے نام

رب ارحمهما كما ربيٰنى صغيرا (القرآن الكريم١٧ : ٢٤)

اور

اہل وعیال کے نام:

ربنا هب لنا من ازواجنا وذريتناقرة اعين واجعلنا للمتقين اماماً

(القرآن الكريم ٢٦ : ٧٤)

تقریظ

از: **محمد اسلم قاسمی** استاذ وقف دارالعلوم دیوبند

اکابر واسلاف کی زندگیاں ایک زندہ قوم کیلئے سرمایۂ افتخار اور نمونۂ تقلید ہیں بالخصوص وہ حضرات جن کی دینی وعلمی سرگرمیاں لاکھوں انسانوں کے لئے مینارۂ نور رہی ہوں اور جو اس دنیا سے سینکڑوں سال ہوئے پردہ فرما ہونے کے باوجود اپنے ذکر وفکر کے لحاظ سے ہر محفل ومجلس میں موجود رہتے ہوں چنانچہ آغوش نبوت کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تو ذکر ہی کیا ان کے بعد کے مشائخ وعلماء جیسے ائمۂ فقہ نیز ائمۂ حدیث اور ان کے بعد آنے والے جیسے شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان وغیرہ پھر حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہی اور حضرت تھانویؒ وغیرہ جو اگرچہ برسہا برس پہلے اس دنیا کو خیر باد کہہ کر رخصت ہو چکے ہیں مگر وہ ہمارے درمیان زندوں سے بھی زیادہ زندہ ہیں کہ ہماری محفلوں میں ان کے نام اور کام کا تذکرہ رہتا ہے زندہ انسانوں کا ذکر اتنا نہیں ہوتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ حضرات آج بھی ہمارے درمیان زندہ موجود ہیں وہ ظاہر ہے کہ ان مخلصین کے فیض علم وعمل سے جس طرح ان کے زمانے کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور کندن بن گئے اسی طرح آج اور آنے والی کل کے انسان ان سے بھی زیادہ ان سے مستفید ہونگے اور ہوتے رہیں گے کل وہ خود بہ نفس نفیس موجود رہ کر ہزاروں بے خبروں اور بے عملوں کو راہ حق اور رہ گزار ترقی پر گامزن فرما رہے تھے تو آج مرحوم ہو کر ان کے علمی وعملی باقیات لاکھوں اور کروڑوں لوگوں کے لئے راہ حق کا نشان ونمونہ بنے ہوئے ہیں جن کے حوالوں، ناموں اور تذکروں سے ہماری مجلسیں گونج رہی ہیں اور ان کا فیضان لاکھوں گم کردہ راہ انسانوں کو جادۂ منزل دکھا رہا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ:

الجاهلون فموتیٰ قبل موتهم　　　والعالمون وان ماتوا فاحیاءُ

یعنی جاہل و بے علم لوگ تو اپنی موت سے پہلے مردہ لوگوں میں گنے جاتے ہیں مگر اہل علم حضرات مرجانے کے باوجود (اپنے فیض علم کی وجہ سے) زندہ رہتے ہیں۔

میں نے علم وعمل کی عظمت کا منظر اور اہل علم کے ساتھ لوگوں کے والہانہ پن کا حیرت خیز نظارہ غالباً ۱۹۵۶ء میں بچشم خود دیکھا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ لاہور گئے ہوئے تھے کہ اچانک مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور مرض بڑھتے بڑھتے اس حد پر آ گیا کہ آپ Coma (کوما) میں چلے گئے ہاتھ پیر اور آنکھیں ہی نہیں نگلنے کی قوت بھی ختم ہو چکی تھی مگر سانس تھا کہ ایک عرصہ تک برابر چلتا رہا ان ہی دنوں میرا لاہور جانا ہوا تو میں نے اپنے میزبان حاجی شفیع صاحب مرحوم تاجر صرافہ سے کہا کہ میں حضرت رائپوری کی زیارت کے لئے ان کی قیامگاہ پر جانا چاہتا ہوں مجھے ان کی آخری حالت کا حال حاجی شفیع صاحب سے معلوم ہو چکا تھا صرف سانس کی ڈور تھی جو ہلک رہی تھی ورنہ مردہ ہی تھے، اس لئے ہر پانچ منٹ کے بعد آدھی چمچی پانی ہونٹ کھول کر مونہہ میں ڈالی جاتی تھی مگر عجیب منظر دیکھا کہ گھر کے باہر بھی ایک ڈیڑھ فرلانگ تک لوگوں کی لائن لگی ہوئی تھی اور ہر پانچ منٹ کے بعد جو پانی کی چمچی مونہہ میں ڈالی جاتی تھی اس کیلئے دیوانہ وار لائن میں کھڑے لوگوں کو اپنے ہاتھ سے چمچی مونہہ میں ڈالنے کی نمبروار سعادت حاصل ہو رہی تھی۔ پھر یہی نہیں بلکہ جس کٹوری سے چمچی میں پانی لیا جاتا تھا وہ چھوٹی سی کٹوری تقریباً پون گھنٹے میں ختم ہوتی تھی لہٰذا اس کو دوبارہ بھر کر لانے والوں کی قطار علیحدہ تھی جو تقریباً اتنی ہی لمبی تھی اور میں حیرت و دہشت کا مارا سوچ رہا تھا کہ یہ ہے مخلصانہ علم وعمل کی برکات کا کھلا مشاہدہ! ورنہ آدمی پانچ دس منٹ کے انتظار کو بھی الانتظار اشدُّ مِنَ المَوْت کہہ کر اپنی اکتاہٹ کا اظہار کر دیتا ہے مگر یہ لوگ ایک قطرہ حضرتؒ کے مونہہ میں ڈالنے اور کٹوری میں ایک چلو پانی بھرنے کے انتظار میں گھنٹوں کھڑے رہتے ہیں اور سڑک کی دھوپ سہتے ہیں اللہ اکبر! یہ درحقیقت علم ومعرفت کی بلند مقامی ہے۔

اللہ نے حضور اکرم کی حیات مقدسہ کو دعوت وعمل کا نمونہ بنایا پھر خود پیغمبر اعظم نے فرمایا: العُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الانبیاء کہ ''علماء امت انبیاء کے اصل وارث ہیں''۔ پھر یہ وراثت کس چیز کی ہے اس کی تشریح فرمائی کہ: ''انبیاء نے دینار ودرہم یعنی مال ودولت کی وراثت نہیں چھوڑی بلکہ ان کی وراثت علم کا ورثہ ہے جس نے اس وراثت کو حاصل کرلیا اس نے سب سے بڑی دولت پالی''۔

حضرت تھانویؒ کو حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی وراثت علمی سے ایسا سرفراز فرمایا تھا کہ ملت اسلامیہ ان کے دینی احسانات سے بے نیاز نہیں ہوسکتی۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی اسی دبستان تھانوی کے فیض یافتہ تھے اور اسی دبستان التدریس کے علوم ومعارف سے خوشہ چینی کرتے رہے یہاں تک کہ ''صحبت صالح ترا صالح کند'' کا مصداق بن گئے دنیا کی اکثریت مال ودولت کی طلب میں حریص رہتی ہے اور ہر شخص چاہتا ہے کہ اس دنیا کو اپنے لئے جنت بنالے مگر یہ دنیا خطرات سے اتنی پر اور بے ثبات ہے کہ یہ جنت بننے کے قابل ہی نہیں۔ اسی لئے اہل علم وعقل نے اس دنیا کو اس کی بے تحاشہ محدودیتوں کی بناء پر اپنا ٹھکانہ بنانے کے بجائے آنے والی اخروی زندگی کیلئے تیاریوں کا زینہ بنایا حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ کی زندگی ایک جہد مسلسل اور خدمت دین اور تلاش علم کی پاکیزہ زندگی رہی۔ یہ عمرِ رواں ایک سفر ہے اور حرکت میں برکت ہے حضرت مولانا کی زندگی بھی حالت قرار اور حالت فرار کے درمیان دیوبند، تھانہ بھون، سہارنپور، کانپور، رنگون، ڈھاکہ اور کراچی کے درمیان آبلہ پائی کرتے ہوئے گذری اور آخر خاک کراچی کی آغوش میں قرار فرما ہوئے۔

حضرت مولانا نے ایک جید عالم اور نفع بخش شخصیت کی حیثیت سے زندگی گذاری اور ہزاروں شاگردان رشید کا طبقہ چھوڑا جو آپ کی علمی ذریت ہے اور ان کے واسطے سے آپ کا فیضان جاری ہے ہمارے اکابر میں استثنائی طور پر علم کی تڑپ تھی اور وہ خوب جانتے تھے کہ علم ومعرفت کے اضافہ کا حاصل صرف یہ ہے کہ انسان پر اپنی لاعلمی

تقریظ

از: **سید محمد شاھد غفر له**، امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

الحمد لله وحده والصلوة والسلام علی من لا نبی بعده

''مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی ایک مطالعہ'' نامی تحقیقی اور تاریخی مقالہ پر راقم سطور کے لیے کچھ لکھنا دو وجہ سے باعث مسرت وسعادت ہے اوران دو وجوہات ہی کی بنا پر مجھے اس مقالہ کی ترتیب کے موقعہ پر متعدد مرتبہ محترم ڈاکٹر عبید اقبال عاصم صاحب کو خوش آمدید کہتے ہوئے روحانی فرحت وبشاشت محسوس ہوئی۔

اولیں وجہ تو یہ ہے کہ یہ اس صاحب علم وعرفان شخصیت کی حیات کا تفصیلی جائزہ ہے جو میرے نانا جان مخدوم العالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی طاب اللہ ثراہ کے علوم دینیہ میں مربی اور جلیل القدر استاذ تھے اور آج سے سو سال قبل کے اس زمانہ کے استاذ تھے جس میں معلم اور متعلم شاگرد اور استاذ کے درمیان اخلاقی، روحانی، علمی وفکری رشتے اور روابط بڑے مضبوط ومستحکم ہوا کرتے تھے جس میں طرفین کو ایک دوسرے سے ایسا قلبی تعلق وانجذاب ہوتا تھا کہ اگر اس کو ایک جان دو قالب سے تعبیر کیا جائے تو شاید مبالغہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کو بھی ایسا ہی ربط وتعلق اپنے اس ہونہار شاگرد سے تھا اور ایسی ہی انسیت ومناسبت اس ہونہار شاگرد کو اپنے علمی استاذ ومربی سے تھی۔ ان سطور کے قارئین اس مودت ومحبت کے اگر کچھ نمونے دیکھنا اور پڑھنا چاہیں تو اس کے لیے آپ بیتی، تذکرۃ الظفر، وسیلۃ الظفر وغیرہ کے صفحات موجود ہیں جن میں استاذ وشاگرد کے آپسی تعلقات اور باہمی روابط کے نمونے محفوظ ہیں۔ مولانا عثمانی کو حضرت شیخ سے جو تعلق اور دلی لگاؤ

تھا وہ دراصل حب یحییٰ کا پرتو اور عکس جمیل تھا۔ بلکہ راقم سطور کا تاثر یہ ہے کہ اس حب یحییٰ میں جو روح اور قوت کارفرما تھی وہ حب خلیل کا مظہر جمیل تھی اس لیے کہ مولانا عثمانی کے مشاہدے میں ہر وقت یہ بات آتی رہتی تھی کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب سے قلبی لگاؤ و تعلق رکھتے ہیں۔

مسرت وسعادت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے اپنی درسی وتدریسی حیات کے تقریباً دس سال جامعہ مظاہر علوم کی چہار دیواری میں گذارے تھے اور اس عرصے میں امام المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی کی خدمت میں حاضر باش رہ کر بڑے فضائل وکمالات کے حامل بن گئے تھے۔ خاص طور پر علوم حدیث میں ایسی عظیم الشان صلاحیت واستعداد پیدا کرلی تھی کہ اپنے معاصرین میں بھی قابل رشک بن گئے تھے۔ مظاہر علوم کے کبار علماء ومحدثین سے سند فضیلت حاصل کرنے کے بعد آپ اس جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے جلیل القدر علمی فرزند بنے جس سے خود راقم سطور گذشتہ ۳۵ سال سے وابستہ ہے اور جس کو علم وقلم کے ذریعہ دو چار الفاظ پڑھنے اور لکھنے کا شعور وحوصلہ اسی جامعہ کے ٹاٹ وبوریہ پر بیٹھ کر پیدا ہوا مادر علمی کے تعلق سے ایک نابغہ روزگار شخصیت کے ساتھ ایک علم وعمل سے تہی دامن کا یہ ربط وانتساب باعث مسرت بھی ہے اور باعث سعادت بھی ہے۔

محترم ڈاکٹر عبید اقبال موصوف کا یہ مقالہ راقم سطور نے بہت ذوق وشوق سے پڑھا۔ اللہ جل شانہ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے اور قارئین بالخصوص علمی درسگاہوں سے فیضیاب ہونے والے طلبہ علوم اسلامیہ میں اکتساب علم کیلئے جاں سوزی وجان کاہی اور ذوق وشوق پیدا ہونے کا اس کو ذریعہ فرمائے۔

سید محمد شاہد غفرلہ

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷

فہرست عنوانات

﴿تقدیم﴾

اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم اور غیر معمولی انعامات واحسانات کے باعث اپنا تحقیقی مقالہ ''مولانا ظفر احمد عثمانی، تھانوی۔ایک مطالعہ'' نامی کتاب کے عنوان سے پیش کررہا ہوں۔

۱۹۹۷ء میں پی، ایچ، ڈی کے رجسٹریشن کے لئے جب میں نے مختلف شخصیات کا مطالعہ کیا تو مجھے مولانا کی شخصیت اس حیثیت سے ممتاز نظر آئی کہ عربی زبان وادب میں ان کی قابلِ قدر خدمات کے باوجود کم ازکم ہندوستان میں اب تک ان کی طرف کسی محقق نے کوئی توجہ نہیں کی۔اگر اس کی وجہ ان کی عزلت پسندی اور گوشہ نشینی قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ جب میں نے ان کی کچھ کتابوں اور قصائد پر نظر ڈالی تو مجھے یہ شخصیت جاذبِ نظر معلوم ہوئی۔نقلِ وطن کرجانے کی وجہ سے ہندوستان میں ان کی گراں قدر شخصیت نظروں سے اوجھل ہوگئی، اعلاء السنن (بیس ضخیم جلدوں میں) کی وجہ سے انہیں ایک مستند حنفی عالم کی حد تک محدود کردیا گیا، جب کہ ان کو عربی شعرگوئی میں کمال درجہ کا درک حاصل تھا اور وہ فی البدیہہ شعرگوئی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ان کے شعری سرمایہ میں معنی آفرینی، ندرتِ خیال جدتِ طبع، فکری گہرائی، منظرکشی اور صوری ومعنوی حسن پایا جاتا ہے؛ لیکن نہ جانے کیوں ان کے منظوم کلام کو نظرانداز کردیا گیا۔

اس گوہرِ یکتا کو عام کرنے کی غرض سے میں نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے مولانا پر تحقیقی مقالہ لکھنے کا ارادہ کیا؛ حالانکہ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ ہندوستان

میں اس کام کا قرعہ فال اپنے نام نکلوانے کی وجہ سے مجھے کچھ نہ کچھ مشکلات سے گذرنا پڑے گا۔ میں ان تمام مشکلات کی پرواہ کئے بغیر اپنی منزلِ مقصود کی طرف چل پڑا۔

اس عظیم شخصیت کا تعلق چونکہ بیسویں صدی سے ہے؛ اس لئے قوی امید تھی، کہ ان کی حیات و خدمات پر مواد فراہم ہو جائے گا۔ اِنہیں امیدوں کے سہارے ابتدائی سال میں مختلف شخصیات سے رابطہ قائم کیا، اس اثناء میں برِّ صغیر (ہندو پاک و بنگلہ دیش) کے مختلف مدارس و جامعات میں مولانا کے موجودہ اعزّاء، متعلقین، مختلف علمائے کرام اور اصحابِ ذوق کو خطوط لکھے گئے، بیشتر حضرات کی طرف سے مدد تو درکنار خط کا جواب بھی موصول نہیں ہوا، جس سے مجھے اپنی منزل کی تلاش و یافت میں یک گونہ مایوسی کا احساس ہوا؛ چونکہ مولانا کا تعلق دیرینہ روایات کے حامل مدارس سے رہا، اور ان کا زیادہ تر کام بھی اسی نوعیت کا ہے، ان کے فیض یافتگان اور تلامذہ بھی انہیں روایات کے حامل رہے؛ اس لئے جن خطوط کے جوابات ملے، وہ اکثر و بیشتر عقیدت سے تعلق رکھتے تھے، اور میں اپنی تحقیق کو عقیدت تک محدود کر کے حقیقت سے غافل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ مجھے ان کی حیات و خدمات بالخصوص ان کی منظومات کا تنقیدی جائزہ لینا تھا، جس میں حقائق سے بحث کرنی تھی؛ اس لئے ان خطوط سے بھی میرا مقصد حل نہیں ہو پایا۔ اب مجھے واقعی مشکلات کا اندازہ ہوا؛ لیکن الحمد للہ، خداوند قدوس کی وسعتِ رحمت سے ایک لمحہ بھی مایوس نہیں ہوا، پُر خطر پگڈنڈیوں پر چل پڑا، اور اپنے خاکے میں رنگ بھرنے کا آغاز کر دیا، اپنے محسنین و معاونین کے حضور دستِ تعاون دراز رہا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج یہ مقالہ کتابی شکل میں آپ کے سامنے موجود ہے۔

مقالہ بشکلِ کتاب آپ کے سامنے ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ یہ ہر

طرح مکمل اور غلطیوں سے پاک وصاف ہے، یا میں نے اس کا مکمل حق ادا کر دیا ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ حتی المقدور کوشش کی گئی ہے، کہ جو کچھ پیش کیا جائے ترتیب، قرینہ اور سلیقہ سے پیش کیا جائے، جس کا تمام تر سہرا استاذِ محترم، نگرانِ مقالہ، مشفق و مکرّم ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب استاذ شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے سر بندھتا ہے، جن کا مجھے ہر ہر قدم پر دوستانہ تعاون حاصل رہا۔

اس سلسلے میں جن دیگر حضرات کا مسلسل تعاون حاصل رہا، ان میں میرے مشفق استاذ مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی (مفتی اعظم ریاست مالیر کوٹلہ)، مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی صاحب اور مولانا شاہد صاحب، استاذ مدرسہ مظاہر علوم، سہارن پور کا نام سرِ فہرست ہے۔ ان حضرات نے انتہائی شفقت اور محبت کے ساتھ نہ صرف یہ کہ حوصلہ افزائی کی؛ بلکہ عملی تعاون بھی دیتے رہے۔ جب بھی کوئی ضرورت محسوس ہوئی یا ان حضرات کے علم میں مولانا کے تعلق سے کوئی نئی بات سامنے آئی، انہوں نے فوراً مجھے توجہ دلائی، جس کی وجہ سے مجھے مقالہ کی تیاری میں بہت تقویت ملی۔

کسی بھی سلسلے میں معاونین کا شکریہ ادا کرنا فعلِ مستحسن ہے۔ استحسان کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے میں صمیمِ قلب سے ان تمام حضرات کا شکر گذار ہوں، جو وقتاً فوقتاً مجھے اپنے زرّیں مشوروں کے علاوہ عملی تعاون سے نوازتے رہے، یہ فہرست اگر چہ طویل ہے، تاہم بڑی ناسپاسی ہوگی، اگر کچھ اپنے محسنین کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ مذکورہ بالا معاونین کے علاوہ اپنے اساتذۂ کرام مولانا سید انظر شاہ، صدر المدرسین، دارالعلوم وقف، دیوبند، مولانا خورشید عالم صاحب، استاذ دارالعلوم وقف، دیوبند، مولانا ریاست علی صاحب بجنوری، استاذ دارالعلوم دیوبند، پروفیسر کفیل احمد قاسمی

صاحب صدر شعبۂ عربی، ڈاکٹر محمد اعظم قاسمی صاحب، استاذ شعبۂ اسلامیات، ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی صاحب، استاذ شعبۂ اردو، محترم ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی صاحب، ناظم دینیات، اے، ایم، یو، علی گڑھ، اور مولانا احمد خضر شاہ، استاذ دار العلوم (وقف)، دیو بند کا بطور خاص شکر گذار ہوں، جن کا دستِ تعاون میرے لئے بہر آن وا رہا۔ جب بھی کوئی مشکل در پیش ہوئی تو ان حضرات نے اسے آسان تر کر دیا۔

علاوہ ازیں میں اپنے ان تمام رفقاء کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں، جن کا دوستانہ تعاون مجھے حاصل رہا۔ ان میں برادرم ڈاکٹر شبیر احمد قاسمی صاحب، مولانا ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی، ڈاکٹر جمشید احمد ندوی بھی شکریہ کے بطور خاص مستحق ہیں، جن کے دوستانہ انداز کے علمی مباحثے اور تیکھی نوک جھونکوں سے مقالے کی تکمیل میں بہت مدد ملی۔ برادرِ عزیز سید سلمان احمد ترمذی نے اس دوران مجھے بہت سے گھریلو تفکرات سے آزاد رکھا وہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔

محترم مولانا محمد مرتضیٰ عثمانی دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہیار حیدر آباد سندھ کا بھی ممنون و مشکور ہوں، جنہوں نے اس مقالہ کو کتابی شکل میں شائع کرنے کے لئے میری ہمت و حوصلہ افزائی فرمائی، نیز میرے عزیز دوست برادرم وودالرحمٰن، تاج عثمانی، مکتبہ فیض القرآن دیو بند نے عملاً کتابی شکل دینے میں جس اہتمام کا مظاہرہ کیا، اور اپنے ادارے کے رفیق مولانا امیر اللہ قاسمی (مئوی) سے مجھے جو معاونت دلائی، اس کا شکریہ الفاظ میں ادا کرنے سے قاصر ہوں۔

اخیر میں ان شخصیات کا ذکر بھی ان معاونین کی فہرست میں کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جنہوں نے مجھے اس مقالہ کو لکھنے پر نہ صرف یہ کہ اکسایا؛ بلکہ ڈھیل ڈالنے پر میری فہمائش بھی کی، اور زجر و توبیخ بھی۔ میری مراد اپنے والدین محترمین سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر عافیت کے ساتھ رکھے، اور ان کو صحت وسلامتی وتندرستی سے نوازے، آمین۔

شکریہ کا یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا، اس میں مجھے اپنی اہلیہ صالحہ ترمذی اور عزیز بچوں (عدیلہ، عمر، حلیمہ اور احمد) کو بھی شامل کرنا ہے، جو مجھے اس کے لئے مسلسل اکساتے رہے، اور جب کبھی مجھے اس طرف سے غافل پایا، تو پیار ومحبت کی فضا میں مجھے مجبور کردیا، کہ میں غفلت نہ برتوں، اہلِ خانہ نے مجھے اس کام کی تکمیل کے سلسلے میں ہر قسم کی پریشانیوں اور افکار سے آزاد رکھ کر سکون واطمینان سے کام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے معاونین کا شکریہ کیسے ادا کیا جائے؟ دعاؤں کے علاوہ بالکل تہی دامن ہوں، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کی دامے، درمے، سخنے مدد فرمائے۔ اور ان سبھی کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے۔ میری یہ کوشش بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہو، اور قارئین کو پسند آئے، آمین

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

عبید اقبال عاصم
۳۰/ستمبر ۲۰۰۵ء

پہلا باب

مقدمہ

ہندوستان میں عربی زبان و ادب کا سیاسی و سماجی پسِ منظر

(زمانۂ قدیم سے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ تک کے ارتقائی سفر پر ایک طائرانہ نظر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید:

پہلا باب جسے "مقدمۃ الکتاب" بھی کہا جا سکتا ہے، اس میں عرب و ہند کے تعلقات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان و ادب کی ہندوستان میں جب بھی بات کی جائے گی تو لازماً ان حالات و مشاہدات کا مطالعہ کرنا ہوگا جن کے تناظر میں اس قدیم غیر ملکی زبان کو اپنے رشتے استوار کرنے کے مواقع ملے۔

اس لحاظ سے ہم نے پہلے باب میں پانچ فصلیں قائم کیں۔ پہلی فصل میں (ماقبل اسلام) عرب قوموں کے ہندوستانیوں سے تعلقات اور باہمی تجارتی رشتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، ہندوستان کے قدیم قبائل زط، تکاکرہ، مید وغیرہ اسلام کی آمد سے سینکڑوں سال پہلے سے عرب ملکوں میں آباد تھے، عرب کے باشندے تجارتی اسباب کی خرید و فروخت کے سلسلے میں ہندوستان آتے جاتے تھے، اسی وجہ سے اس زبان سے باشندگانِ ہند زمانۂ قدیم سے متعارف تھے۔ اسی فصل کا دوسرا حصہ مابعد اسلام عرب و ہند کے تعلقات پر مشتمل ہے۔ اس میں ان تاریخی احوال کو پیش کیا گیا ہے، جب نبیؐ اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں صحابۂ کرام نے دیگر اقوام پر اپنے اثرات مرتب کیے۔ حیاتِ نبوی کے آخری عہد، اور خلفائے راشدین کے ابتدائی زمانوں میں مختلف تجارتی وفود ہندوستان حسبِ معمول آئے، یہاں کے تجار بھی عرب گئے۔ مسلمانوں کے معاملات، اخلاق، اور حسنِ معاشرت نے یہاں کے تاجروں پر مثبت اثرات ڈالے، جس کی وجہ سے اسلام کے ہندوستان میں آنے کے دروازے کھلے۔ اس کے علاوہ عربی زبان میں قرآن کریم کے نزول اور خود اس کی تلاوت کے باعثِ ثواب ہونے کی وجہ سے باشندگانِ ہند نے عربی زبان و ادب پر خصوصی توجہ مرکوز کی۔

دوسری فصل ’’عربی زبان وادب اور ہندوستان ‘‘ میں پہلی صدی ہجری سے ہندوستانیوں کی عربی زبان وادب کے تئیں دل چسپی ، ان کی عربی علوم وفنون میں مہارت اور ہندوستان کے عہد بہ عہد مشہور و معروف شعراء، ادباء، علماء ، صلحاء کا نہایت سرسری تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور جہاں کہیں ضرورت محسوس کی گئی شعراء کا نمونۂ کلام بھی پیش کردیا گیا ہے، تاکہ شعرائے ہند کی کی جانے والی عربی شاعری کا عہد بہ عہد اندازہ ہوسکے۔ یہ فصل لودھی عہد تک کے معروف ادباء وشعراء کے اجمالی تذکروں پر مشتمل ہے۔

تیسری فصل کی ابتداء ’’ مغل حکمراں اور عربی زبان وادب ‘‘ سے ہوتی ہے۔ اس فصل میں مغلیہ سلطنت کے حکمرانوں کی عربی زبان وادب اور علوم وفنون کے تئیں دل چسپی ، اس کے نتیجہ میں ہندوستان میں ان علوم وفنون کی بے پناہ مقبولیت وشہرت اور اس عہد کے عربی زبان وادب سے متعلق کچھ اہم ہندوستانیوں اور ان کی کوششوں و کاوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

چوتھی فصل حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (تنوفی ۱۱۷۶ھ) اور ان کے خاندان کی اس قرآنی زبان سے خصوصی دل چسپی اور اس کی ترویج واشاعت میں خاندانِ ولی اللّٰہی اور درسگاہِ ولی اللّٰہی کے تلامذہ کی مسلسل کی جانے والی کوششوں کا مختصر ترین تعارف ہے، جو تقریباً ۱۸۵۷ء کی انقلابی کوشش پر آکر ختم ہوتی ہے۔

پانچویں فصل ’’دینی مدارس کی نشاۃِ ثانیہ اور عربی زبان وادب ‘‘ میں ۱۸۵۷ء میں ناکام خونیں انقلاب کے بعد مسلمانوں کو پیدا شدہ معاشی، معاشرتی و مذہبی مشکلات اور ان کے نتائج میں قائم شدہ دینی مدارس اور ان مدارس کے ذریعہ عربی زبان وادب سے خصوصی تعلق کا تذکرہ ہے، یہی وہ سبب ہے کہ ماضی قریب میں ان مدارس سے عربی زبان وادب کے مشہور ادباء وشعراء نے جنم لیا، جس کی ایک واضح مثال مولانا ظفر احمد عثمانی بھی ہیں۔ اس طریقہ پر پہلا باب پانچ فصلوں پر تقسیم ہے۔

فصل اول

عربی زبان قدیم سامی النسل زبانوں میں سے ایک زندہ جاوید زبان ہے۔ اپنی امتیازی خصوصیات کے باعث اس زبان نے دنیا کے ہر ہر خطے کے انسانوں کو متاثر کیا۔ مسلمانوں کی مذہبی کتاب قرآنِ حکیم کے عربی زبان میں نازل ہونے کی وجہ سے اسکو مزید مقبولیت حاصل ہوئی، اور فی الحقیقت اس کو دوام ملا۔ عربی تہذیب وثقافت ایک گوشے سے نکل کر دوسرے گوشے تک جہاں بھی گئی تو اس نے وہاں کے ادب کو مالا مال کیا۔ یہ زبان اپنے اختصار وایجاز کے باعث ابتداء سے ہی اپنے اندر کشش لئے ہوئے تھی۔ قرآن کریم کے معجز نما اثرات نے اسکو عمر لازوال عطا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

سرزمین عرب میں نشو ونما پانے والی عربی زبان اور اس کے ادب کے تعارف اور اس سے دلچسپی کا زیادہ تر انحصار قرآن کریم پر ہی ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ عربی زبان اور اس کا ادب اسلام کی آمد سے قبل بھی مالا مال تھا۔ اسلام سے پہلے بھی اس کے اندر وافر مقدار میں ادبی سرمایہ موجود تھا۔ چنانچہ زمانۂ جاہلی کے معلقات آج بھی عربی شعروادب کی مایۂ ناز وقابل افتخار ادبی دولت ہیں، جنہوں نے ہر دور اور ہر جگہ کے ادب پر اپنے اثرات ڈالے ہیں۔

دنیا کے اور ممالک کی طرح ہندوستان بھی وہ ملک ہے جہاں اسلام آنے کے بعد اس کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ انفرادی واجتماعی طور پر انجام دیا گیا۔ اور اس تبلیغ سے باشندگانِ ہند متاثر ہوئے اور انہوں نے اسلام کی حقانیت وصداقت پر ایمان لاکر اپنے کو مسلمانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ قرآن مجید کی تلاوت اور اس کی تفہیم وتشریح کے لئے ضروری تھا کہ عربی زبان سے کما حقہ واقف ہوا جائے؛ چنانچہ اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ یہاں پر عربی زبان وادب کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ لیکن جہاں تک عرب اور ہندوستان کے تعلقات کا سوال ہے تو حقیقت یہ ہے کہ یہ تعلقات انتہائی قدیم ہیں۔ ما قبل اسلام کے ان تعلقات کو ہم تاجرانہ اور مابعد اسلام کے روابط کو برادرانہ نام تو دے سکتے ہیں لیکن ان قدیم تعلقات سے انحراف نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً دونوں زمانوں کے تعلقات پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے۔

(الف) ما قبل اسلام

ہندوستان اور عربوں کے تعلقات کی قدامت کا اندازہ لگانا ہر دور کے مؤرخین و محققین کے لئے بے انتہاء مشکل رہا ہے، اگر اس تعلق کو ازلی تعلق کا نام دیا جائے یا نسل انسانی کی بقاء کا باعث قرار دیا جائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔ کیونکہ حضرت آدمؑ کو دنیا میں جس پہاڑی پر اتارا گیا وہ بیشتر مؤرخین کے نزدیک سراندیپ میں واقع ہے جو قدیم زمانہ میں غیر منقسم ہندوستان کا ہی ایک حصہ تھا، اور حضرت حوّا جدہ میں اتاری گئیں جو آج بھی سرزمینِ عرب کا حصہ ہے۔ آدم و حوا علیہما السلام سے ہی نسلِ انسانی وجود میں آئی۔ اس لئے اس تعلق کو ازلی تعلق کہنا بہر طور مناسب ہے۔ غلام علی آزاد بلگرامیؒ، شیخ علی رومیؒ کے حوالے سے سبحۃ المرجان میں تحریر فرماتے ہیں۔

"قال الشیخ علی رحمة الله علیه فی کتاب " محاضرة الاوائل و مسامرة الاواخر" اول موضع انفجرت فیه ینابیع الحکم الهند، ثم الحرم المکی، علی لسان المعلم الاول الی البشر آدم الصفی"(۱)

"شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "محاضرۃ الاوائل و مسامرۃ الاواخر" میں فرماتے ہیں کہ "انسانوں کے پہلے معلم حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زبانِ مبارک پر پہلی جگہ جہاں حکمت کے خوشے پھوٹے وہ ہندوستان ہے پھر حرم مکی۔"

امام ابن حاتم رازی، امام عبداللہ حاکم، امام ابن جریر طبری اور امام سیوطی رحمہم اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے:

"ان اول ما اهبط الله آدم الی ارض الهند"(۲)

"حضرت آدم علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنہیں اللہ تعالی نے سرزمین ہند پر اتارا۔"

اور مشہور تابعی حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے یہ روایت بھی بیان کی ہے:

"ان آدم هبط با رض الهند و معه اربعة اعوار من الجنة ، فهی هذه التی یتطیب الناس بها و انه حجّ هذا البیت"(۳)

'حضرت آدم علیہ السلام سرزمین ہند پر اتارے گئے اور ان کے ساتھ جنت کی چار خوشبوئیں تھیں۔ یہی وہ خوشبوئیں ہیں جن سے انسانوں کو پاکیزگی ملی، اور اسی کے ساتھ ساتھ (حضرت آدمؑ نے) اس گھر (بیت اللہ) کا حج بھی کیا۔"

مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب اور ہند کے تعلقات نسلِ انسانی کی ابتداء سے چلے آ رہے ہیں۔ اور سمندر کی طویل مسافت کے باوجود دونوں میں بہت سی باتیں مشترک پائی جاتی ہیں۔ بقول سید سلیمان ندوی مرحوم:

"اس جل تھل سمندر کا ایک ہاتھ اگر عربوں کے ارضِ حرم کا دامن تھامے ہوئے ہے تو اس کا دوسرا ہاتھ ہندؤوں کے آریہ ورت کے قدم چھوتا ہے۔ دنیا کے کنارے کے ملک فطرتاً تجارتی ہوتے ہیں۔ یہی پہلا رشتہ ہے جس نے دونوں قوموں کو باہم آشنا کیا۔ عرب تاجر ہزاروں برس سے ہندوستان کے ساحل تک آتے تھے اور یہاں کے بیوپار اور پیداوار کو مصر اور شام کے ذریعہ یورپ تک پہونچاتے تھے۔ اور وہاں کے سامان کو ہندوستان، جزائرِ ہند اور چین و جاپان تک لے جاتے تھے"۔ (۴)

ان تعلقات نے ہند و عرب کو نہ صرف یہ کہ تجارت کی لڑیوں میں ہی پرو دیا تھا بلکہ ان میں بہت سی مذہبی و تہذیبی باتیں بھی مشترک پائی جاتی تھیں۔ ہندوستانیوں کے بہت سے قبیلے ہزاروں سال پہلے عرب میں جا بسے تھے۔ اسی وجہ سے ہندی بستیاں اور ہندی قومیں عربوں میں معروف تھیں، دونوں میں مذہبی اشتراک اس بنا پر بھی تھا کہ اسلام کی آمد سے قبل تک دونوں ہی مشرکانہ رسومات کے پجاری تھے، چونکہ کعبہ اس وقت تک بت پرستی کا عظیم مرکز تھا، اس لئے ہندوستانی الاصل عرب باشندوں کو بھی اُس سے عقیدت و تعلق تھا، اس تعلق کی نسبت سے علامہ عبدالکریم شہرستانی "الملل والنحل" کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان العرب والهند يتقاربان على مذهب و احد، واكثر ميلهم الى تقرير خواص الاشياء و الحكم باحكام الماهيات و الحقائق و استعمال الامر الروحانية"(۵)

"عرب اور ہندوستان کے باشندے مذہبی عقائد کے اعتبار سے آپس میں قربت رکھتے ہیں۔ اور ان میں اکثر حضرات اشیاء کی خصوصیات ماہیات کے احکام کے حکم ان کے حقائق اور روحانی کاموں کے کرنے میں ایک دوسرے سے قریب ہیں۔"

کعبۃ اللہ کے دوام و بقاء کے تعلق سے بت پرستوں کی ایک جماعت یہ عقیدہ رکھتی تھی کہ وہ (کعبہ) زحل ستارے کے نام پر بنایا گیا ہے۔ اور قاضی اطہر مبارکپوری کی تحقیق کے مطابق "ہندوستان کے ہندو بھی ان ہی بت پرستوں میں تھے جو کعبہ کو زحل ستارے کا ہیکل مان کر اس کی تعظیم و تکریم کے قائل تھے"۔ (۶) ہندوستانی باشندے نہ صرف یہ کہ خانۂ کعبہ کا ہی احترام کرتے تھے بلکہ "وہ عرب کے بعض دوسرے بت خانوں کا بھی احترام کرتے تھے"۔ (۷)

ہندوستان کی جو قومیں عرب میں سکونت پذیر تھیں ان میں زُط، مید، سیاچہ، اساورہ، احامرہ، بیاسرہ اور تکاکرہ (ٹھاکر) مشہور تھیں، یہ لوگ وہاں پر اپنے کچھ اوصاف کی وجہ سے ممتاز تھے۔ چنانچہ جاٹ اپنے رنگ، نسل، قد وغیرہ کی وجہ سے دور سے ہی پہچانے جاتے تھے۔ اُن کے اسی وصف کے پیشِ نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج کے واقعہ کے بعد جب اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے تفصیلات بیان فرمائیں، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعارف میں صحابۂ کرام کے ذہن سے قریب تر کرنے کے لئے انؑ کا حلیہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "کانہ رجل من الزّط"۔ (۸) گویا کہ وہ قوم زط کے ایک فرد تھے۔

رسولِ اکرم ﷺ کے اس قولِ مبارک سے پتہ چلتا ہے کہ زُط (جاٹ) ایک ہندوستانی قوم تھی، اپنے رنگ، جسامت اور قد و قامت میں عربوں سے ممتاز تھی۔ جس کی وجہ سے ایک دوسرے کی پہچان بھی آسانی سے ہو جاتی تھی۔ الغرض ہند اور ہندی تہذیب و ثقافت زمانۂ قدیم سے ہی عربوں میں متعارف تھی۔ مزید برآں تجارتی روابط نے ان دونوں کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا۔ عرب صرف ہندوستان کے افراد سے ہی نہیں بلکہ یہاں کی اشیاء سے بھی انسیت رکھتے تھے۔ اور ان اشیاء کو استعمال بھی کرتے تھے،

انہیں پسندیدگی کی نگاہ سے بھی دیکھتے تھے اور اس کا اظہار فخریہ انداز میں کرتے تھے۔ ہندی تلواریں، بخورات وغیرہ عربوں میں بہت زیادہ مقبول تھیں اور عرب شعراء ان کا تذکرہ اپنے اشعار میں بھی کرتے تھے۔ چنانچہ زہیر بن ابی سلمیٰ کے اس شعر نے بہت زیادہ مقبولیت حاصل کی:

کالهندوانی لا يخزيك مشهده ☆ وسط السيوف اذا ما تضرب السهم (۹)

اسی طریقہ پر طرفہ بن عبد کا شعر:

و ظلم ذوی القربی اشد مضاضة ☆ علی المرء من وقع الحسام المهند (۱۰)

درید کا شعر:

و تخرج منه جرة القرّ جُرأة ☆ وطول لسرّى دُرّىَ غضب المهنّد (۱۱)

ایک اور شاعر کا شعر:

أ عن لی علی الهندی مهلاً و کرّةً ☆ لدی برکُ حتی تدور الدوائر (۱۲)

اور فرزدق کہتا ہے:

متقلدی قلعية وصوارم ☆ هندية و قديمة الآثار (۱۳)

شاعر اسلام حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں جو قصیدہ کہا تھا، جس سے خوش ہو کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رداءِ مبارک بطورِ انعام حضرت کعب کو عطا فرمائی تھی اُس میں بھی ہندی تلوار کا تذکرہ ملتا ہے، اس کا مشہور شعر یہی ہے:

ان الرسول لسيف يستضاء به ☆ مهنّد من سيوف الله مسلول (۱۴)

یزید بن قیس کلابی کا یہ شعر بھی شہرتِ دوام حاصل کر چکا ہے:

اذا التاجر الهندی جاء بقارة ☆ من لمسك ضحّت فی سوالفهم تجری (۱۵)

ہندوستان کے جو باشندے عرب میں رہتے تھے ان کے عرب میں رہنے کے باوجود اُن پر عربی زندگی اس طرح مسلط نہیں ہوئی تھی کہ وہ اپنی ہندی زندگی کو بالکل ہی بھول گئے ہوں، یا چھوڑ بیٹھے ہوں بلکہ انہوں نے عربوں کی معاشرت کو اپنی عادات و

اطوار اور امتیازات سے متاثر کیا تھا۔ عرب کے ہندوستانی باشندوں کو اپنی ملکی اور قومی خصوصیات قائم رکھنے کی مکمل آزادی حاصل تھی اور انہیں کوئی بھی عربی زندگی، اور وہاں کی تہذیب و ثقافت مسلط کرنے کے لئے مجبور نہیں کرسکتا تھا۔ دونوں ہی قومیں ایک دوسرے سے ہمدردی، آشنائی اور برادرانہ محبت کے باوجود کہیں مشترک تو کہیں امتیازی خصوصیات رکھتی تھیں۔

ہندوستانی قبیلہ جاٹ (زط) اپنی شجاعت، وفاداری اور دیانتداری کے سبب عربوں میں کافی شہرت حاصل کر چکا تھا، بعد از اسلام ایران کی شکست کے بعد چند شرطوں کے ساتھ جاٹ لشکر اسلام سے مل گئے تھے، اور اسلامی سپہ سالار نے ان کی بڑی عزت کی تھی۔ حضرت علیؓ نے خزانہ بصرہ کی حفاظت جاٹوں کے ہی سپرد کی تھی۔ (۱۶)

تجارتی تعلقات

ہندوستان کے تاجر حضرات عرب کا سفر تجارت کی غرض سے کرتے تھے یہاں کی بہت سی چیزیں عربوں میں بہت زیادہ مقبول تھیں۔ اسی وجہ سے تاجر حضرات یہاں سے بہت سامانِ تجارت لے جاتے، جس سے منافع کماتے۔ اسی طریقہ پر عرب تاجر بھی یہاں آتے اور یہاں سے تجارتی تعلقات کو اپنے لئے مفید تر تصور کرتے۔

ابن خرداذبہ نے لکھا ہے کہ ”ہندوستان سے خوشبودار لکڑیاں، صندل، کافور، لونگ، جائفل، ناریل، کباب چینی، تن کے کپڑے، روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی دانت، گجرات سے سیسہ، دکھن سے بقم (بکم) اور وادئ سندھ سے بانس اور بید برآمد کئے جاتے ہیں“۔ (۱۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب اور ہندوستان کے تعلقات زمانہ قدیم سے رہے ہیں، اسلئے انکی بود و باش، رہن سہن اور طرزِ معاشرت ہی نہیں بلکہ مذہبی امور میں بھی بسا اوقات یگانگت نظر آتی ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سرزمینِ عرب میں ہوئی تو انہیں کے حالات سے کافی حد تک ملتے جلتے گوتم بدھ کا جنم ہندوستان میں ہوا۔ دونوں کے حالات میں کافی حد تک مطابقت پائی جاتی ہے۔ ایسے ہی متس اوتار کی کتھا میں راجا ستیہ برت کے حالات اور طوفانِ نوح میں ایک حد تک مناسبت ہے۔ (۱۸)

دونوں کی اصنام پرستی کی شراکت بھی مشہور و معروف ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ عرب و ہند کے تعلقات نے تہذیب و تمدن کے ساتھ ساتھ زبان کو بھی کافی حد تک متاثر کیا۔ آج تک عربی زبان میں بے انتہا ایسے ہندی الفاظ ملتے ہیں جن کی تعریب کر لی گئی ہے یا بذاتہ موجود ہیں۔ کیوں کہ ہندوستانی باشندوں کی علمی زبان سنسکرت تھی۔ عربی زبان سنسکرت ہی نہیں، دوسری ہندوستانی زبانوں کے مقابلے میں بھی اہلِ ہند کے لئے اجنبی اور مشکل تھی۔ عربی زبان کی نحو، صرف اور لغت میں سے کوئی بھی چیز سنسکرت کے ساتھ کسی طرح کی مطابقت نہیں رکھتی، اس لئے یہاں کے باشندوں کو عربی زبان سیکھنے کی اگرچہ ضرورت تو نہیں ہوئی تاہم عربوں کی ہندوستان میں آمد، اور یہاں کے افراد سے ربط و تعلق اس کا متقاضی تھا، کہ گفتگو کے لئے کوئی زبان ہو، جس سے ایک دوسرے کے مافی الضمیر کو سمجھا جا سکے۔ اس طرح یہاں کی مقامی بولی میں بہت سے عربی الفاظ رائج ہو گئے۔ اور عربوں نے بھی ہندوستان کے اثرات قبول کرتے ہوئے ہندی زبان کے بہت سے الفاظ کو اپنی روزمرّہ کی زندگی میں شامل کر لیا۔

یہ تصویر قبل از اسلام کے تعلقات کی تھی۔ جو کہ دورِ جاہلی کہلاتا ہے۔ اسلام آنے کے بعد ان تعلقات کی نوعیت اس طور پر بدلی کہ مسلمانوں کی فکر اور سوچ ہی بدل گئی، انہوں نے اپنا جینا، مرنا، کھانا، پینا سب کچھ اسلام پر نچھاور کر دیا۔ وہ جہاں بھی جاتے وہیں پر اپنی تہذیب و ثقافت، فہم و فراست، فکر اور اخلاقیات کے ایسے انمٹ نقوش چھوڑتے کہ جس سے قوموں کی زندگی تبدیل ہو جاتی، خوابیدہ و منتشر فکروں کو بیداری نصیب ہوتی اور ان میں کچھ پانے اور کرنے کی دُھن سوار ہوتی تو افکار کے سوتے بدل جاتے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے تعلقات کو باقاعدہ ایک عنوان کی شکل دے کر قدرے تفصیلی بحث کی جائے کیونکہ یہی وہ دور ہے جب عربی کو بین الاقوامی شہرت و عظمت بھی حاصل ہوئی اور عربی زبان نے مسلمانوں کی مذہبی زبان کی جگہ پائی۔ اور آج بھی عربی کا بیشتر ذخیرہ اسلام کا ہی مرہونِ منت ہے۔

(ب) مابعد اسلام

جیسا کہ اس سے پہلی فصل میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ عرب و ہند کے تعلقات کی قدامت کا اندازہ لگانا مشکل ترین امر ہے۔ ان دونوں کے درمیان تعلقات ابتدا سے ہی چلے آ رہے تھے اور تجارتی رشتوں نے ان تعلقات کو مضبوط ترین کر دیا تھا۔ جس کے باعث دونوں قومیں ایک دوسرے کے رہن سہن سے بخوبی واقف ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تہذیب و تمدّن پر اثر انداز بھی ہوئیں۔

عهد نبوی اور هندوستان:

حضرت محمد مصطفٰے ﷺ خلعتِ نبوت سے سرفرازی کے بعد جب عرب کے ظلمت کدوں کو تاریکی سے اجالے کی طرف لائے تو عربوں کا شعور روشن ہوا، اور جب اُن کے سامنے حق اور باطل واضح ہو گیا تو انہوں نے پیغامِ حق کو اپنے تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے دوسروں تک پہونچانا، اندھیروں میں بھٹکے ہوئے انسانوں کو روشنی کی طرف لانا، جہالت میں غرق انسانیت کو علم سے منور کرنا اپنا مذہبی و تہذیبی شعار بنالیا، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے تعلقات کے معیار بدل گئے۔ ان کی معاشرت کے انداز میں تبدیلی رونما ہوئی، ان کے رہن سہن اور تجارتی طور طریق میں واضح فرق آ گیا۔ وہ جہاں جاتے وہاں اپنی اس نئی تہذیب کے اثرات دکھلاتے، کوئی ان سے ملتا تو اس کو اپنی متانت و سنجیدگی اور دینِ اسلام کی خوبیوں سے متاثر کرتے، ان کی باتوں میں پہلے سے کہیں زیادہ وزن تھا، ان کے کاروبار میں ایمانداری اور دیانت ان کا جزوِ ایمان تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات نے ان کی زندگیوں میں ایک خوشگوار انقلاب برپا کیا تھا۔ اللہ، رسول، قرآن و حدیث پر ان کا پختہ ایمان تھا۔ انہیں فکر یہ تھی کہ انسانوں کو دوزخ سے کیسے بچایا جائے؟ ہمیشہ کی زندگی (آخرت) میں انسانوں کا اچھا انجام کیسے ہو؟ ان میں ایک جوش تھا، تڑپ تھی، وہ اپنے ہر کام کو تبلیغِ اسلام سے جوڑے ہوئے تھے۔

اسی دھن میں سوار وہ تجارتی سامان لے کر ہندوستان آئے تو انہوں نے اپنے

اخلاق و عادات اور اپنی صداقت و دیانت سے باشندگانِ ہند کو متاثر کیا۔ اس طریقہ پر یہ کردار و عمل کے ذریعہ اسلام کا پہلا پیغام تھا جو جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں میں پہونچا۔ ان کے عقائد و عبادات اور دینِ اسلام کی لائی ہوئی تبدیلیوں کا شہرہ ہوا تو وہ عوام الناس سے لے کر راجاؤں کے محلات تک پہونچا۔ یہاں تک کہ اس پیغام کی حقانیت سے متاثر ہو کر جنوبی ہند کے علاقہ ملابار[۱۹] کے چیرامن و پیرومن کا آخری راجہ بطیبِ خاطر مشرف بہ اسلام ہوگیا۔[۲۰] اس کی راجدھانی کوڈنگلور تھی۔ اسی کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے ایک عرب کو اپنے یہاں بلا کر کنانور کا راجہ بنا دیا تھ۔[۲۱]

ادھر ایک طرف تاجروں کی یہ کوشش تھی تو دوسری جانب قدرتی طور پر ایسے حالات پیدا ہو رہے تھے کہ جس سے یہاں مذہبِ اسلام کی راہیں ہموار ہو رہی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ شق القمر کا معجزہ جب ظہور پذیر ہوا تھا تو ہندوستان کے ایک راجہ نے بھی اس معجزہ کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا تھا، اس کا تعلق بھی جنوبی ہند کے ملیبار (مالابار) علاقہ سے ہی تھا، راجہ نے اس معجزہ کے بعد اس کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ عرب دیس میں ایک پیغمبر وارد ہوا ہے جس نے یہ معجزہ دکھایا ہے۔ اس کے بعد راجہ مسلمان ہوگیا اور عرب چلا گیا، سیّد سلیمان ندویؒ کی تحقیق کے مطابق وہ خود آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب پہونچا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں پہونچا اور یمن ہی میں اس کا انتقال ہوا، اور وہیں دفن ہوا۔[۲۲]

مُختصر جنوبی ہند میں اسلام کے اثرات اس انداز سے بڑھ رہے تھے تو دکھن اور گجرات کے ساحلی علاقوں پر مسلمان عرب تاجروں کے اخلاق و عادات کچھ کم اثر انداز نہیں تھے۔ وہاں کے باشندے بھی عرب تاجروں کے معاملات سے متاثر ہو رہے تھے اور اس نئے مذہب کے تئیں اپنی دلچسپیاں دکھا رہے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ سندھ بھی ان کے زیرِ اثر آتا جا رہا تھا۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے ہندوستان کے ہر کونے کو متاثر کر ڈالا، اور وہ تعلقات جو ہزارہا برس سے تجارتی نوعیت کے تھے اب اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے متاثر ہو کر مذہبی ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں

کہیں سلیم الطبع ہندوستانیوں کی وسیع النظری نے اس دعوت پر لبیک کہا تو کہیں اسلام اور مسلمانوں کو تنگ نظر افراد کی مزاحمتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ حضورِ اکرم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے زمانۂ مبارک اور آپ سے متصل دور میں ہندوستان میں اسلام کی اشاعت مختلف طریقوں پر محدود پیمانے پر ہونے لگی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین و تبع تابعین کے دور تک ہندوستان اور اسکے اطراف و جوانب میں اسلام کی قندیلیں روشن دکھائی دینے لگیں۔ اس خطہ میں اسلام کی اشاعت اور فروغ کے سلسلے میں تجار، محدّثین اور صوفیاء کرام وغیرہ سبھی کا تعاون رہا۔ انہوں نے اس پیغام کو عوام تک پہونچانے کے علاوہ خواصانِ مملکت یعنی راجاؤں، مہاراجاؤں کو بھی محروم نہیں کیا۔ تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جن میں مختلف راجاؤں نے از خود اسلام کی طرف توجہ کی، چنانچہ ملیبار کے راجہ سامری کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے قدمِ آدم کی زیارت کے سلسلے میں آئے ہوئے کچھ افراد سے متاثر ہوکر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور خفیہ طریقہ سے مسلمان ہوکر ان افراد کے ساتھ عرب چلا گیا۔ لیکن عدن کے قریب صحار میں جا کر اس کا انتقال ہوگیا۔ (۲۳) لیکن پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ کا ماننا ہے کہ اس راجہ نے حکومت اپنے نائبین کو سونپ کر عرب کا سفر کیا جہاں وہ کچھ زمانہ رہا۔ اور پھر وہ اپنے وطن واپس ہوکر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے مقصد سے چلا لیکن راستہ میں بیمار ہوا اور اس کا انتقال ہوگیا۔ (۲۴) قنوج کے راجہ سوبانک کے بارے میں ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے پاس حضرت حذیفہ، حضرت اسامہ اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہم اجمعین کو دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں اس کے بارے میں اگرچہ صراحت نہیں ہے تاہم اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے دورِ مبارک سے ہی ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ کی کوششیں جاری تھیں۔ اس روایت کو اگرچہ علماء کرام زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور اس پر کلام کرتے ہیں تاہم مؤرخین اس کا ذکر کرتے ہیں، راجہ ملیبار، جو پٹن کے راجہ کے اجداد میں سے تھا اس نے بھی خود سے ہی اسلام قبول کیا تھا۔ (۲۵)

عرب تاجروں اور عجمی صوفیاء کے تعلقات اور مخلصانہ کوششوں سے اسلام ہندوستان کے لئے مانوس مذہب ہو گیا اور اس نے جنوبی ہند، گجرات اور سندھ وغیرہ کے ساحلی علاقوں کے باشندوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔

جنوبی ہند اور گجرات وغیرہ میں اسلام کی اشاعت افہام و تفہیم اور مسلمانوں کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر ہوئی تھی لیکن سندھ میں اسلام کی تبلیغ میں رکاوٹیں پیش آئیں حالانکہ یہاں پر جو قومیں آباد تھیں وہ زیادہ تر وہی تھیں جو عرب کے جزائر میں بھی پائی جاتی تھیں جیسے بید، زُط (جاٹ) تکاکرہ (ٹھاکر) وغیرہ۔ مسلمانوں نے سندھ میں قدم رکھا تو ان کا سب سے پہلا ٹکراؤ بودھ مت سے ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک صدی کے اندر اندر ہندوستان سے بودھ مت کا زوال ہو گیا۔ سیّد سلیمان ندویؒ کی تحقیق کے مطابق ''سندھ قوموں میں سب سے پہلے جاٹوں میں اسلام پھیلا۔ یہاں تک کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ میں جاٹ اپنا بودھ مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرنے لگے تھے۔ اور نو مسلم جاٹ عراق جاکر بسنے لگے تھے''۔ (۲۶) اسی کے ساتھ ساتھ سید صاحب نے ابن خلکان کے حوالے سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ عراق میں جاٹوں نے علمی میدان میں خوب ترقی کی اور یہ بات اہلِ ہند کے لئے فخر کا باعث ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ہندی الاصل جاٹ تھے جنہوں نے امامِ اعظم کا لقب حاصل کیا۔ (۲۷) امام ابوحنیفہ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خاندان فتحِ سندھ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا۔

سراندیپ میں اسلام:

ادھر عربوں کی اسلام کی اشاعت کے لئے یہ مخلصانہ کوششیں تھیں تو دوسری طرف ہندوستان کے صحیح الفکر افراد کی اسلام کے تئیں دل چسپی نے بھی اپنے اثرات پوری طرح دکھائے۔ اسی دل چسپی کی وجہ سے عہدِ رسالت میں ہی ایک وفد سراندیپ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوا جو بعض رکاوٹوں کے باعث عہدِ فاروقی کے ابتدائی ایام میں وہاں پہونچا اور براہِ راست اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش

کی۔ (۲۸) جس کا ذکر عجائب الہند میں اس طرح ہے کہ:

"و كان اهل سرنديب و ما والاها لما بلغهم خروج النبي صلى الله عليه وسلم فارسل رجلاً فهيما منهم و امروه ان يسير اليه فيعرف امره و ما يدعو اليه ۔ فعاقت الرجل عوائق و و صل الى المدينة بعد ان قُبِض رسول الله وتوفى ابو بكر و و جد القائم بالامر عمر بن الخطاب رضى الله عنه فسأله عن امر النبى صلى الله عليه وسلم فشرح له وبين ، ورجع فتوفى الرجل بنواحى بلاد مكران و كان مع الرجل غلام له هنديّ فوصل الغلام الى سرانديپ"۔ (۲۹)

''اور اہل سراندیپ اوران کے اطراف کے باشندوں کو جب رسول اکرم ﷺ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو انہوں نے ایک سمجھدار شخص کو بھیجا اور انہوں نے اس کو حکم دیا کہ وہ ان تک پہونچے اور انکے امکانات کو اوران کی دعوت کو سمجھے، پس ایک شخص ان عربوں کیساتھ گیا (جو ہندوستان تجارت کی غرض سے آئے تھے) اور وہ مدینہ اس وقت پہونچا جبکہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ وفات پاچکے تھے۔اور خلافت کی باگ ڈور حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تھی۔اس نے حضرت عمرؓ سے رسول اللہ ﷺ کے سلسلے میں سوالات کئے جنکے انہوں نے تشفی بخش جوابات دئے۔یہ شخص لوٹ کر آیا، لیکن علاقۂ مکرانکے اطراف میں پہونچ کر اسکی بھی وفات ہوگئی۔اس شخص کیساتھ اسکا ایک ہندوستانی غلام بھی تھا جو سراندیپ لوٹ کر آیا۔''

اس کے بعد اس کی بھی صراحت ہے اس کا اثر اہلِ سراندیپ پر بہت اچھا واقع ہوا اور وہ مسلمانوں سے محبت کرنے لگے اوران کا میلان اسلام کی طرف بہت زیادہ ہوگیا۔ (۳۰)

راجہ بھوج:

رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت کی تصدیق کے لئے ہندوستان کے دو پنڈتوں کا (جو ریاست بھوپال کے راجہ بھوج کے درباری تھے) عرب جانے کا تذکرہ بھی ملتا ہے

کہا جاتا ہے کہ راجہ بھوج نے ہی رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی خاطر ان پنڈتوں کو عرب بھیجا تھا اور اپنی وسعتِ معلومات کے مطابق کچھ سوالات بھی قائم کئے تھے۔ اور ان جوابات سے بھی پنڈتوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ اگر وہ (رسول اللہ ﷺ) یہ جوابات دیں تو تم ان کی رسالت کو مان لینا۔ اسی کے ساتھ اس نے کچھ تحفے بھی بھیجے تھے۔ جن میں انگرکھا، پان، چھالیہ کتھا، چونا، لونگ، الائچی وغیرہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تحفوں کو قبول فرمایا اور ان سوالات کے جوابات قاصدوں کو بالکل صحیح دیے تو یہ دونوں مسلمان ہو گئے اور انہوں نے ہندوستان آکر راجہ بھوج سے ان جوابات کے بارے میں بتلا دیا تو راجہ بھوج نے دھار کے بڑے مندر میں سب سے اوپر والی سیڑھی پر بیٹھ کر مجمعِ عام میں اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ یہ واقعہ ۳ھ مطابق ۶۴۳ بکرمی کا بتایا جاتا ہے۔ (۳۱)

اس روایت کی تصدیق و تکذیب سے قطعِ نظر اتنا تو بظاہر معلوم ہی ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس کی معطر فضائیں ہندوستان میں بھی اپنی خوشبو بکھیر رہی تھیں۔ اتنی بات تو ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں ہندوستانی تحفوں کی ایک سند مستدرک میں امام ابو عبداللہ حاکم نے بھی نقل کی ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے۔ اس روایت سے اگرچہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ تحفے راجہ بھوج نے بھیجے تھے یا کسی اور نے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ تحفے ہندوستانی تھے۔ روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

> ”اھدی ملك الھند الی رسول الله صلی الله علیه وسلم جرة فیھا زنجبیل فاطعم اصحابه قطعة قطعة و اطعمنی منھا قطعة“۔ (۳۲)

> ”ہندوستان کے راجہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک گھڑا ہدیۃً بھجوایا جس میں ادرک تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی نوش فرمایا اور ساتھیوں کو بھی تھوڑا تھوڑا کھلایا۔ مجھے بھی آپ ﷺ نے اس میں سے ایک ٹکڑا کھلایا“

لیکن اس روایت کے آخر میں حاکم نے اس پر کلام کرتے ہوئے اسکی صراحت

کی ہے کہ "اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ کے زنجبیل تناول فرمانے کے سلسلے میں مجھے یاد نہیں ہے اس لئے اس کو بیان کیا ہے"۔ (۳۳)

مختصراً ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ عرب اور ہندوستان کے وہ قدیم تعلقات جو حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے شروع ہوئے تھے ان میں بتدریج ارتقاء ہوتا گیا۔ اور اسلام کے ظہور کے بعد ان میں مزید ترقی ہوئی۔ اور یہ تعلقات طرفین نے نہ صرف یہ کہ بخوبی نبھائے بلکہ پیغام حق وصداقت پر ہندوستان کے دیانتدار باشندوں نے آمنا و صدّقنا کہا اور اسلام کی تبلیغ واشاعت میں وہ کسی بھی طور پر عربوں سے پیچھے نہیں رہے۔ انہوں نے اسلام کی ہی نہیں بلکہ قرآن اور قرآن کی زبان عربی کی بھرپور خدمت کی۔ اور اس خدمت کو اپنا مذہبی اور تہذیبی فریضہ سمجھ کر ادا کیا۔ اور فی الحقیقت عربی علوم وادب میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ جن کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ اس طرح یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہندوستان میں عربی زبان وادب پر ابتداء سے ہی کام کا سلسلہ جاری رہے۔
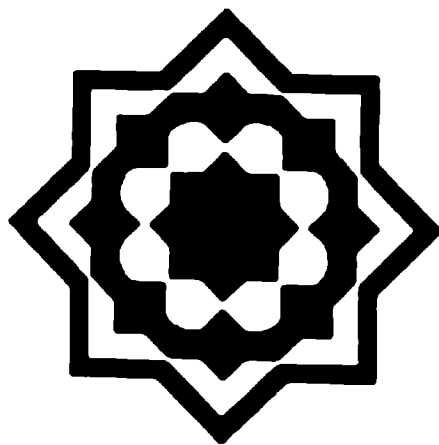
﴿حواشی﴾ پہلا باب فصل اول

(۱) سبحة المرجان، سید غلام علی آزاد بلگرامی ،معهد الدراسات الاسلامیه علی گڑہ ، ۱۹۷٦ء/ص:۹

(۲/۳) تذکرہ مشائخ ہند/محمد اسلام الحق مظاہری/اسلامی دار المطالعہ سہارن پور/۱۳۹۸ھ/ج:۱/ص:۹

(۴) عرب وہند کے تعلقات/سید سلیمان ندوی/مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۷۹ء/ص:۲

(۵) الملل والنحل /محمد بن عبد الکریم شهرستانی / مطبوعه جامعه ازهر مصر، ۱۹٤۷ء/ص:٦

(٦/۷) عرب وہند عہد رسالت میں/قاضی اطہر مبارک پوری/ندوۃ المصنفین دہلی/بدون تاریخ/ص:۱۲٦

(۸) الصحیح البخاری: کتاب: "احادیث الانبیاء" باب" قول الله عزوجل واذکرفی الکتاب مریم "

(۹)(دیوان زهیر ابن ابی سلمیٰ /مطبوعه بیروت : ۱۹۵۳ء/ص: ۱۳۵

(۱۰)دیوان طرفه بن العبد/مطبوعه: بیروت :۱۹٦۱ء/ص:۳٦

(۱۱/۱۲) عرب وہند عہد رسالت میں/ص:۴۲

(۱۳)دیوان الفرزدق/ابو فراس همام بن غالب فرزدق(شرح وضبط: استادعلی فاعور) دارالکتب العلمیه بیروت۱۹۸۷/ص:۲٦۷

(۱۴) شرح دیوان کعب بن زهیر/ابی سعید الحسن بن الحسین / مطبوعه : مصر ۱۹۵۰ء/ص: ۲۳ وہندوستان اسلام کے سائے میں/قاضی وجدی الحسینی/طبع بھوپال بک ہاؤس، بھوپال ۱۹۸۲ء/ص:۱-۲

(۱۵) الاصابه فی تمییز الصحابة/ حافظ احمد بن حجر العسقلانی / مطبعه مصطفی محمد مصر ۱۹۳۹ء/ج:۱ص:٤۱۱

(۱٦) تاریخ الطبری/الشیخ ابو جعفر الطبری/ مطبعه الحسینیه ، مصر ۱۸۹۰ء/ج:۵، ص: ۲۰۲

(۱۷)المسالك والممالك / الشیخ ابو القاسم خرد لزبه خراسانی / طبع مصر ۱۳۰٦ھ ص:۷۰-۷۱

(۱۸) ہندوستان میں عربی شاعری: مقالہ پی ایچ ڈی غیر مطبوعہ/حامد علی خان/مولانا آزاد لائبریری اے، ایم، یو علی گڑھ، ۱۹۶۲ء/ص:۳

(۱۹) مؤرخین نے اس لفظ (ملابار) کو مختلف طریقوں سے لکھا ہے، بعض نے ملابار، بعض نے مالا بار اور کچھ حضرات نے ملیبار تحریر کیا ہے جو ایک ہی شہر کا نام ہے۔

(۲۰/۲۱) ہندوستان کے سلاطین، علماء ومشائخ پر ایک نظر / سید صباح الدین عبد الرحمان / ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ مئی ۱۹۶۴ء / ۵ / ۹۳

(۲۲) ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی / سید سلیمان ندوی / معارف، اعظم گڑھ جنوری ۲۴ء / ۱ / ۱۳

(۲۳) ساتویں صدی تک کے رجال السند والہند / قاضی اطہر مبارکپوری / معارف، اعظم گڑھ، اپریل ۵۸ء / ۴ / ۸۱

(۲۴) ThePreaching of Islam/T.W. Arnald/Reprinted 1990/Low Price publications,Delhi,p.264

(۲۵) ساتویں صدی تک کے رجال السند والہند / معارف اعظم گڑھ / ۴ / ۸۱

(۲۶/۲۷) ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی / معارف اعظم گڑھ، ۵ / ۳۱

(۲۸) ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں / قاضی اطہر مبارک پوری / ندوۃ المصنفین دہلی ۶۷ء ص: ۲۴

(۲۹/۳۰) عجائب الهند / بزرگ شهریار رامهرمزی /لیذن/ای جے بریل ۱۸۸۳ء، ص: ۱۵٦

(۳۱) ہندوستان اسلام کے سایے میں / ص: ۲۱۴

(۳۲) المستدرك ابو عبد الله حاكم /مطبوعه : حيدرآباد ج: ٤ ص: ٣٥

(۳۳) پیغمبر اسلام اور ہندوستان کے باشندے / قاضی اطہر مبارک پوری / معارف، اعظم گڑھ، فروری ۶۴ء / ۲ / ۹۳

فصل دوم

عربی زبان وادب اور ہندوستان

گذشتہ صفحات میں عرب وہند کے تعلقات کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کو ہم کسی بھی طور پر زبان سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ ان تعلقات کو نبھانے کیلئے رابطہ کی کوئی نہ کوئی زبان ضرور ہوگی۔ یقینی طور ہم یہی کہیں گے کہ وہ زبان یا تو ہندوستانی ہوگی یا پھر عربی، یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ ہندوستان کی کبھی بھی کوئی زبان مشترکہ طور پر نہیں رہی بلکہ وہ علاقوں کے اعتبار سے تبدیل ہوتی رہی۔ البتہ یہاں کی قدیم زبان سنسکرت کو بلاشک وشبہ ہندوستان کی علمی زبان کہہ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس تمام عربوں کی زبان صرف عربی ہی رہی۔ اس لئے ہم کو اس تناظر میں دیکھنا ہوگا کہ عرب وہند کے وہ تجار جو اپنی تجارت کے فروغ کے سلسلے میں دونوں ملکوں کا سفر کرتے تھے، انہیں اپنا سامان خریدنے اور بیچنے کیلئے عربی اور ہندوستانی زبانوں میں اپنا مافی الضمیر ادا کرنا ضروری تھا اسی لئے ہندوستانی تجار عربی زبان باقاعدہ سیکھتے تھے۔ زبان دانی جب اصحابِ ذوق تک پہونچی تو یقینی طور پر انہوں نے اس میں چار چاند لگائے۔ ہندوستانی تجار عربی زبان میں اپنا مافی الضمیر ہی نہیں ادا کرتے تھے بلکہ وہ اس کا حق ادا کرتے تھے۔ اور صحیح صحیح بولنے کی کوشش کرتے تھے۔ بزرگ بن شہریار ان تاجروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ " یہ عربی زبان اس خوبی سے بولتے ہیں کہ ہمارے یہاں کے اچھے اچھے مولوی ان کا منہ تاکتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر سندھی، ملتانی اور گجراتی ہوتے ہیں۔"

ہندو پنڈتوں میں بھی اسلام کی آمد سے قبل ہی عربی زبان سیکھنے کا ذوق تھا۔ اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ سرزمینِ عرب پر نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہوگا۔ اسلام سے متعلق بھی انہیں ویدوں اور پرانوں کے ذریعہ کافی معلومات تھیں۔ چنانچہ سراندیپ کے راجہ یا راجہ بھوج نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق انہیں علوم کی بنا پر تحقیق وجستجو کی اور اس کے لئے انہوں نے ایسے علمی افراد کا انتخاب کیا جو عربی زبان سے کماحقہ واقف تھے تبھی افہام وتفہیم میں آسانیاں فراہم ہوئیں۔

راجہ بھوج کے جو سفیر رسول اللہ ﷺ کے پاس اسلام سے متعلق معلومات حاصل کرنے اور ہندوستانی تحائف پیش کرنے گئے تھے، ان میں سے ایک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے اس سے نام دریافت فرمایا تو اس نے کہا: ''ماتا دین''۔ آپ ﷺ نے اس کا عربی ترجمہ معلوم کیا تو اس نے بتایا: ''مرا ہوا دین''۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مردہ دین چھوڑ کر زندہ دین کی طرف کیوں نہیں آتے؟ اس فرمانِ مبارک نے اس کے دل پر اثر کیا اور وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام محی الدین رکھا''۔

(اس روایت کی تصدیق اگرچہ نہیں کی جاسکتی اور اس میں ظاہری طور پر بھی بہت سی چیزیں غلط معلوم ہوتی ہیں، مثلاً آپ نے ایک سفیر کا ہی نام کیوں معلوم کیا؟ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ نے ''ماتا دین'' کا اگر مطلب معلوم کیا تھا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نام عربی نہیں، ہندی تھا۔ اور ہندی لفظ ''ماتا'' عربی لفظ ''مات'' کے معنی میں مستعمل نہیں اور نہ ہی دین کے وہ معنی ہیں جو مذہب کے مشابہ ہوں) تاہم اتنا تو کہا ہی جاسکتا ہے کہ ہندوستانی پنڈتوں میں عربی دانی کا ذوق تھا، اسی لئے جب یہ زبان ہندوستان آئی تو ہندی الاصل الفاظ سے متاثر ہوئی اور بہت سے ہندی الاصل الفاظ کی تعریب کی گئی لیکن اس نے دوسری سامی النسل زبانوں کے مقابلے میں بیرونی اثرات کو بہت کم قبول کیا اور اپنی حیثیت کو برقرار رکھا اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ عربی زبان و ادب نے دوسری قوموں سے مسلمانوں کے میل جول کے بعد غیر زبانوں کے سینکڑوں مختلف الفاظ اور اصطلاحیں بجنسہ یا تھوڑے تغیر کیساتھ عربی زبان میں منتقل کر لیں۔ (۲)

سنسکرت اور عربی:

سنسکرت ہندوستان کی قومی اور علمی زبان تھی۔ عربی زبان نے اس سے بہت سے الفاظ مستعار لے کر عربی الاصل شکل دے دی تھی۔ مثلاً صندل، مشک، تنبول، کافور، قرنفل، زنجبیل، نیلوفر، جائفل، اطریفل، ہیل، شنجبرہ، ہلیلج، فرفس، نیلج، نارجیل، اور انبج وغیرہ ہندی الاصل الفاظ چندن، موشکا، تمول، کرن پھول، پپلی (سیاہ مرچ) رنجامیر (سونٹھ)، نیلو پھل، جائے پھل، تری پھل، شنکھر (توتیا) ہڑ (ہلیلہ)،

کرپاس، نیل، ناریل، اور آم کا معرب ہیں۔ (۳) ان میں مشک، زنجبیل، اور کافور کے الفاظ قرآن مجید میں موجود ہیں۔ شاہ معین الدین کے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں ''عربی زبان کی اس وسعتِ قلبی کا نتیجہ تھا کہ وہ کسی بھی زمانہ میں علم وتمدن کا ساتھ دینے سے قاصر نہیں رہی''۔ (۴)

سنسکرت اور عربی زبان کا اگر تقابلی مطالعہ کیا جائے تو باوجود مختلف الجہات ہونے کے دونوں کے مابین کچھ چیزوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً کلمہ کی تقسیم یا تثنیہ کا صیغہ دونوں میں مشترک ہے۔ سنسکرت کے عظیم پروفیسر چمن مائے دت کا خیال ہے کہ عربی زبان کے ہندی الاصل الفاظ میں سے بعض تو عربوں اور ہندوستانیوں کے درمیان تجارتی تعلقات کی بنیاد پر داخل ہوئے اور بعض اس زمانہ کی یادگار ہیں جب عباسی خلفاء نے ہندو طبیبوں، نجومیوں اور ریاضی دانوں کو دعوت دے کر بغداد بلایا تھا۔ (۵)

ان توضیحات کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ عرب وہند کے قدیم تعلقات نے صرف عقائد اور معاشرت ہی نہیں، بلکہ زبان وادب کو بھی متاثر کیا تھا، اور عربی زبان کی شیرینی، اثر آفرینی اور سحر انگیزی نے ہی علم وادب کے شیدائیوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے ہندوستان میں اپنا مستقبل محفوظ کرنے کی داغ بیل ڈال دی تھی، اسی ذوق وشوق نے ہندیوں کو عربی کے بیش قیمت ادبی سمندر میں غوطہ زنی پر مجبور کیا تو ہندی الاصل ادباء وشعراء نے عربی زبان وادب کو مالا مال کیا۔ اور عربی زبان وادب پر اپنے لازوال اثرات چھوڑے۔

رسول اللہ ﷺ سے تعلق وعقیدت، مسلمانوں کا جزوِ ایمان ہے، آپ ﷺ کے اقوال کو انہوں نے ہمیشہ حرزِ جان بنائے رکھا، ان پر عمل کرنا باعثِ فلاح قرار دیا، آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا اپنی سعادت وکامیابی تصور کیا، اسی بنا پر انہوں نے عربی زبان کی تعلیم و تعلم اور درس وتدریس کو دین کا جزو بنا دیا۔ اسی بنا پر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ عربی زبان و ادب کی توسیع واشاعت میں سب سے بڑا حصہ اسلام کا ہی ہے۔

چنانچہ ہندوستان میں اسلام تین راستوں سے داخل ہوا، جنوبی ہندوستان جس میں کیرالا اور ملیبار وغیرہ کی ریاستیں شامل ہیں۔ مغربی ہندوستان کے ساحلی علاقے،

جن میں گجرات کے بھڑوچ، سورت، اور چیمور وغیرہ کے علاقے داخل ہیں اور سندھ کا علاقہ جن میں دیبل (کراچی) ملتان وغیرہ مشہور شہر آتے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان تینوں علاقوں کے باشندوں کو زمانہ قدیم سے ہی عربی زبان و ادب سے جو تعلق رہا، وہ دوسری جگہوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔

گجرات اور بلیباء کے علاقوں میں اسلام کا تعارف عرب تاجروں کے ذریعہ ہوا تو سندھ کے علاقے میں اس کا داخلہ فوجی کاروائیوں کے نتیجہ میں عمل میں آیا۔ مسلمان تاجروں نے جس طریقے پر اپنے اخلاق و کردار سے جنوبی و مغربی ہندوستان کے باشندوں کو متاثر کیا تھا۔ اسی طریقہ پر انہوں نے سندھ میں اپنے دشمن سے دادِ شجاعت و بہادری وصول کی تھی اور ان کی جرأت و حوصلہ مندی اسلام کے فروغ کا باعث بنی۔

سندھ میں اسلام:

یوں تو سندھ میں ۱۵ھ میں اسلام کی پہلی فوجی مہم کا پتہ چلتا ہے جو حضرت عثمان بن ابوالعاص الثقفیؓ نے اپنے بھائی مغیرہ کی قیادت میں دیبل کی کھاڑی کی طرف روانہ کی تھی جسے فتح بھی نصیب ہوئی تھی۔ (۶) چھوٹی چھوٹی ایسی کئی مہمات یکے بعد دیگرے ہوتی رہیں لیکن اصل فوجی مہم ۹۳ھ میں محمد بن قاسم کی قیادت میں پیش آئی، یہ دور حجاج بن یوسف ثقفی کا دور تھا۔ اس حملہ کی وجہ راجہ داہر کا وہ فعل تھا جس نے مسلمانوں کی غیرتِ اسلامی کو جوش دلادیا تھا ہوا یہ تھا کہ ہندوستان میں اسلام کے ابتدائی عہد میں مالدیپ کے راجہ نے ان مسلمان عورتوں کو جن کے تاجر شوہروں کی وفات ہوگئی تھی عراق واپس بھیج دیا تھا، ابھی یہ راستہ ہی میں تھیں کہ سمندری لٹیروں نے راجہ داہر کے اشارے پر ان عورتوں کو لوٹ لیا، اس غارتگری نے مسلمانوں کی رگِ حمیت کو بھڑکا دیا، اس کا بدلہ لینے کی خاطر محمد بن قاسم کی قیادت میں ایک فوجی جتھہ تشکیل دیا گیا، جس نے سندھ پر حملہ کیا اور سندھ کے راجہ داہر کو قتل کر کے سندھ کو فتح کیا۔ (۷) بلاذری نے ابن کلبی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ راجہ داہر کو قتل کرنے والا محمد بن قاسم نہیں، بلکہ قاسم بن ثعلبہ بن عبداللہ بن حسن الطائی تھا۔ (۸) ہوسکتا ہے کہ یہ محمد بن قاسم کی فوج کا کوئی سپاہی ہو جس کے ہاتھوں راجہ داہر مارا گیا۔

محمد بن قاسم نے ہندوستان کو فتح کرنے کے بعد مفتوحہ علاقوں میں عربوں کو بسانے میں دل چسپی کا مظاہرہ کیا اور دیبل سے ملتان تک اہم بندرگاہوں اور شہروں میں عربوں کی نو آبادیاں قائم ہو گئیں۔ جنوبی ہند کے عربوں کی طرح ان عربوں نے بھی تجارت کا پیشہ اختیار کیا، علاوہ ازیں عرب سپاہی بھی سندھ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اس طرح سے اس علاقہ میں اولین اسلامی علوم یعنی قرآن وحدیث کی اشاعت ہونے لگی۔ ایک تحقیق کے مطابق اس علاقہ کے شہر منصورہ، ملتان، دیبل، سندان، قصوار، اور قندابیل کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور یہ مقامات سندھ میں اسلامی علوم کے ابتدائی مراکز بن گئے (۹) سندھ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عرب فوج میں قرآن شریف کے بہت سے قاری تھے جن کو حجاج نے یہ تاکید کی تھی کہ قرأت پابندی سے کیا کریں، اس کے علاوہ محمد بن قاسم کے ساتھ ایسے کئی اشخاص آئے تھے جن کو قرآن وسنت پر عبور حاصل تھا، اس کے بعد جب عرب بڑی تعداد میں سندھ میں آباد ہونے لگے تو یہاں ایسے علماء بھی آباد ہو گئے جن کی محنت اور علم سے محبت کی بدولت عربوں کی نو آبادیوں میں اسلامی علوم کے مراکز قائم ہو گئے۔ (۱۰)

ہندوستانی علوم اور عربی زبان:

انہیں علماء میں ایک عالم ابو حفص محدث بصریؒ کا نام تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے جو تبع تابعی تھے اور ایک سند کے مطابق کتاب تصنیف کرنیوالوں میں پہلے مسلمان تھے۔ امکانات کے پیشِ نظر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس عہد میں منصورہ (بھکر) دیبل (ٹھٹھ) اور ملتان اسلامی علوم کے مراکز بن گئے تھے اسی دور کے دو ہندی پنڈتوں نکا اور دھن کا تذکرہ بھی ملتا ہے جنکی مدد سے چند سنسکرت کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا گیا تھا۔ (۱۱)

سندھ کا عرب حکومت کے تحت صوبہ بن جانے کے بعد ہند اور عرب کے درمیان گہری راہ ورسم کا دروازہ کھل گیا، اور عباسیوں کے عہد میں بغداد کے دار الحکومت بننے کے بعد تو سندھ سے عربوں کا علمی، مذہبی اور سیاسی مرکز اور بھی قریب ہو گیا۔ اس قرب سے خلفائے بغداد نے بہت فائدہ اٹھایا اور ہندوستان کی علمی ترقیوں سے اپنے آپ کو پوری طرح باخبر کیا اور اس کے لئے انہوں نے محکوموں اور ماتحتوں سے سبق سیکھنے

سے گریز نہیں کیا۔ اور کئی ہندوستانی کتب کو عربی میں منتقل کیا۔ (۱۲) ہندوستان کی پہلی کتاب جس کا عربی میں ترجمہ ہوا "سدھانت" ہے۔ یہ کتاب علمِ ہیئت پر مبنی تھی اور عربی میں "السند ہند" کے نام سے مشہور ہوئی۔ (۱۳)

علمِ ہیئت کے علاوہ علمِ حساب میں بھی عرب ہندوستانیوں سے مستفید ہوئے، عربوں کا بیان ہے کہ انہوں نے حسابی رقم (ہندسے) لکھنے کا طریقہ ہندوؤں سے سیکھا اسی لئے وہ ہندسوں کو حسابِ ہندی یا ارقام ہندیہ کہتے تھے۔ (۱۴)

علمِ ہیئت اور حساب کے علاوہ ہندوستانی طب عربوں میں بہت مقبول تھی۔ اس فن میں بھی سنسکرت سے عربی میں کتابوں کا ترجمہ ہوا علم طب کی جو کتابیں سنسکرت سے عربی میں منتقل ہوئیں ان میں سنترن اور چرک بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ (۱۵) حکمت و دانش کی کتابیں "کلیلہ و دمنہ" سنسکرت کتاب "پنچ تنتر" کا عربی ترجمہ ہے جسے عبداللہ بن المقفع نے کیا، یہ ترجمہ اصل سے زیادہ مقبول ہوا اور دنیا کی دوسری زبانوں میں عربی سے ترجمہ کیا گیا۔

علمی سرمایہ کی اس منتقلی نے دونوں ہی قوموں کو نئی علمی جہات سے باخبر کیا۔ اس کے اثرات صرف سندھ تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ گجرات کے علاقہ میں بھی شیراز و یمن کے علماء نے درس و افادہ کی مسند بچھائی۔ اور ان کے مسند درس سے بڑے بڑے اہلِ کمال و فضل و کامیاب ہو کر نکلے اور اس طرح گجرات، دکن اور مالوہ کے چپہ چپہ میں علم کی شمعیں روشن ہو گئیں۔ (۱۶)

گجرات کو جغرافیائی اعتبار سے بھی عربوں سے اس لئے قربت تھی کیونکہ گجرات کے مشہور شہر بھڑوچ اور سورت ہیں۔ بھڑوچ کے کنارے دریائے نربدا اور سورت کے کنارے دریائے تاپتی ہے۔ یہ دونوں دریا آگے چل کر بحرِ عرب سے مل جاتے ہیں۔ دریائے تاپتی کے دوسرے کنارے پر راندھیر ہے جس کو پہلے رانیر کہتے تھے۔ اس وجہ سے یہ شہر عربوں کی آمد و رفت کے مرکز بن گئے۔ عرب سے جو علماء دریا کے راستے ہندوستان میں آتے تھے وہ پہلے گجرات میں اترتے تھے موقع ملتا تو آگے بڑھتے ورنہ یہیں سے لوٹ جاتے تھے۔ اسی طرح ہندوستان سے جو تشنگانِ علوم عرب جانا چاہتے تھے وہ بھی اسی راستہ سے سفر کرتے تھے۔ (۱۷)

ہندوستان کی پہلی مسجد:

عرب مسلمانوں کا دستور تھا کہ وہ جہاں بھی جاتے وہاں علم کی اشاعت کا کام کرتے۔ یہ علوم توحید وقرآنیات واسلامیات سے متعلق ہوتے تھے اور اس کے لئے وہ مرکز مسجد کو بناتے تھے۔ اسی لئے وہ جہاں بھی جاتے مساجد کے قیام پر اپنی توجہ مرکوز کرتے، یہ مساجد مذہبی فرائض کی ادائیگی کے علاوہ اتحاد بین المسلمین اور ثقافتِ اسلامی کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتی تھیں۔ انہیں مساجد سے مکاتب کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں پہلی مسجد کب اور کہاں قائم ہوئی؟ اس سلسلے میں تاریخی طور پر اگرچہ کوئی حتمی بات نہیں ملتی تاہم ضمناً کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے۔ مثلاً ۲۲ راکتوبر ۳۹ء کے روزنامہ ہندو مدراس میں ''ہندوستان کی پہلی مسجد'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا جس کے مطابق ریاست ''کوچین'' میں قدیم ''چیرا'' سلطنت کے پایۂ تخت ''کرینگ نور'' کے پاس ''اراکولم'' کے کنارے جو چھوٹی سی سادہ مسجد واقع ہے وہ ہندوستان کی پہلی مسجد ہے۔ مالا بار میں عام طور سے یہ مشہور ہے کہ یہ ہندوستان کی سب سے پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفے ﷺ کی وفات کے چند سال بعد ہی پڑی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد اس وقت تعمیر کی گئی تھی جب کیرالا کے آخری باشاہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ (۱۸)

اس سلسلے میں مزید حوالے مالا بار کی ایک کتاب کیرالول پٹی (Keralol Patti) اور شیخ زین الدین کی تحفۃ المجاہدین میں بھی پائے جاتے ہیں۔ (۱۹)

لیکن یہ کوئی حتمی بات نہیں ہے، مشہور مؤرخ سید سلیمان ندویؒ اس کے بر خلاف گجرات صوبہ میں بھڑوچ کے قریب گندھار میں بنی ہوئی اس مسجد کو جو ہشام (گورنر سندھ) نے ۱۴۰ھ (۷۵۹ء) میں اپنی فتح کی یاد میں بنوائی تھی پہلی مسجد قرار دیتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ ''یہ (فتح گندھار) اس ملک (گجرات) میں اسلام کا پہلا قدم تھا اور سندھ کے علاوہ ہندوستان میں یہ پہلی مسجد تھی''۔ (۲۰)

مساجد کو اسلام نے چونکہ اہم مقام عطا کیا ہے اسلئے مسلمانوں کی علمی، مذہبی، تہذیبی، سماجی اور تمدّنی سرگرمیوں کا مرکز مساجد کو ہی بنایا گیا۔ اس لئے قدرتی طور پر

مساجد کا علم وادب کی اشاعت میں بڑا حصہ رہا۔ انہیں مساجد میں بڑے بڑے مشائخ، محدثین، فقہاء، علماء، ادباء اور شعراء نے زانوئے تلمذ عربی شعر وادب طے کئے اور یکتائے روزگار بن کر نکلے۔

(عرب حکمراں) ۹۳ھ تا ۳۸۸ھ عہد بہ عہد ارتقاء

ہندوستان میں عربوں کا زور کسی نہ کسی صورت میں عربوں کا عہد حکومت ۹۳ھ سے ۳۸۸ھ تک تقریباً تین صدیوں تک رہا؛ چونکہ سندھ میں عرب حکمراں کی صورت میں آتے تھے؛ اس لئے یہ علاقہ عربی زبان وادب سے بہت زیادہ متاثر رہا، اس دور کے سندھی شعراء میں مشہور نام ''ابوعطاء سندھی کا ملتا ہے جن کا انتقال ۱۸۰ھ میں ہوا۔ اگر چہ ابوعطاء کے بہت کم اشعار دریافت ہوئے ہیں تاہم عربی ادب کے مشہور شعراء ابوتمام اور بحتری نے اس کو اپنے حماسات میں مقام دے کر عربی ادب کا لافانی شاعر بنا دیا ہے۔ [۲۱]

ایسے ہی ایک اور شاعر ابوضلع کا تعلق بھی سندھ سے ہی تھا۔ یہ چوتھے عباسی خلیفہ موسیٰ الہادی کا مملوک تھا۔ اس کے وجود کا زمانہ سید سلیمان ندویؒ کے بقول ۱۸۶ھ سے پہلے ہوگا۔ اور تعجب نہیں کہ تیسری یا چوتھی صدی ہجری میں اس کی پیدائش ہو۔ کیونکہ سندھ میں عربوں کے دور کا خاتمہ یہیں پر ہوجاتا ہے۔ [۲۲] ابوضلع سندھی سچا محب وطن تھا۔ اسے سرزمین ہند کے ذرے ذرے سے لگاؤ تھا۔ اس نے اپنے ایک قصیدہ میں اپنا حب الوطنی کا اظہار کیا ہے جس کا مطلع مندرجۂ ذیل ہے:

لقد انکر اصحابی و ما ذلك بالامثل ☆ اذا ما مدح الهند و سهم الهند فی المقتل [۱]

جب ہندستان اور ہندستان کے ''تیر'' کی معرکہ میں تعریف کی جا رہی تھی تو میرے دوستوں نے اسکا انکار کیا جو مناسب نہیں تھا

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عربوں کے دورِ حکومت میں ہندوستان میں عربی ادب کے ارتقاء کا سفر نہایت سست رفتار رہا، اس کی وجہ یا تو ہم ادب کے تئیں مذہبی حضرات کی عدمِ دلچسپی مان سکتے ہیں یا پھر ایک یہ تاریخی حقیقت بھی کہ محمد بن قاسم کی قیادت میں سندھ پر جس لشکر نے حملہ کیا تھا اس میں عربی ادب کا کوئی قابلِ ذکر ادیب یا شاعر نہیں تھا۔ اور پھر یہ حملہ سندھ تک ہی محدود رہا، اسلم اصلاحی صاحب کے بقول ''اگر ان حملوں کا دائرہ دہلی

اور اس کے اطراف و جوانب تک وسیع ہوتا تو صورتِ حال بڑی حد تک مختلف ہوتی اور ہندوستان ضرور بالضرور وہ "اندلسِ ثانی" بن جاتا جس کے نوجوانوں کے دلوں میں از خود عربی پڑھنے کا شوق پیدا ہوتا اور جو عربی زبان و ادب کو حرزِ جان بنا لیتے"۔ (۴۴)

اس کے برخلاف انہوں نے علوم قرآن و حدیث و فقہ کی طرف بھرپور توجہ مبذول کی؛ چنانچہ یہاں کے پہلے محدث جیسا کہ اوپر گذرا شیخ ابو حفص ربیع محدث بصریؒ تھے جو عرب فوج کے ہمراہ یہاں تشریف لائے اور ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کا تعلق اگرچہ پیدائشی طور پر ہندوستان سے نہیں تھا لیکن آپ نے سندھ کو ہی اپنا وطن بنا لیا تھا۔ اور ایک روایت کے بقول آپ یہیں مدفون ہوئے۔ (۴۵) لیکن شمس تبریز خاں کی تحقیق کے مطابق آپ کا مدفن شہر بھڑوچ سے تیس کلو میٹر دور نرمدا ندی کے کنارے "بھاڑ بھوت" نامی جگہ میں ہے۔ (۴۶)

ہندوستانی نومسلموں میں ابو معشر نجیح سندھی اپنے زمانے میں فن سیر و مغازی کے امام تھے جنہوں نے ۱۷۰ھ میں وفات پائی اور آپ کی نمازِ جنازہ خلیفہ ہارون رشید نے پڑھائی۔ (۴۷)

دوسرے نومسلم محدث رجاء السندھی تھے جنہوں نے ۲۲۱ھ میں وفات پائی، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے محدثین کا تذکرہ ملتا ہے۔ سمعانی نے دیبلی، سندھی، لاہوری اور منصوری کے ذیل میں متعدد مسلمان علماء کے نام لکھے ہیں۔

اس عہد کے مشہور ترین ہندوستانی صاحبِ کلام شعراء میں تاریخی طور پر جن حضرات کا تذکرہ ملتا ہے ان میں ہارون بن موسیٰ ملتانی، جن کی وفات ۱۲۵ھ سے ۱۵۰ھ کے درمیان ہوئی۔ افلح بن یسار المعروف بہ مرزوق المتخلص بہ ابو عطاء السندھی المتوفی ۱۸۰ھ، ابراہیم بن السندی شاہک المتوفی ۲۱۸ھ، ابوالضلع سندھی جن کی وفات ۲۴۰ھ کے قریب ہوئی، ابو الفتح محمود بن حسین بن شاہق الملقب بہ کشاجم السندی المتوفی ۳۳۰ھ وغیرہم بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ (۴۸)

غزنوی عہد (۳۸۸ھ تا ۵۸۲ھ)

عربوں کے دورِ حکومت میں عربی ادب کا جو مذاق پیدا ہوا تھا اس کو محمود غزنوی کے عہد تک مزید جلا ملی جس سے نت نئے علوم کا اضافہ بھی ہوا اور ہندوستان میں عربی زبان کی جڑیں گہری ہوتی گئیں عربی قواعد کو سمجھنے اور صحیح استعمال کرنے کے لئے علم صرف ونحو وجود میں آئے تو شریعت کے اصولوں پر صحیح عمل پیرا ہونے کے لئے فقہاء کی کوششوں سے علم الفقہ میں نئی نئی راہیں کھلیں۔ علم الحدیث، علم القرآن، علم التفسیر، علم الفرائض، اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر، اصولِ فقہ، فنِ تصوف اور پھر منطق وفلسفہ جیسے علوم سے باشندگانِ ہند متعارف ہوتے رہے جن کی اصل زبان عربی تھی۔ ہندی الاصل حضرات نے بھی علوم میں اپنی دل چسپی دکھا کر عربی زبان سے اپنے قلبی تعلق کی مُہر ثبت کردی۔

عربوں کے بعد ۵۸۲ھ تک کم وبیش دو سو سال غزنویوں نے یہاں حکمرانی کی۔ اس خاندان کا عظیم حکمران محمود غزنوی تھا جو علم وثقافت کا زبردست حامی تھا، اگرچہ سلطان محمود کو خاص دل چسپی فارسی سے تھی لیکن وہ عربی کا بھی زبردست عالم تھا۔ وہ حنفی اور شافعی مسلک کے پیرو علمائے کرام کے عالمانہ مباحثوں میں خصوصی دل چسپی لیتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے فقہ پر ایک کتاب بھی لکھی جسکا نام ''الفرید فی الفروع'' ہے۔[(۲۹)]

محمود غزنوی کے بعد اس کے لڑکے مسعود غزنوی نے لاہور کو اپنی سلطنت کے ان علاقوں کا دارالحکومت بنایا جو دریائے سندھ کے مشرق میں واقع ہیں۔ اس کے بعد یہ شہر ہر زمانہ میں اسلامی علوم کا ایک اہم مرکز رہا اور یہاں بہت سے نامور اہلِ قلم اور علماء پیدا ہوئے۔ عربی وفارسی وہندی کا مشہور شاعر مسعود بن سعد بن سلیمان جسے پہلا صاحبِ دیوان عربی شاعر ہونے کا فخر حاصل ہے، اسی دور کا شاعر ہے۔[(۳۰)]

اس شاعر کا اصل نام مسعود بن سعد بن سلمان ہے، یا سعد بن مسعود بن سلمان۔ اس بارے میں حکیم عبدالحیٔ صاحب نے سعد بن مسعود بن سلمان لاہوری لکھا ہے اور اس کے دیوان کو ناپید بتاتے ہوئے اس کا ایک شعر نقل کیا ہے۔[(۳۱)]

ثق بالحسام فانہ میمون ☆ وارکب و قل للنصر کن فیکون

مذکورہ بالا شاعر کو ہم ہندوستان کے عربی شعراء میں پہلا صاحبِ دیوان شاعر تو کہہ سکتے ہیں لیکن پہلا عربی ہندی شاعر نہیں کہہ سکتے کیونکہ انکی پیدائش ۴۳۵ھ سے ۴۴۰ھ کے درمیان ہے۔

غزنوی عہد کا پہلا فرماں روائے ہند یعنی سلطان محمود غزنوی علم وادب کا بڑا قدر داں تھا۔ اس نے دور دراز ایشیائی علاقوں سے آئے ہوئے علماء کی سرپرستی کی تھی۔ اس نے غزنی میں ایک عظیم الشان مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی اس کے بھائی نصر نے نیشاپور میں مدرسہ سعیدیہ تعمیر کیا۔ اسی کے عہد میں مذہبی علوم وفنون سیکھنے اور کتاب الہند کے لئے مواد جمع کرنے کے لئے البیرونی ہندوستان آیا۔ (۳۲)

اس دور کے مشہور شعراء میں مسعود بن سعد بن سلمان لاہوری کے علاوہ ابو محمد الحسن بن حامد الادیب الدیبلی البغدادی متوفی ۴۰۷ھ، عطاء بن یعقوب بن ناکل الغزنوی المتوفی ۴۹۱ھ وہ شعراء کرام ہیں جن کا کلام مؤرخین شعر وادب نے تاریخ ادب عربی کی کتابوں میں محفوظ رکھا ہے۔

غوری عہد ۵۸۲ھ تا ۶۰۲ھ

یہ دور چونکہ صرف بیس سال کے قلیل عرصہ پر مشتمل ہے ملکی حالات میں بھی کوئی ٹھہراؤ نہیں پایا جاتا اسی لئے اس عہد میں شعر وادب پر توجہ کم دکھائی دیتی ہے۔ البتہ اس دور میں تصوف کو خاص مقام حاصل رہا۔ متعدد فضلاء ومشائخ ہندوستان میں آئے جن میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ کا وطنی تعلق سیستان سے تھا وہ ۵۳۷ھ (۱۱۴۲ء) میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کے ہوئے تو ان کے والد غیاث الدین کا انتقال ہوگیا۔ وہ مختلف مقامات پر گھومتے ہوئے خراسان اور آخر میں بغداد پہونچے جہاں ان کا اپنے زمانہ کے مشہور ترین صوفیاء سے تعارف ہوا۔ ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں وہ دہلی آئے لیکن وہ بہت جلد اجمیر منتقل ہوگئے جہاں ان کا انتقال ۶۳۳ھ (۱۲۳۶ء) میں ہوا۔ (۳۳)

اسی دور میں فخر الدین رازی کی تصانیف نے باشندگانِ کو علم کلام کی طرف متوجہ کیا اور اس کا رواج ہوا۔ (۳۴)

غلام دور ۶۰۲ھ تا ۶۸۹ھ (۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۰ء)

غوریوں کے بعد ہندوستان کی باگ ڈور ترکوں کے زیر انتظام آئی جو تاریخ میں غلام عہد کے نام سے مشہور ہے۔ غلام خاندان میں قطب الدین اور التمش خود بڑے فاضل اور علم کے قدرداں تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں منگولوں کی ہلاکت خیزیوں کے باعث ہزارہا بے خانماں انسان ہندوستان بھاگ کر آئے جن میں علماء، فضلاء اور اربابِ صنعت وحرفت ہر قسم کے لوگ تھے۔ انہوں نے سب کو پناہ دے کر ہندوستان کی شہرت کو دوبالا کر دیا۔ چونکہ دہلی ان کا دارالحکومت تھا اسی لئے یہ شہر بہت جلد اپنے علمی کارناموں کے باعث ہمہ گیر شہرت کا مالک ہو گیا۔ پھر قرونِ وسطی میں علم کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جو دہلی میں نہ ہو اسی لئے دہلی کو بجا طور پر قطب الاسلام کا لقب دیا گیا۔

غلام خاندان کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اس دور میں بکثرت ہندوستانی مصنف ہوئے، ان میں حسن صاغانی لاہوری کی متعدد تصانیف ہیں۔ شیخ جمال ہنسوی کی ''الملہمات'' اور قاضی منہاج الدین جوزجانی کی ''طبقاتِ ناصری'' اسی دور کی یادگار ہیں۔ فخر مدبر نے اسی عہد میں ''ادب الملوک'' نامی کتاب تصنیف کی تو عوفی نے اپنی مشہور کتاب ''جوامع الحکایات'' اسی عہد میں تحریر کی۔

غلام عہد میں جہاں ایک طرف علم ارتقائی منازل طے کر رہا تھا تو دوسری جانب روحانی تعلیمات کے فیوض بھی مستقل جاری تھے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی، شیخ فرید الدین گنج شکری، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور شیخ علی بن علاؤ الدین بن احمد صابر کلیریؒ اس عہد کے مشہور روحانی پیشوا گذرے ہیں۔(۳۵)

خلجی عہد ۶۸۹ھ تا ۷۲۰ھ (۱۲۹۰ء تا ۱۳۱۱ء)

خاندانِ خلجی بھی غلام خاندان کی مانند نسلاً ترک تھا اس خاندان کا سربراہ جلال الدین خلجی تھا جس نے سات سال حکومت کی۔ وہ بڑا نیک حکمراں تھا، مؤرخین کا ماننا ہے کہ اس کے دور میں کوئی مظلوم ایسا نہیں تھا جس کے ساتھ انصاف نہ کیا گیا ہو۔(۳۶)

اس کے بعد اس کا بھتیجہ علاؤالدین خلجی حکمراں ہوا۔ علاؤالدین اگرچہ بذاتِ خود ایک ان پڑھ بادشاہ تھا لیکن اس کے باوجود اسے ادب وشاعری سے بہت دلچسپی تھی۔ اس کے زمانے میں اسلامی ہند میں اور خاص طور پر دہلی میں بزرگانِ دین، علماء، شعراء کی جتنی بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی اتنی دہلی کے کسی بادشاہ کے زمانے میں جمع نہیں ہوئی۔ (۳۷)

خلجی دور اس بات میں ممتاز مانا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان کے شہروں بیانہ، بھکر، کول، کڑہ، ملتان، برن، سترکھ اور لاہور وغیرہ میں علم کا اتنا زور تھا کہ ہندوستان میں امام رازیؒ اور امام غزالیؒ کے ہم پلہ علماء وفضلاء پیدا ہونے لگے۔ (۳۸)

یمین الدین ابوالحسن ابن سیف الدین المتخلص بہ امیر خسروؒ دہلوی اس عہد کے ممتاز ترین شعراء میں سے ہیں۔ اگرچہ وہ بنیادی طور پر فارسی زبان وادب کے شاعر تھے لیکن فی الحقیقت وہ عربی کے ایسے قادر الکلام شعراء میں تھے جن کے اشعار میں سوز وگداز اور سلاست وروانی کے علاوہ ادیبانہ مہارت بھی ملتی ہے۔ ان کے اشعار میں ایک خاص قسم کی کیفیت اور تاثر محسوس کیا جاتا ہے۔

دورِ تغلق ۷۲۰ھ تا ۸۱۵ھ (۱۳۱۱ء تا ۱۴۰۹ء)

تغلق خاندان میں محمد تغلق اور فیروز تغلق دونوں عالم وفاضل ہونے کے ساتھ ساتھ علم وفن کے دلدادہ اور اہلِ علم کے مربی تھے۔ ان کی خواہش سے متعدد کتابیں لکھی گئیں، اس خاندان کے دورِ سلطنت میں نہ صرف دہلی بلکہ قرب وجوار کی تقریباً ہر مسجد اور خانقاہ سے عربی مدارس وابستہ تھے۔ صرف دہلی شہر میں ان مدارس کی تعداد ایک ہزار اور قرب وجوار کے ملا کر تقریباً دو ہزار تھی۔ (۳۹)

اس دور کے عربی شعراء میں رکن الدین ابوالفتح فیض اللہ بن صدر الدین، محمد بہاؤالدین زکریا ملتانی متوفی ۷۳۵ھ، قاضی عبدالمقتدر ابن محمود ابن سلیمان ابن قاضی منہاج الدین ابن قاضی رکن الدین تھانیسری ثم دہلوی متوفی ۷۹۱ھ اور شیخ احمد بن محمد تھانیسری متوفی ۸۲۰ھ آسمانِ شعر وادب پر چھا گئے۔

شیخ احمد بن محمد تھانیسری ادب وشاعری کے علاوہ فقہ اور اصول میں بھی ممتاز

تھے۔ ۱۸۰۱ھ میں فتنۂ تیموری کے وقت دہلی سے نکل کر کالپی پہونچے۔ امیر تیمور انہیں سمرقند لے جانا چاہتا تھا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ ۸۲۰ھ میں انہوں نے کالپی میں وفات پائی اور اس کے قلعہ میں دفن ہوئے۔ (۴۰)

قاضی عبدالمقتدر بن رکن الدین بھی تغلق زمانہ کی ممتاز شخصیات میں سے ہیں، انہوں نے اس میدان میں اپنے جن طبعی جوہروں کو پیش کیا اس کی نظیر کم ہی ملتی ہے۔ اسلم اصلاحی صاحب تو سعد بن مسعود بن سلمان لاہوری کے بعد طویل زمانہ تک اس پایہ کا شاعر قاضی عبدالمقتدر کے علاوہ کسی کو نہیں مانتے۔ (۴۱)

شیخ رکن الدین ملتانی صاحبِ تصنیف و تالیف کے علاوہ عربی کے مشہور شاعر بھی تھے لیکن آپ کا سارا علمی سرمایہ ضائع ہو گیا۔ ان کا ایک نعتیہ مخطوطہ "القصیدۃ الشوقیہ" کے نام سے رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے۔ (۴۲)

تغلق عہدِ حکومت میں جو شہر تعمیر کئے گئے ان میں جونپور نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ اس شہر کی بنیاد ۱۳۵۹ء میں ڈالی گئی جونپور کے تذکرہ کے بغیر ہندوستان کی علمی تاریخ نامکمل مانی جاتی ہے۔ اس حکومت کو سلطنت شرقی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ آزاد ریاست تھی جس کا بانی ملک سرور تھا اور جسے ملک الشرق کا خطاب دیا گیا تھا۔ (۴۳) جونپور کے بادشاہوں میں سب سے زیادہ شہرت ابراہیم شاہ شرقی کو حاصل ہوئی جس کے زمانے میں دہلی پر تیمور کا حملہ ہوا، دہلی کے اجڑنے کے بعد وہاں کے علماء وادیبوں نے جونپور کا رخ کیا جس کی وجہ سے یہ شہر علمی مرکز بن گیا۔ اور اس کی مرکزیت تین سو سال تک رہی۔ (۴۴)

سید عہد ۸۱۷ھ تا ۸۵۵ھ (۱۴۰۹ء تا ۱۴۵۱ء)

اس عہد کا آغاز ۸۱۷ھ سے ہوتا ہے جو تقریباً اڑتیس سالوں پر محیط ہے۔ اس دور کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے آخری فرماں روا سلطان علاؤالدین بن محمد شاہ نے بدایوں کو دارالسلطنت بنایا اور تقریباً تیس سال تک اسے دارالحکومت بنا کے رکھا جس کی وجہ سے یہ شہر بھی اسلامی علوم کا مرکز بنا۔ سیدوں کا خاندان مضبوط حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا جس کی وجہ سے علم وادب کی بھی سرپرستی نہیں ہو سکی۔

لودھی سلطنت ۸۵۵ھ تا ۹۳۲ھ ۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء

لودی سلاطین نے ویسے تو عموماً علماء کی سرپرستی کی لیکن سکندر لودی کی ادب نوازی وقدردانی سب سے زائد تھی اس کے زمانے میں ''فرہنگ سکندری'' وغیرہ کتابیں لکھی گئیں۔ سکندر نے آگرہ شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کو پایۂ تخت بنایا تو وہ بہت جلد ترقی کے مدارج طے کر کے دہلی کا ہمسر ہو گیا۔ لودی دور میں غیر مسلم اشخاص بھی عربی کی طرف عملاً متوجہ ہوئے۔ بدایونی کہتا ہے کہ ایک ہندو جس کا تخلص برہمن تھا وہ مسلمانوں کے مدرسے میں ایک اعلیٰ استاد تھا۔ (۴۵)

اس عہد کے مشہور شعراء میں زین الدین ابویحییٰ ابن علی ابن احمد شافعی مالاباری متوفی ۹۲۸ھ، شاہ احمد شرعی چندیری متوفی ۹۲۸ھ ایسے شعراء ہیں جن کا کلام دستیاب ہے۔

سکندر کے بعد اس کا لڑکا ابراہیم لودھی ۱۵۱۷ء تا ۱۵۲۶ء تخت پر بیٹھا۔ یہ نااہل حکمراں تھا۔ اس کو دہلی کے قریب پانی پت کے میدان میں کابل کے مغل حکمراں بابر نے شکست دے کر ۱۵۲۶ء میں دہلی پر قبضہ کر لیا۔ (۴۶)

اس کے بعد ہندوستان میں مغل تہذیب نے اپنے اثرات دکھلائے جس نے ہندوستان کی تہذیب وثقافت، زبان وادب، اور یہاں کی سماجی وسیاسی زندگی پر اپنے لازوال نقوش چھوڑے۔

فیروز شاہ تغلق کے بعد دہلی سلطنت کمزور ہو چلی تھی اور جگہ جگہ آزاد ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔ اس سے اگرچہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سیاسی اتحاد کو نقصان پہونچا لیکن جگہ جگہ آزاد حکومتوں کے قائم ہونے سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی تہذیب وتمدن ہر ہر حصہ میں پہونچ گیا۔ سری نگر، جونپور، ٹھٹھ، احمد آباد، مانڈو، آگرہ، بیدر، بیجاپور، اور احمد نگر کے نئے شہر وجود میں آئے۔ جن کی بدولت علم وادب کو بہت ترقی ملی، چھوٹی حکومتوں کا یہ زمانہ تقریباً دوسو سال ۱۴۰۰ء سے ۱۶۰۰ء تک قائم رہا۔ اس کے بعد دہلی پھر ایک مضبوط مرکزی حکومت کا دار السلطنت بن گئی جو تاریخ کے صفحات پر عہد مغلیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

﴿حواشی﴾ پہلا باب فصل دوم

(۱) ہندوستان اسلام کے سایے میں ر ص:۹۸
(۲/۳/۴) اردو کی لسانی اہمیت رشاہ معین احمد ر ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، دسمبر ۱۷ء ۶/۶۹
(۵) عربی کے ہندی الاصل الفاظ ر پروفیسر چمن مائے دت، ترجمہ عبدالرؤف رمعارف، اعظم گڑھ، دسمبر ۶۲ء ۶/۹۰
(۶) فتوح البلدان للامام ابی العباس احمد بن یحیٰ البلاذری / دارالنشر للجامیین بیروت/ ۱۹۵۷ء /: ۶۰۷
(۷) ہندوستان میں اسلام کی اشاعت رمعارف اعظم گڑھ، ۵/۱۳
(۸) فتوح البلدان ر ص: ۶۱۶
(۹/۱۰) علم حدیث میں برِاعظم ہندو پاک کا حصہ ڈاکٹر شاہد رزاقی ر مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ر ۱۹۸۳ ر ص:۴۵
(۱۱) عربی ادبیات میں ہندو پاک کا حصہ ر زبید احمد : ترجمہ شاہد رزاقی ر ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۷ء ر ص:۱۰
(۱۲/۱۳/۱۴) آب کوثر ر شیخ محمد اکرم ر پانچویں اشاعت تاج کمپنی دہلی ۱۹۸۷ ر ص:۳۱
(۱۵) آب کوثر ر شیخ محمد اکرم ر پانچویں اشاعت تاج کمپنی دہلی ۱۹۸۷ ر ص:۳۳
(۱۶) اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں ر حکیم عبدالحی ر ترجمہ ابوالعرفان ندوی ر دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۶۹ء ر ص:۲۶
(۱۷/۱۸) سفر گجرات کی چند یادگاریں ر سید سلیمان ندوی ر معارف، اعظم گڑھ، ستمبر ۳۶ء ۳/۳۸
(۱۹) تلخیص وتبصرہ ر سید صباح الدین عبدالرحمٰن ر معارف، اعظم گڑھ نومبر ۳۹ء ۵/۴۴
(۲۰) عرب وہند کے تعلقات ر ص:۱۷
(۲۱) عربی ادب میں ہندوستان کا حصہ ر شمس تبریز خاں ر لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ ۱۹۸۹ء ص:۵۷
(۲۲/۲۳) عرب وہند کے تعلقات ر ص:۹۶
(۲۴) ہندوستان میں عربی ادب کا ارتقاء ر محمد اسلم اصلاحی کا مضمون مشمولہ ''ہندوستان میں اسلامی علوم وادبیات'' مرتبہ عمادالحسن آزاد فاروقی ر مکتبہ جامعہ دہلی، ۱۹۸۶ء ص:۱۳۷
(۲۵) آب کوثر (حاشیہ ص:۳۵)
(۲۶) عربی ادب میں ہندوستان کا حصہ
(۲۷) آب کوثر ر ص:۳۶
(۲۸) ہندوستان میں عربی شاعری ر (مختلف صفحات پر پھیلے ہوئے صاحب دیوان شعراء کے تذکرہ سے ماخوذ)
(۲۹) عربی ادبیات میں ہندو پاک کا حصہ ر ص:۱۱

(۳۰) عربی ادبیات میں ہند و پاک کا حصہ رص:۲۳۴

(۳۱) الثقافة الاسلامیه فی الهند / عبد الحئ الحسنی / المجمع العلمی العربی ، دمشق ۱۹۵۸/ص: ٤٤ شمس تبریز خان صاحب اس کا نام سعد بن سلیمان مانتے ہیں، شمس صاحب نے اسکا سن ولادت ۴۳۵ھ سے ۴۴۰ھ کے درمیان اور وفات ۵۱۵ھ میں بتلائی ہے اور اس کے درج بالا شعر کو اس طریقہ پر درج کیا ہے:

ثقِ بالحسام فعهده میمون　　ابداً وقل للنصر کن فیکون

(بحوالہ عربی ادب میں ہندوستان کا حصہ رشمس تبریز خان، لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ ۱۹۸۹ء ص:۸۴-۸۵)

(۳۲) محمود غزنوی کی بزم ادب رابو الحسنات ڈاکٹر غلام محی الدین زور قادری رابراہیمیہ پریس حیدر آباد ۱۹۲۷ء رص:۹۰

(۳۳) Short Encyclopeadia of Islam/H.A.R.Gib and J.H.Karvans/Leiden E.J.Brill; 1953/P.66

(۳۴) ہندوستان میں عربی شاعری ص:۸

(۳۵) ہندوستان میں عربی شاعری ص:۱۰

(۳۶) ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ رثروت صولت رطبع سوم دسمبر ۱۹۹۵ رمرکزی مکتبہ اسلامی دہلی: ج:۲

(۳۷) ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ رثروت صولت رطبع سوم دسمبر ۱۹۹۵ رمرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ص:۱۴۹

(۳۸) ہندوستان میں عربی شاعری ص:۹

(۳۹) ہندوستان میں عربی شاعری ص:۱۰

(۴۰) الاعلام (نزهة الخواطر / عبد الحئ الحسنی) مکتبه دارِ عرفات / رائے بریلی ۱۹۹۲/ج: ۳ص: ۸

(۴۱) ہندوستان میں علوم اسلامیہ ص:۱۳۸

(۴۲) ہندوستان میں عربی شاعری رص:۴۹

(۴۳) ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ رثروت صولت رج:۲ص:۱۹

(۴۴) ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ رثروت صولت رج:۲ص:۱۹۱

(۴۵) ہندوستان میں عربی شاعری رص:۱۱

(۴۶) ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ رج:۲ص:۱۹۴

فصل سوم

مغل حکمراں اور عربی زبان وادب

عہد بابری:

تیموری خاندان کے چشم وچراغ ظہیر الدین محمد بابر سے مغلیہ خاندان کی ابتداء ہوئی۔ (۱) بابر کی پیدائش ۶ محرم ۸۸۸ھ کو خلق نگار خانم کے بطن سے ہوئی، اس کی تاریخ پیدائش حسامی فراکوی نے اس طرح کہی ہے:

اندر شش محرم زاد آں کہ شہ مکرم ☆ تاریخ مولدش ہم شش محرم (۲)

بابر انتہائی ذہین وفطین، خوش بیاں وخندہ رو، دل کش اور خوبصورت شخصیت کا مالک تھا، جود وسخا اور انسانی ہمدردی اس کی طبیعت کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ حسن و ادب کا دلدادہ تھا جس کی مثال اس کی ''توزک بابری'' ہے جو اصلاً ترکی میں ہے۔ ترکی اس کی مادری زبان ہے مگر فارسی اور عربی سے واقف تھا۔ (۳) وہ علم دوست اور ادب کا شیدائی تھا، اصحابِ علم وفن سے استفادے کے لئے کوئی لمحہ ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔ اس کا انتقال انچاس سال کی عمر میں (۹۳۷ھ) ہوا۔ (۴) یہی علم وادب کا ذوق وشوق وراثت میں اس کے لڑکوں کو ملا۔ (۵)

عہد ہمایوں:

بابر کے بعد اس کا بڑا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا جس کی ولادت ۴/ذی قعدہ ۹۱۳ھ کو کابل کے قلعہ ارک میں ہوئی تھی۔ ''فیروز بخت شد'' اس کے سنِ ولادت کا تاریخی مصرعہ ہے۔ (۶) علمی مذاق اور شعروشاعری اسے بھی وراثت میں ملی۔ خالی اوقات میں وہ طبع آزمائی کرتا، اس کی تعلیم مذہب واخلاق سے آراستہ تھی وہ صوم وصلاۃ کا پابند اور احکامِ شرعیہ پر پابندی سے عمل کرنے والا تھا۔ (۷)

بابر کے دوسرے بیٹے ہندال، عسکری اور کامران اور بیٹی گلبدن بیگم بھی شعر وشاعری اور تاریخ وتاریخ نویسی کا بلند ذوق رکھتے تھے۔ (۸) ہمایوں اپنے بھائیوں اور

شیر شاہ سوری سے جنگی مہمات میں الجھ کر کبھی داخلی اور کبھی خارجی فتنوں کا شکار ہوتا رہا۔ جس کی وجہ سے اسے قرار نصیب نہیں ہوسکا اور وہ اپنے ذوقِ علمی کو اس انداز سے فروغ نہیں دے سکا جس کا وہ خواہش مند تھا۔ وہ خانہ بدوشوں کی زندگی گذار رہا تھا کہ اسی بادیہ نشینی میں اکبر کی ولادت ہوئی۔ ہمایوں کو سلطنت ملی تو موت نے اسے مہلت نہ دی۔ اکبر کو چند سال بھی اپنے بزرگ باپ کے ساتھ چین سے رہنا نصیب نہیں ہوا، اس کے اثرات یہ ہوئے کہ اکبر کی باوجود ہمایوں کی خواہش وکوشش کے باقاعدہ تعلیم نہیں ہوسکی۔

عہدِ اکبری اکبر ۴ سال ۴ مہینہ ۴ دن کا تھا کہ اس کی مکتب کی رسم ادا کردی گئی۔ (۹) باپ کی موت کے بعد کم عمری میں یعنی تیرہ سال کی عمر میں اس کے کاندھوں پر سلطنت کا بوجھ رکھ دیا گیا۔ اکبر اگرچہ باضابطہ تعلیم یافتہ نہیں تھا لیکن اس کے دل میں علوم وفنون کا شوق اور اس کی قدردانی کا جوش اتنا تھا جو کبھی کسی عالم بادشاہ کو بھی نہیں ہوا۔ وہ ہر فن کے اربابِ کمال کو جمع کرتا اور مختلف مسائل پر بحث کراتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دور علمی حیثیت سے درخشاں دور ہے۔ اس دور میں عربی اور سنسکرت کی متعدد کتابوں کے فارسی تراجم ہوئے اور بہت سی تصنیفات وتالیفات منظر عام پر آئیں جو علم وفن اور عقل ودانش کے آسمان پر ستارہ بن کر چمکیں۔ (۱۰)

دمیری کی مشہور ومعروف کتاب ''کتاب الحیوان'' شہاب الدین یاقوت حموی کی ''معجم البلدان'' اور ''جامع رشیدی'' وہ گراں قدر کتابیں ہیں جن کے تراجم اکبر کے دور میں حکومت کی زیرِ نگرانی ہوئے۔ (۱۱)

اس کے دربار سے وابستہ نورتنوں میں سے ابوالفضل اور فیضی نے عربی ادب پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ فیضی کی غیر منقوط تفسیر قرآن ''سواطع الالہام'' ایک ایسا ادبی شاہکار ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ فیضی کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے مختلف زبانوں میں ایک سو ایک کتابیں تالیف کیں۔ (۱۲) ان کے علاوہ اکبری دربار میں عبدالرحیم خان خاناں عربی میں اعلیٰ لیاقت رکھتا تھا۔ دقیق اور مشکل عربی کے معانی اور مفاہیم کو نہایت آسان فارسی میں منتقل کرتا۔ (۱۳) ملا عبدالقادر بدایونی عربی، فارسی اور

سنسکرت کے جلیل القدر عالم تھے۔ خواجہ نظام الدین احمد، فتح اللہ شیرازی، شیخ عبدالنبی، شیخ عبدالحق دہلوی، قاضی نوراللہ شوستری، حاجی سلطان تھانیسری، قاضی جلال الدین ہندی وغیرہ جیسے جید علماء کے علاوہ حکیم سنائی، عرفی نظیری نیشاپوری، شکیب صفاہانی، حموی ہمدانی وغیرہ جیسے عظیم شعراء نے بھی عہد اکبری میں عربی ادب و زبان پر لافانی نقوش چھوڑے۔ اس طریقہ پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اکبر کا زمانہ عربی زبان وادب کے فروغ میں درخشاں حیثیت کا حامل ہے۔

اکبر کے ادبی ذوق کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کی اسلامی علوم وفنون سے عدمِ دل چسپی کے باعث اگرچہ فکر وفن کا دھارا ہی بدل گیا تھا تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ عربی زبان وادب اس کی فیض بخشیوں سے محروم نہیں رہے۔ علماء وفضلاء ہمیشہ اس کے دربار کی زینت رہے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے شیخ عبدالنبی اس عہد کے فقہ اور عربی زبان کے عالم تھے۔ اکبر ان کا اس درجہ ادب واحترام کرتا تھا کہ پیر کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔ (۱۴) شیخ کی تصنیفات میں **وظائف النبی ﷺ وسلم فی الادعیة الماثورة**، **رسالہ فی حزنة السماع** اور **سنن الهدى فى متابعة المصطفى**، وہ علمی کارنامے ہیں جو انہیں علم وادب کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔ (۱۵) علاوہ ازیں شیخ علی متقی، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی اور علامۃ العصر محمد بن طاہر پٹنی علم وادب کے وہ مینارے ہیں جنہوں نے صرف عہدِ اکبری میں ہی نہیں بلکہ اب تک اپنے فیوض وبرکات سے دنیائے عربی ادب کو مالا مال کر رکھا ہے۔ (۱۶)

عهد جهاں گیری:

اکبر کے بعد اس کا بیٹا جہاں گیر تخت کا وارث بنا جو بذاتِ خود فارسی کا ادیب تھا لیکن عربی ادب وزبان کے فروغ میں دل چسپی رکھتا تھا۔ جہاں گیر کو بابر کا ادبی ذوق اور اکبر کی علمی روایات ورثہ میں ملی تھیں۔ اکبر نے دینِ الٰہی کے ذریعہ علومِ اسلامیہ کو جس نہج پر پہونچا دیا تھا وہ سب کے سامنے ہے۔ اس کے بعد ہندوستان میں علومِ اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کا سہرا بھی جہاں گیر کے سر ہے۔ اسی کے عہد میں مجدد الف ثانی حضرت احمد

سرہندی اور محدث جلیل شیخ الحدیث شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہما الرحمۃ جیسی عبقری شخصیات نے اپنے باطنی وظاہری علوم وکمالات سے خلق خدا کو فیض پہونچایا۔

عہدِ جہانگیری میں یوں تو بہت سے اصحاب تصانیف پیدا ہوئے۔ عربی زبان و ادب کو بھی فروغ حاصل ہوا لیکن مذکورہ بالا دونوں شخصیات کے تذکرے کے بغیر اس عہد کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی انہوں نے اپنے علم وعمل کے ذریعہ اس عہد کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ مستقبل کے ادب، معاشرت اور سیاست پر بھی ان کے افکار جلیلہ اثر انداز ہوئے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (ماہِ محرم ٩٥٨ھ، ١٠٥٢ء) اسلام شاہ سوری کے عہد حکومت میں مولانا سیف الدین دہلوی کے گھر پیدا ہوئے۔ یہ گھرانہ دہلی کا ایک علمی گھرانہ تھا۔ (١٧) شیخ کے والد شیخ سیف الدین عربی شاعری سے انسیت وتعلق رکھتے تھے۔ وصال کے وقت آپ نے اپنے کفن میں جن چیزوں کو رکھنے کی ہدایت کی ان میں عربی کے یہ دو اشعار بھی تھے:

قدِمت علی الکریم بغیر زاد ☆ من الحسنات و القلب السلیم

فحمل الزاد اقبح کل شیئ ☆ اذا کان القدوم الی الکریم (١٨)

شیخ عبد الحق تصوف میں حضرت باقی باللہ کے مرید تھے۔ مذہبی اقدار کو مستحکم کرنے کی خاطر انہوں نے اپنی زندگی وقف کردی۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی بے انتہا ذہین تھے چنانچہ دو تین مہینے میں ہی قرآن مجید کی تکمیل کرلی۔ (١٩) پروفیسر عزیز صاحب شاہ ولی اللہ سے قبل کے تمام علمائے دین میں انکا درجہ سب سے بلند مانتے ہوئے کہتے ہیں کہ " مسلمانوں میں عالمانہ انداز میں علم حدیث حاصل کرنے کی بنیاد ہندوستان میں انہیں سے پڑی جسکی تکمیل شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف پر منتج ہوئی۔" (٢٠)

اکبر کے دین الٰہی کے اثرات کو زائل کرنے کیلئے انہوں نے شب وروز محنت وجد وجہد کی اور اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے کی خاطر شریعت اور طریقت کے رہنما اصولوں کی روشنی میں عوام تک اسلام کا صحیح پیغام پہونچایا اس کیلئے انہوں نے مشکوٰۃ کی شرح عوام اور علماء کی ضروریات کے پیشِ نظر عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھی۔ (٢١)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی کی ولادت (۱۴ رشوال ۹۷۱ھ، ۲۶ مئی ۱۵۶۳ء) شہر سرہند میں ہوئی۔[۲۲] آپ کا نسب عالی ۲۷ رواسطوں سے حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔[۲۳] ابتدائی علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی۔ طریقت میں بھی ان سے مرید ہوئے پھر ۱۰۰۸ھ میں دہلی جاکر خواجہ باقی باللہ سے مرید ہوئے۔[۲۴] علوم شریعت اور معارف طریقت میں آپ کی بے شمار تصانیف ہیں جن میں گیارہ تصانیف اور ۶۳۳/ مکتوبات غیر معمولی شہرت کے حامل ہیں۔ آپ کے مکتوبات نے خلق خدا کو روحانی فائدے پہونچائے جس سے عوامی زندگی میں انقلاب برپا ہوا۔ ۶۳/ سال کی عمر میں ۲۸ رصفر ۱۰۳۴ھ بروزِ دوشنبہ وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک سرہند میں ہے۔[۲۵] آپ کی مقبولیت وشہرت سے آپ کے معاصرین میں سے کچھ حضرات آپ سے حسد کرنے لگے جس کے نتائج جہانگیر کی شیخ سے مخالفت کی صورت میں نکلے اور سجدۂ تعظیمی سے انکار کے جرم میں انہیں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔[۲۶] لیکن انہوں نے اپنا مشن نہیں بدلا۔ جہانگیر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے انہیں ایک سال بعد رہائی دلائی[۲۷] دراصل جہانگیر نے حضرت مجدد صاحبؒ کو اپنے دربار میں قید کرنے کے لئے طلب نہیں کیا تھا بلکہ بعض ملکی اور مذہبی مصلحتیں تھیں۔ ان کے مکتوبات کے جو اندراجات جہانگیر نے اپنی توزک میں پیش کیے تھے ان پر مجدد صاحب کے ہم عصر علماء معترض تھے[۲۸] اور پھر جہانگیر نے صرف ان کی قید پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان کے گھر بار کو لوٹنے کا بھی حکم دیا لیکن صبر ورضا کے اس مجسمہ نے اُف تک بھی نہ کی[۲۹] ایک طرف مکتوبات کے ذریعہ مجدد صاحبؒ نے اپنے پیروؤں کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ تمام اسلامی اداروں کو بشمول جزیہ بحال کرائیں،[۳۰] دوسری طرف انکی کوشش یہ تھی کہ مذہبی قانون (شریعت) اور صوفیوں کے باطنی نظریات (طریقت) میں جو بُعد ہے اسے ختم کیا جائے اور دونوں کو صحیح معنوں میں ایک دوسرے میں ضم کردیا جائے۔[۳۱] وہ صرف ایک صوفی یا واعظ ہی نہیں تھے بلکہ واقعتاً اپنے زمانہ کے ممتاز ترین عالم تھے۔ عربی اور فارسی میں انہیں مہارت تامہ

حاصل تھی، دونوں ہی زبانوں میں تقریر وتحریر کا ملکہ رکھتے تھے۔ آپ کے عربی رسائل اثبات النبوۃ اور رسالہ تہلیلیہ نے قبولیت وشہرت حاصل کی۔ (۳۲)

اس عہد کے دوسرے مشہور علماء وادباء میں مولانا شکر اللہ شیرازی، مولانا تقیا شوستری، مرزا قاسم گیلانی، خواجہ علی بنو کشمیری، صادق کشمیری، قاضی ابو القاسم سیالکوٹی وغیرہم عربی زبان وادب کے مشہور ومعروف علماء، فضلاء، ادباء وشعراء تھے۔ (۳۳)

عہد شاہجانی:

جہانگیر کے بعد زمامِ سلطنت شاہجہاں کے ہاتھ میں آئی جو اپنی مشہور عمارات کی وجہ سے مغل عہد کا نام روشن کئے ہوئے ہے اسلئے مؤرخین نے اسکے علمی ذوق کی طرف زیادہ التفات نہیں کیا حالانکہ اسکے زمانہ میں نہ صرف یہ کہ علماء وادباء کی قدر افزائی ہی ہوئی بلکہ اہل علم کی سرپرستی کی گئی۔ وہ اپنے باپ کی طرح ادیب تو نہیں تھا لیکن ادب پرور ضرور تھا۔ وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا فیض یافتہ تھا، اس لئے اسکی فکر صالح تھی، اسکے وزراء میں ''علامۃ الوریٰ'' اور ''فہامۃ العصر'' جیسے القاب سے یاد کئے جانیوالے سعد اللہ خاں بھی تھے اور میر بخشی کے عہدے پر دانشمند خاں بھی، جنہوں نے ملا عبد الکریم سیالکوٹی جیسے جید عالم دین سے سورۂ فاتحہ کی چوتھی آیت پر مذاکرہ کر کے اپنے علمی تعمق کی داد وصول کی تھی (۳۴)

[illegible] عہد میں علماء، فضلاء اور شعر وادب کے مشاقین کا جم غفیر تھا۔ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی صاحب جیسے صاحب علم وفضل، معدن عقلیات ونقلیات عبد السلام لاہوری، شمسِ بازغہ جیسی نادر کتاب کے مصنف ملا محمود جونپوری جیسے لوگوں نے مختلف میدانوں میں اپنے علمی جواہر دکھا کر ہندوستان کو علم وہنر کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ اپنی ذاتی دلچسپی کے باعث وہ اپنے باپ دادا سے بازی لے گیا۔ شعراء وفضلاء کے ساتھ اس نے داد ودہش کا جو مظاہرہ کیا اس کی مثال شاید ہی کسی حکمراں خاندان میں ملے۔ (۳۵)

عہد عالمگیری:

شاہ جہاں کے بعد اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ آتا ہے جو فطرتاً علمی ذوق کے حامل تھے جن کو ان کے اساتذہ مولانا عبد اللطیف سلطانپوری، ہاشم گیلانی،

ملا مومن بہاری، ملا شیخ احمد المعروف ملا جیون، شیخ عبد القوی اور دانشمند خاں جیسے ماہرینِ فن وادب کی تربیت کے باعث خوب جلا ملی۔ (٣٦)

اس عہد کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب علوم وفنون کا سب سے زیادہ دلدادہ تھا۔ اس کا طبعی رجحان علومِ دینیہ کی طرف مائل تھا۔ چونکہ علوم دینیہ کی اساس عربی زبان ہے اس لئے اس زبان سے اسے خصوصی نسبت تھی، اسکی ایک وجہ اسے فاضل ترین اساتذہ میسر ہونا بھی تھی۔ مثلاً اورنگ زیب کے استاد ملا جیون عالم وفاضل ہونے کے ساتھ ساتھ عربی زبان وادب کے مشہور شاعر بھی تھے۔ انہوں نے قصیدہ بُردہ کی روش پر ٢٢٠ / اشعار پر مشتمل ایک طویل قصیدہ لکھا، پھر سفرِ حجاز میں عربی زبان میں اس کی شرح بھی خود ہی لکھی، علاوہ ازیں حجاز کے قیام کے دوران تقریباً ٢٩ / قصائد مزید لکھے۔ اسی طرح شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی، شیخ قطب برہان پوری اور شیخ غلام علی نقشبندی لکھنوی عربی ادب کے بہترین نقاد اور شعراء تھے۔ (٣٧)

اورنگ زیب کا ذاتی علمی کارنامہ فتاویٰ عالمگیری ہے جو ان کے حکم پر اس وقت کے مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے مشہور ومعروف علماء کرام کی زیرِ نگرانی ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ عربی کی چھ ضخیم جلدوں میں ہے اور اس کے فتاویٰ ابھی تک بھی مستند مانے جاتے ہیں۔ فقہی مسائل کے استنباط کے سلسلہ میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ان کی تعداد ایک روایت کے مطابق ایک سو چوبیس ہے جو شاہی کتب خانہ میں موجود تھیں (٣٨) جس سے عالمگیر کے علمی ذوق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس نے باقاعدہ فنِ خطاطی سیکھ کر اسے کسبِ معاش سے جوڑا، وہ اپنے ہاتھ سے کلام پاک لکھ کر انہیں فروخت کیا کرتا اور اس سے اپنے اخراجات چلاتا جو آج بھی ہندوستان کے مختلف حصوں میں موجود ہیں۔ (٣٩) اس نے اپنی بیٹی زیب النساء کی سرپرستی میں بیت العلوم (اکیڈمی) قائم کر کے علوم وفنون کو زندہ جاوید بنانے کی کوشش کی۔ اس اکیڈمی میں نعمت خاں عالی، ملا صفی الدین قزوینی اور مرزا خلیل جیسے ممتاز فضلا وابستہ تھے (٤٠) اورنگ زیب کے انتقال کے بعد مغل سلطنت کی روشنی مدھم ہوتی چلی گئی۔

المختصر مغلوں کے عہدِ حکومت میں عربی زبان وادب کا جو ارتقاء ہوا اس کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ عربی ان کی مادری زبان نہیں تھی لیکن انہوں نے اسے جس انداز سے اپنایا اور اس سے اپنے تعلق کا اظہار جس انداز میں کیا وہ لائقِ تحسین ہے۔ اسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ "عربی ایک ایسی وسیع وہمہ گیر زبان ہے کہ ایک بار دنیا کے جس خطہ میں پہونچ گئی وہاں اس نے قدم جمالئے لوگوں نے اس میں لکھنا پڑھنا اور بولنا شروع کردیا اور بسا اوقات اس کا جادو اس قدر چلا کہ غیر عربی زبانیں بھی عربی رسم الخط میں لکھی جانے لگیں۔ (٤١) مغلوں کی عام علمی سرپرستی کے باعث فضلاء کی اتنی کثرت تھی کہ مشہور اشخاص کے نام لکھنے کے لئے بھی رجسٹر درکار ہیں نہ صرف یہ کہ ان کے حکمراں بلکہ ان کی بیگمات، ماہم بیگم، گلبدن بیگم، سلطانہ بیگم، زیب النساء بیگم، زینت النساء بیگم وغیرہ نے بھی اپنی علمی سرگرمیوں اور تعلیمی دل چسپیوں کے باعث زمانہ سے اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔ (٤٢)

اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے جس عظیم اور متحد ہندوستان کی باگ ڈور اپنے ورثاء کے سپرد کی تھی ان ورثاء نے اپنی عیش پسندی، کاہلی، اور نااہلی کے باعث ملک کے تحفظ کے بجائے عالمگیر کے بخشے ہوئے استحکام اور رعب ودبدبہ کو تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کیا (٤٣) جس کی وجہ سے پورے ملک میں سیاسی انتشار برپا ہوگیا۔ لیکن اس دورِ انحطاط میں بھی ایسی باکمال اور ممتاز شخصیتیں پیدا ہوئیں جو ہندوستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا سبب بنیں (٤٤) جن میں سب سے ممتاز شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جن کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب دہلویؒ فتاوی عالمگیری کے مرتبین میں سے تھے اور اپنے وقت کے تبحرِ عالم دین تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے عہد (١١١٤ھ/١١٧٦ھ - ١٧٠٣ء/١٧٦٢ء) میں گیارہ مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے جن میں کسی کی مدت حکومت دس مہینے، کسی کی چار مہینے سے بھی کم کسی کی برائے نام چند دن ہی رہی جس سے ان کے اقتدار کی کمزوری کا اندازہ ہوتا ہے۔ (٤٥) ادھر مرہٹوں وسکھوں کی تحریکیں مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کے تمام دروازے کھولے ہوئے تھیں، یہاں تک کہ بے گناہ مسلمانوں کو جلا کر اور تڑپا تڑپا کر مارا جاتا تھا۔ (٤٦)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی عبقری شخصیت سے مسلمانان ہند کو نہ صرف یہ کہ سیاسی افکار عطا کئے جس سے مسلمانوں کو حوصلہ ملا۔ بلکہ عربی علوم وفنون خصوصاً عربی زبان وادب کا ذوق پیدا کر کے انہیں اسلامی تہذیب وثقافت سے قریب تر کیا۔ ان کے بعد اس کام کو ان کے وارثوں وعلمی جانشینوں نے آگے بڑھایا، جس کی وجہ سے ہندوستان میں عربی علوم وفنون کو نئی حیات ملی، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ولی اللّٰہی خاندان کی خدمات ایک مستقل باب میں تحریر کی جائیں۔

﴿حواشی﴾ پہلا باب فصل سوم

(١) ظہیر الدین محمد بابر: مسلمان و ہندو مؤرخین کی نظر میں/مرتبہ صباح الدین عبدالرحمٰن/مطبع معارف اعظم گڑھ طبع دوم ١٩٨٦ء ص:١

(٢) تاریخ فرشتہ/محمد قاسم فرشتہ (ترجمہ عبدالحی خواجہ) مکتبہ ملت دیوبند/١٩٨٣ء/طبع اول/١/٥٦٢

(٣) ظہیر الدین محمد بابر ص:٣٨٣

(٤) تاریخ فرشتہ ص:٦٠٩

(٥) تیموری شاہزادوں کا علمی ذوق/صباح الدین عبدالرحمٰن/معارف، اعظم گڑھ/اکتوبر ١٩٤١ء ٤/٤٨

(٦) تاریخ فرشتہ/ص:٥٨١

(٧/٨) ہمایوں کا علمی ذوق/صباح الدین عبدالرحمٰن/معارف اعظم گڑھ، مئی ١٩٣٦ء ٣/٣٧

(٩/١٠/١١/١٢) اکبر کا علمی ذوق/صباح الدین عبدالرحمٰن/معارف اعظم گڑھ مئی ١٩٣٦ء ٥/٣٧

(١٣) اکبر کا علمی ذوق/صباح الدین عبدالرحمٰن/معارف اعظم گڑھ مئی ١٩٣٦ء ٥/٣٧ نیز جون ٣٦ء ٦/٣٧

(١٥) عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں/شبیر احمد قادر آبادی/دانش محل لکھنؤ/١٩٨٢ء/ص:٩٧

(١٦) عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں/شبیر احمد قادر آبادی/دانش محل لکھنؤ/١٩٨٢ء ص:٩٩_٩٨

(١٥/١٦) عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں/شبیر احمد قادر آبادی/دانش محل لکھنؤ/١٩٨٢ء ص:١٢١

(١٧) حیات شیخ عبدالحق/خلیق احمد نظامی/ندوۃ المصنفین دہلی/ستمبر ٣٥ء/ص:٥١

(١٨) حیات شیخ عبدالحق/خلیق احمد نظامی/ندوۃ المصنفین دہلی/ستمبر ٣٥ء/ص:١٧

(١٩) اردو کوثر/شیخ محمد اکرام/تاج کمپنی دہلی ١٩٨٧ء ص:٩٤

(٢٠) ہندو پاک میں اسلامی کلچر/پروفیسر عزیز احمد اردو ترجمہ ڈاکٹر جمیل احمد جالبی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ١٩٩١ء/ص:٢٨٩

(٢١) حیات عبدالحق ص:٢٨٢

(٢٢) حضرت مجدد الف ثانی/مولنا سید زوار حسین شاہ/ادارہ مجددیہ کراچی ١٩٧٥ء/ص:١٣٩

(٢٣) مکتوبات امام ربانی/ترجمہ اردو قاضی عالم الدین/اللجنۃ العلمیۃ حیدرآباد بدون سن ص:٣٤

(٢٤) مکتوبات امام ربانی/ترجمہ اردو قاضی عالم الدین/ اللجنۃ العلمیۃ حیدرآباد بدون سن ص:٤٥_٤٦

(٢٥) مکتوبات امام ربانی/ترجمہ اردو قاضی عالم الدین/اللجنۃ العلمیۃ حیدرآباد بدون سن ص:٨٣

(٢٦) ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ج:٢ص:٣١٣
(٢٧) ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ج:٢ص:٣١٤
(٢٨) رودکوثر ص: ٢٧٠
(٢٩) انوار اولیاء رسید رئیس احمد جعفری رغلام علی اینڈ سنس لاہور طبع دوم ١٩٥٨ء ص:٥١٦
(٣٠) برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ (اردو ترجمہ ہلال احمد زبیری) کراچی یونیورسٹی طبع سوم ١٩٨٧ء ص:٢٠٢
(٣١) برعظیم پاک وہند میں اسلامی کلچر ص:٢٨٤
(٣٢) عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں رص:١٧٨
(٣٣) عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں رص:١٨٢تا١٨٤
(٣٤) ہندوستان کے سلاطین وعلماء رسید صباح الدین عبدالرحمٰن رص: ٢٧
(٣٥) عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں رص:١٨٩
(٣٦) عالمگیر کا علمی ذوق رصباح الدین عبدالرحمٰن رمعارف اعظم گڑھ مئی ١٩٣٧ء ر٣٩/٥
(٣٧) عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں رص:٢٢٩
(٣٨) عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں رص: ٢٣٠_٢٣١
(٣٩) عالمگیر کا علمی ذوق رص: ٣٣٨
(٤٠) ملا جیون کے معاصر علماء راشفاق علی رنظامی پریس لکھنؤ رطبع اول دسمبر ١٩٨٢ء ص:٣٥
(٤١) فن تحریر کی تاریخ رمحمد اسحاق صدیقی رانجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ ر ١٩٦٢ء ص:٢١١_٢١٢
(٤٢) ہندوستان میں عربی شاعری رص:١٣
(٤٣) تاریخ دعوت وعزیمت رمولنا ابوالحسن علی ندوی رمجلس تحقیقات ونشریات لکھنؤ ر١٩٨٤ء ج:٥ص:٤٥
(٤٤) تاریخ دعوت وعزیمت رمولنا ابوالحسن علی ندوی رمجلس تحقیقات ونشریات لکھنؤ ر١٩٨٤ء ج:٥ص:٥٩
(٤٥) تاریخ دعوت وعزیمت رمولنا ابوالحسن علی ندوی رمجلس تحقیقات ونشریات لکھنؤ ر١٩٨٤ء ج:٥ص:٤٧
(٤٦) خدا کا ایک وفادار بندہ رمناظر احسن گیلانی رالفرقان، بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر رطبع دوم ١٣٦٠ء ص:١٢٨

فصل چہارم

ولی اللّٰھی خاندان اور عربی علوم و فنون

شاہ ولی اللہ دھلوی

شاہ ولی اللہ کی ولادت ۴رشوال ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء بروز چہارشنبہ پُھلت، ضلع مظفرنگر میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد پندرہ سال کی عمر میں والد صاحب سے مشکوٰۃ کا درس لیا اور اسی سال ہندوستان میں رائج علوم سے فراغت حاصل کی [(۱)] انتیس سال کی عمر میں حج کے لئے گئے۔ دو سال وہاں رہ کر شیخ ابو طاہر مدنی اور دوسرے مشائخ حرمین سے حدیث کی روایت کی پھر ہندوستان واپس آ کر اپنے والد کے مدرسہ رحیمیہ میں درس دینا شروع کر دیا۔ [(۲)]

شاہ صاحب علیہ الرحمۃ صرف قرآن وحدیث اور فقہ وتفسیر میں ہی مہارت تامہ نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ عربی ادب کے رموز سے بھی پوری طرح آشنا تھے۔ چنانچہ ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں اہل زبان کی سی روانی وقدرت اور ادباء عربی کی سی عربیت ہے [(۳)] اس کتاب کے متعلق مولانا عبیداللہ سندھی کی رائے ہے کہ ”حجۃ اللہ البالغۃ کو پڑھ کر دیکھیے تو شاہ صاحب کسی عمل، کسی خلق اور کسی عقیدہ کی خوبی اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ اس میں عمومیت پیدا ہو جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ عام افراد یعنی مشرق و مغرب اور عجم و عرب میں پایا جاتا ہے۔ [(۴)]

شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے عربی کی متعدد کتب مختلف موضوعات پر تصنیف فرمائیں، ان کی عربی کتب کو ہر طبقہ اور ہر زمانہ میں شرف قبولیت حاصل رہا، آپ نے رسول اکرم ﷺ کی شان مبارک میں نعتیہ عربی قصائد بھی کہے جن کا مجموعہ ”اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم“ کے نام سے ملتا ہے۔ [(۵)]

شاہ صاحبؒ نے مستقل تصانیف کے علاوہ عربی مکاتیب کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے جن سے شاہ صاحب کی وسعتِ علمی، مجتہدانہ نظر اور انصاف پسندی پوری طرح

نمایاں ہے [٦] شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کا انتقال ۲۹ محرم ۱۱۷٦ھ/۱۷٦۲ء کو ہوا [٧] اور ایک قول کے مطابق ۱۱۷٦ھ/۱۷٦۳ء کی آخری تاریخ (۲۹ یا ۳۰ ذی الحجہ) [٨] کو ہوا انہوں نے اپنے علم وعمل سے جس فکر کو پیش کیا وہ انہیں کا حصہ ہے۔

مغلوں کے خاتمہ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے تیزی سے بڑھتے اثرات اور سیاسی رسوخ نے ہر فکر مند مذہب پسند مسلمان کو تشویش واضطراب میں مبتلا کر دیا تھا اس کے تدارک کی ہر ممکنہ تدبیر کے لئے ایک طرف شاہ صاحب نے سیاسی طور پر مجاہدے شروع کئے۔ اسی غرض سے شاہ صاحب نے نجیب الدولہ اور احمد شاہ درانی سے رابطہ قائم کیا، انہوں نے احمد شاہ سے جو مراسلت کی اس میں ان کا یہ جملہ "بالجملہ ایں جماعت مسلمین قابلِ ترحم اند" [٩] یعنی مسلمانوں کی جماعت قابل رحم ہے۔ خصوصی اہمیت کا حامل ہے، اس وقت ان کی سیاسی فکر چونکہ ہمارا موضوع نہیں ہے لیکن یہ بتلانا مقصود ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ ہمہ جہتی شخصیت کا مالک تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد اور تلامذہ کی جس انداز سے تربیت کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے والد کے مدرسہ رحیمیہ میں علماء کی ایسی جماعت تیار کر رہے تھے جو ایک طرف میدانِ عمل میں سرگرم ہو تو دوسری طرف مذہب اسلام اور اسلامی علوم وفنون کی بھی اشاعت کرنے والی ہو۔

اس فکر کو انہوں نے ہر جگہ ملحوظ رکھا، چنانچہ ان کے سیاسی رفیق نجیب الدولہ اور احمد شاہ درانی خود صاحب علم اور علم دوست حضرات تھے، نواب نجیب الدولہ کے دربار سے علماء کرام جڑے ہوئے تھے۔ جن کی کفالت نجیب الدولہ کے خزانے سے کی جاتی تھی وہ ان علماء کو ماہانہ وظیفے عطا کرتا تھا، جن میں سب سے نیچے درجے والے کو پانچ روپئے ماہانہ اور اعلیٰ کو پانچ سو روپئے ماہانہ ملتے تھے [١٠] احمد شاہ خود علم وادب کا ذوق رکھنے والا تھا۔ [١١]

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے ورثاء، جانشین، معتقدین، منتسبین، اور فیض یافتگان میں اصلاح کی صحیح روح بیدار کی، انہیں قرآن سے قریب تر کیا، ان کے افکار کو جلا بخشی، رسومات کی اصلاح کی اور اپنے ظاہری و باطنی علوم کا جانشین اپنے لائق و فائق صاحبزادے شاہ عبدالعزیز کو بنایا۔

شاہ عبدالعزیز:

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد شاہ عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمۃ (جو ان کے بڑے بیٹے تھے) شاہ صاحب کے علمی جانشین ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی کی ولادت ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ/ ۱۷۴۶ء کو ہوئی، تاریخی نام غلام حلیم ہے [۱۲] آپ بھی علم و عمل کے امام تھے، آپ فطری ذہانت کے مالک تھے جس کے باعث لوگ آپ سے علمی استفادہ کے لئے آتے۔ شعراء اپنا کلام دکھلانے اور اس میں اصلاح کی غرض سے آپ کے سامنے حاضر ہوتے [۱۳]

تیزی سے بدلتے ہوئے ہندوستان کے حالات اور مسلمانوں کی زبوں حالی سے متفکر شاہ عبدالعزیز دہلی میں درس و افادہ میں مصروف ہونے کے باوجود پورے ہندوستان کے حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے، انہیں حالات کا مطالعہ کرنے پر یہ نتیجہ نکالنے میں دیر نہیں لگی کہ اس وقت بچے کھچے اسلامی اقتدار اور اس ملک میں مسلمانوں کے لئے مستقبل کا خطرہ انگریز ہیں، اس خطرہ سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے وہ اپنے زمانہ میں ہر ممکنہ تدبیر کرر ہے تھے۔ انہوں نے ایک طرف اپنے ہونہار شاگردوں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید علیہما الرحمۃ کو میدانِ کارزار میں بھیجا جن کے ساتھیوں میں مولانا ولایت علی عظیم آبادی ، مولانا یحیٰ علی صادقپوری ، مولانا احمد اللہ ، ومولانا عبد اللہ تھے۔ [۱۴] دوسری طرف وہ ان علماء کی تربیت میں مشغول تھے جن میں کا ہر فرد اپنی جگہ عربی علوم وفنون اور مذہبی اسلامی تعلیم وتربیت کا مدرسہ اور دبستان تھا۔ انمیں مولانا مفتی الہی بخش کاندھلویؒ (۱۱۶۲، ۱۲۴۵ھ/ ۱۷۴۹، ۱۸۳۰ء) مولانا امام الدین دہلوی، مولانا حیدرعلی رامپوری ٹونکی ، مولانا حیدر علی فیض آبادی، مولانا رشید الدین دہلوی اور مولانا مفتی صدر الدین دہلوی مشہور ومعروف ہیں۔ [۱۵] شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ عربی کے مسلم الثبوت ادیب تھے، نثر ونظم دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ عربی کے صاحبِ دیوان شاعر تھے جو زمانہ کی نذر ہو گیا، اس کے باوجود خاصا مطبوعہ کلام ہے۔ مولانا فضلِ حق خیر آبادی آپ سے ہی اصلاح لیتے تھے [۱۶] (مولانا فضل حق عربی زبان کے بہت

بڑے ادیب وشاعر تھے جن کو سرسید نے بہت سراہا ہے، اوران کی عربی نثر ونظم کے نمونے آثار الصنادید میں نقل کئے ہیں) [۱۷] شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دوسرے صاحبزادے شاہ رفیع الدین بھی اپنے وقت کے مشہور صاحب علم وفضل گذرے ہیں انہیں عربی زبان پر قدرت کاملہ حاصل تھی، انہوں نے بوعلی سینا کے ''قصیدۂ عینیہ'' کے جواب میں ''قصیدۃ الروح'' لکھا جس سے آپ کی قادر الکلامی اور عربی زبان وادب پر عبور کا پتہ چلتا ہے [۱۸]۔
شاہ ولی اللہ کے تیسرے صاحبزادے شاہ عبدالقادر تھے، انہیں اردو کا پہلا مترجم قرآن ہونے کا شرف حاصل ہے، انہوں نے بھی عربی علوم وفنون کو اپنی شبانہ روز محنت سے تقویت بخشی، [۱۹] چوتھے صاحبزادے شاہ عبدالغنی تھے جو جوانی میں ہی اللہ کو پیارے ہوگئے لیکن اللہ نے ان کے صاحبزادے شاہ اسماعیل شہید علیہ الرحمۃ کے ذریعہ جو کام لیا اس نے ان کی طرف سے تلافی کردی۔ [۲۰]

مجملاً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ کی طرح ان کی اولاد نے بھی ہندوستان کی امتِ مسلمہ کی ہمہ جہتی خدمات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

مدرسہ مہندیان دہلی:

شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم نے دہلی کے علاقہ مہندیان میں جس مدرسہ کی ابتدا کی تھی، اس کے فیوض اتنے جاری وساری ہوئے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے زمانہ تک اس میں طلباء کی خاصی تعداد ہوگئی۔ اور پھر اس کی مقبولیت اتنی ہوئی کہ شاہ عبدالعزیز کے دور میں مدرسہ رحیمیہ کے احاطہ میں تنگی محسوس ہونے لگی۔ اس کو دیکھتے ہوئے اس وقت کے مغل حکمراں محمد شاہ نے شاہ عبدالعزیز کو مہندیان سے بلا کر دہلی میں ایک عظیم الشان مکان دیا جو محلہ مدرسہ شاہ عبدالعزیز کہلایا۔ یہ مدرسہ ۱۸۵۷ء تک قائم رہا [۲۱] اس مدرسہ نے اسلامی علوم وفنون کی جو خدمت کی اس کی نظیر ناممکن ہے۔

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے علمی جانشین ان کے نواسے شاہ محمد اسحاق دہلویؒ تھے جنہوں نے بیس سال تک فنِ حدیث کے ذریعہ ''جدید الفکر'' طلباء کو پڑھایا، اور پھر مکہ معظمہ ہجرت کر گئے۔ [۲۲]

شاہ اسحاق کے بعد اس مدرسہ کی باگ ڈور شاہ عبدالغنی اور مولانا موسیٰ نے سنبھالی، لیکن ۱۸۵۶ء میں مولانا محمد موسیٰ کی وفات اور شاہ عبدالغنی کی مدینہ منورہ ہجرت سے علم وعمل کی یہ چھاؤنی بے رونق ہوگئی۔ بالآخر ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں یہ مدرسہ لوٹ لیا گیا۔ یہ مدرسہ ایک زبردست نیم سیاسی اور نیم مذہبی تحریک تھا، اس نے علماء کی ایسی جماعت دی جو قلم اور تلوار کے ذریعہ اشاعت علم کے ساتھ ساتھ ولی اللہی تحریک کو بھی تقویت دینا چاہتی تھی۔ (۲۳)

اسی تحریک کا ایک مدرسہ نواب نجیب الدولہ نے نجیب آباد میں قائم کیا تھا جہاں طلباء مفت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ دوسرا رائے بریلی میں تکیہ شاہ علم اللہ تھا جہاں سید احمد شہید کی ولادت ہوئی اور تیسرا مرکز سندھ میں ملا محمد معین کا مدرسہ تھا۔ (۲۴)

فرنگی محل لکھنؤ:

لکھنؤ میں فرنگی محل کا دارالعلوم مدرسہ نظامیہ بھی قدیم مدارس میں شمار کیا جاتا ہے۔ ملا نظام الدین سہالویؒ اس کے بانی تھے (دینی مدارس میں عام طور سے جو نصاب رائج ہے اسے درسِ نظامی کہتے ہیں۔ اس کے بانی چونکہ یہی تھے اسی لئے ان کی طرف منسوب ہے) فرنگی محل کے اس دارالعلوم سے عربی زبان وادب، معقولات ومنقولات کے بڑے نامور علماء پیدا ہوئے جنہوں نے ہندوستان میں علوم کی عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ جن میں مولانا عبدالعلی (وفات ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء) مولانا عبدالحلیم (وفات ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) ملا حسن (وفات ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۴ء) اور اخیر میں مولانا عبدالحیٔ (وفات ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء) بہت مشہور ہیں۔ (۲۵)

مدرسۂ عالیہ رام پور:

رام پور کا مدرسہ عالیہ والیٔ رام پور نواب فیض اللہ خاں کی خصوصی توجہات سے بہت زیادہ نامور رہا۔ انہوں نے بحرالعلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی کو صدر مدرس مقرر کیا، ملا حسن بھی اسی مدرسہ میں مدرس رہے، ان لوگوں کے فیض تعلیم سے رام پور میں مدتوں علم کی گرم بازاری رہی۔ (۲۶)

دھلی کالج:

دہلی میں غازی الدین خاں فیروز جنگ اول (وفات ۱۱۲۲ھ/ ۱۷۱۰ء) نے ایک مدرسہ اجمیری دروازے کے قریب قائم کیا تھا۔ ۱۸۲۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے اسے دہلی کالج میں تبدیل کردیا اور انگریزی وعلوم جدیدہ اس کے نصاب میں شامل کردیا۔ مسٹر جے، ایچ ٹیلر اس کے پرنسپل مقرر کیے گئے۔ ۱۸۴۲ء میں دہلی کالج کو کشمیری دروازے کی ایک بڑی عمارت میں منتقل کردیا گیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسٹر ٹیلر کے ہلاک ہونے کے بعد یہ کالج بند ہوگیا۔ پھر ۱۸۹۰ء/ ۱۳۰۸ھ میں یہی کالج اینگلو عربک کالج کے نام سے ازسرِ نو جاری کیا گیا۔ [۲۷] (یہی کالج اب ڈاکٹر ذاکر حسین کالج کے نام سے جانا جاتا ہے)۔

مولانا رشید الدین خاں:

اسی دہلی کالج میں شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے ہونہار شاگرد مولانا رشید الدین خاں دہلویؒ (وفات ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء) نے صدر المدرسین کے فرائض انجام دیے، یہ اپنے وقت کے عربی زبان وادب کے مسلم الثبوت ادیب تھے۔ آپ نے مولانا شاہ رفیع الدین سے خصوصی فیض حاصل کیا ان کی مرقع ومقفی عربی نثر کا نمونہ سرسید احمد خاں علیہ الرحمۃ نے بطورِ نمونہ آثار الصنادید میں دیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ [۲۸]

مولانا مملوک علی نانوتوی:

مولانا رشید الدین خاں دہلویؒ کی وفات کے بعد ان کے مایہ ناز شاگرد مولانا مملوک علی نانوتویؒ اسی عہدہ پر مامور ہوئے جو کہ نہایت ذہین وفطین تھے۔ سرسید علیہ الرحمۃ کا ان کے بارے میں یہ کہنا ان کی ذہانت کا ثبوت ہے کہ "اگر کتابوں سے علم کا خزانہ خالی ہوجائے تو ان کی لوحِ محفوظ سے ان علوم کی پھر نقل ممکن ہے" [۲۹] ان کی وفات ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء میں ہوئی، اسی کالج کے فیض یافتگان میں سرسید احمد خاں علیہ الرحمۃ کا نام نامی بھی شامل ہے۔ علاوہ ازیں مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۴۸، ۱۲۹۷ھ ۱۸۳۲، ۱۸۸۰ء) مولانا محمد یعقوب نانوتوی (۱۲۴۹، ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۳۳، ۱۸۸۵ء) مولانا

رشید احمد گنگوہی، مولانا ذوالفقار دیوبندی (وفات ۱۳۲۲ھ) مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولانا فضل الرحمٰن دیوبندی جیسے مشاہیر عربی زبان وادب اسی کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ (۳۰)

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ نے ہندوستان میں علم کی جو مشعل روشن کی تھی اللہ نے اسے برکتوں سے نوازا اور چراغ سے چراغ جل کر پورا برِ صغیر ہندو پاک و بنگلہ دیش ہی نہیں بلکہ دنیا کے گوشے گوشے کو اسنے منور کیا۔ خصوصاً عربی زبان وادب کو اس مکتبِ فکر سے جو ترقی ملی، اس کا احاطہ دشوار ہے۔ یہاں تک کہ مجاہدینِ جنگِ آزادی نے غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے بھی اس زبان کو ذریعہ بنایا۔ مولانا فضلِ حق خیر آبادی کے جنگ حریت سے متعلق بھی قصائد موجود ہیں۔ (۳۱)

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ نے مسلمانوں کے سامنے مستقبل کے لئے ایک سوالیہ نشان کھڑا کر دیا تھا کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی ان کے مذہب وتہذیب اور تعلیم وثقافت کو مٹانے کے لئے کوشاں تھی۔ اس وقت مشنریز کا تعلیم کے فروغ کی آڑ میں سیدھا نشانہ مسلمان تھے۔ اس عہد کی برطانوی تعلیمی پالیسیوں کی رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشنریز ایسے کالج اور اسکول کھولنے میں سرگرم عمل تھیں جن سے دینِ اسلام سے بے رغبتی پیدا ہو جائے۔ اس کے لئے انہوں نے جگہ جگہ مدارس کھولے جن کا خاص مقصد تبدیلی مذہب تھا۔ اور وہ مذہب بدلنے والوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے اور خاص طور پر تبلیغی کام کو چلانے کے لئے مددگاروں کی تربیت کی خاطر وہ تعلیمی کام کرنے پر مجبور تھے۔ (۳۲) اس دور میں سنسکرت اور عربی ہندو اور مسلم عوام کی آئینی و مذہبی زبانیں تھیں جن کا تدارک مشہور انگریز ماہرِ تعلیم میکالے نے یہ تلاش کیا کہ ہندوستان میں تعلیمی پالیسی کا مقصد انگریزی زبان میں مغربی علوم کی اشاعت ہونا چاہئے اس نے یہ تجویز بھی رکھی کہ مشرقی علوم کے موجودہ اداروں کو فوراً بند کر دیا جائے اور اس طرح جو رقم بچے وہ انگریزی تعلیم کی ترقی پر صرف کی جائے۔ (۳۳) اور تو اور وہ دہلی کی مشہور شاہ جہانی مسجد کو گرجا گھر میں تبدیل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ (۳۴)

﴿حواشی﴾ پہلا باب فصل چہارم

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت/ج:۵/ص:۴۷
(۲) تاریخ دعوت وعزیمت ج ۵ /ص:۵۹
(۳) شاہ ولی اللہ بحیثیت مصنف/سید ابوالحسن علی ندوی/الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر/ص:۳۶۶
(۴) شاہ ولی اللہ اوران کا فلسفہ/مولنا عبید اللہ سندھی/سندھ ساگرا کادمی لاہور/سنہ ۴۴ء/ص:۲۶
(۵) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات/خلیق احمد نظامی/ندوۃ المصنفین دہلی/سنہ ۶۹ء/ص:۲۱۵_۲۲۱
(۶) رود کوثر/شیخ محمد اکرام/تاج کمپنی دہلی/سنہ ۱۹۸۷ء/ص:۵۷۲
(۷) تاریخ دعوت وعزیمت (حاشیہ) ج:۵/ص:۱۱۸
(۸) سیاسی مکتوبات/ص:۲۰۳
(۹) سیاسی مکتوبات/ص:۱۱
(۱۰) تاریخ دعوت وعزیمت/۵/۳۰۷
(۱۱) تاریخ دعوت وعزیمت ۵/۳۱۳
(۱۲) تاریخ دعوت وعزیمت ۵/۳۴۶
(۱۳) تاریخ دعوت وعزیمت ۵/۳۵۱
(۱۴) تاریخ دعوت وعزیمت ۵/۳۷۲
(۱۵) تاریخ دعوت وعزیمت ۵/۳۸۱
(۱۶) ہندوستان میں عربی شاعری/ص:۱۵۱
(۱۷) آثار الصنادید/سید احمد خان/(مرتبہ: خلیق انجم) اردو اکادمی دہلی/سنہ ۱۹۹۰ء/۲/۹۷_۱۱۳
(۱۸) نزھۃ الخواطر / سید عبد الحی الحسنی / دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد / سنہ ۱۹۷۹ء / ج: ۷ص: ۱۸۸
(۱۹) نزھۃ الخواطر / سید عبد الحی الحسنی / دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد / سنہ ۱۹۷۹ء / ج: ۷ص: ۲۹۶
(۲۰) تاریخ دعوت وعزیمت ۵/۳۸۷
(۲۱) اسلامی نظام تعلیم/پروفیسر سعید احمد رفیق/پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی/بدون سن/ص:۲۱۵
(۲۲) آثار الصنادید ۲/۹۱

﴿ضروری نوٹ﴾ یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ ۱۸۵۷ء (۱۲۷۳ھ) کی جنگ آزادی میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے اکثر شاگردوں نے بحیثیت علماء اس تحریک میں حصہ لیا جن میں مفتی عنایت احمد کاکورویؒ، مولنا عبدالجلیل علی گڑھی، مفتی صدرالدین آزردہ، وغیرہم اہم ہیں۔ اور شاہ اسحٰق صاحب کے ہی شاگردوں کے شاگرد مولنا قاسم نانوتویؒ، مولنا رشید احمد گنگوہی، مولنا مظہر نانوتویؒ اور مولنا ضمیر نانوتویؒ وغیرہم نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا۔

(تذکرہ علمائے ہند، ترجمہ ایوب قادری / پاکستان ہسٹریکل سوسائٹی کراچی، ا ۱۹۶۱ء ص: ۴۰۹)
(۲۳) اسلامی نظام تعلیم / ص:۔ ۲۱۵
(۲۴) اسلامی نظام تعلیم / ص: ۲۱۶
(۲۵) تاریخ دارالعلوم دیوبند / سید محبوب رضوی / مکتبہ دارالعلوم دیوبند ۱۹۷۷ء / ج: ا ص: ۷۹
(۲۶) ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں / ابوالحسنات ندوی / مطبع معارف، اعظم گڑھ / ۱۹۳۶ء / ص: ۳۳
(۲۷) واقعات دارالحکومت دہلی / بشیرالدین احمد / شمس پریس آگرہ / ۱۹۱۹ء ۱۳۳۷ھ / ص: ۵۶۲۔ ۵۷۶
(۲۸) آثار الصنادید / ۲ / ۸۰
(۲۹) آثار الصنادید / ۲ / ۱۱۵
(۳۰) تاریخ دارالعلوم دیوبند / ا / ۸۰
(۳۱) ہندوستان میں عربی شاعری / ص: ۲۶۵
(۳۲) اریخ تعلیم ہند / سید نوراللہ، جے، پی نائک، ترجمہ مسعودالحق نیشنل بک ٹرسٹ دہلی / سن ۱۹۷۳ء / ص: ۱۴۶
(۳۳) تاریخ تعلیم ہند / سید نوراللہ، جے، پی نائک، ترجمہ مسعودالحق نیشنل بک ٹرسٹ دہلی / سن ۱۹۷۳ء / ص: ۱۰۲
(۳۴) تاریخ جمعیۃ علماء ہند / اسیرادروی / الجمعیۃ بکڈپو دہلی / سن ۱۹۸۳ء ۱۴۰۳ھ / ص: ۲۶

فصل پنجم

دینی مدارس کی نشأۃ ثانیہ اور عربی زبان وادب

ان حالات کو علمائے دین اور مسلم دانشوروں نے بہت زیادہ محسوس کیا اس کے تدارک کیلئے مسلم علمائے کرام نے میکالے کے منصوبہ کو چیلنج کی شکل میں قبول کرتے ہوئے ایسے اداروں کا وسیع تر ذہنی خاکہ تیار کیا جو حکومت کی امداد کے محتاج نہ ہوں اور ان سے نکلنے والے علماء وفضلاء حکومتِ فرنگی اور اس کی مذہبی مشنریز کا مقابلہ علمی و عملی سطح پر کرسکیں تاکہ مسلمانوں کا مذہب، ان کی تہذیبی شناخت اور دینی زبان عربی کی حفاظت اور اس کی نشو ونما بھی ہوتی رہے، اس سلسلہ کی پہلی با مقصد کوشش دارالعلوم، دیوبند کی شکل میں سامنے آئی۔

دارالعلوم، دیوبند

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں اہلِ وطن کو بھلے ہی ناکامی ہوئی ہو لیکن اتنا ضرور ہوا کہ انگریزوں کے دلوں میں دہشت پیدا ہوگئی اور وہ اپنی مذکورہ بالا تجاویز سے مصلحتاً دست بردار ہوگئے لیکن مشائخِ وقت کو ہمہ وقت یہ فکر دامنگیر رہی کہ موجودہ دس بیس علماء اگر اس دارِ فانی سے چل بسے تو ہندوستان سے دینی علوم مفقود ہوجائینگے، [1] اسی بنا پر ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ کو (۱۹ر مئی ۱۸۶۶ء) دارالعلوم، دیوبند کی بنیاد پڑی۔ (دارالعلوم دیوبند کی تاریخ تاسیس کے تعلق سے ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ کی مطابقت ۳۰ر مئی ۱۸۶۶ء سے کی گئی ہے۔ لیکن تقویم کے اعتبار سے ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ کی مطابقت ۱۹ر مئی ۱۸۶۶ء سے ہوتی ہے)
دارالعلوم دیوبند کے قیام سے قبل تک مدارس کے قیام کا ذریعہ امراء وسلاطین ہوا کرتے تھے۔ دارالعلوم کے قیام کے وقت یہ دور گذر چکا تھا، اس لئے اس کے اکابر نے غریب عوام کی جانب دست اعانت بڑھایا، اس کے بانیوں میں سے ایک حاجی عابد حسین نے سب سے پہلے خود چندہ پیش کیا اور رومال بچھا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں چار سو روپئے جمع ہوگئے۔ یہ قومی چندہ کی پہلی تحریک تھی جو عملاً کامیاب ثابت ہوئی، پھر اسی

روش پر دوسرے مدارس یہاں تک کہ علی گڑھ کالج (۱۸۷۵ء/۱۲۹۱ھ) بھی اسی اصول پر قائم ہوا۔ اس طریقہ پر دارالعلوم نے یہ مثال پیش کر کے ملک اور قوم کے لئے نئی زندگی کا آغاز کر دیا۔ [۲] اس کے بانیوں میں سے حاجی عابد حسین کے علاوہ مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ جیسے جلیل القدر حضرات تھے [۳] جو عربی زبان وادب کے بھی درخشاں ستارے تھے۔

دارالعلوم، دیوبند جو ابتداء میں محمود نامی ایک استاد اور محمود نامی ایک شاگرد سے مسجد چھتہ دیوبند میں انار کے درخت کے نیچے شروع ہوا تھا، اس نے بہت جلد "محمودیت" کے عظیم مقامات طے کر لئے۔ اس کی روشنی سے عالم منور ہوا یہ اس کے بانیوں کے اخلاص کا ثمرہ تھا کہ اس کے فیض یافتگان ملک کے گوشے گوشے سے آکر خوشہ چینی کرنے لگے اور پھر بیرونِ ملک کے تشنگانِ علم نے بھی یہاں آکر سیرابی کی، اس ادارہ نے قرآن و حدیث، فقہ وتفسیر، اصول ومعانی، کلام وتصوف، منطق وفلسفہ کے علاوہ عربی زبان وادب کو بیش قیمت سرمایہ بہم پہونچایا، اس کے متعلقین کی اکثریت عربی شعروادب کی دلدادہ تھی، ان میں بیشتر نے عربی شاعری میں طبع آزمائی کی، جن میں مولانا حبیب الرحمان عثمانی دیوبندیؒ، علامہ انورشاہ کشمیری، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا اعزاز علی امروہوی وغیرہم عربی کے مشہور صاحبِ کلام وصاحبِ دیوان شعراء وعربی زبان وادب کی مشہور ومعروف شخصیات ہیں۔ ماضی قریب میں مولانا وحیدالزماں کیرانوی (متوفی ۱۹۹۵ء) نے عربی لغات میں ہندوستان کا نام روشن کیا۔ یہاں سے نکلنے والے عربی رسائل وجرائد اپنی خاص شناخت قائم کئے ہوئے ہیں۔

مظاہر علوم، سہارنپور

دارالعلوم، دیوبند کے بعد اسی طرز پر یکم رجب ۱۲۸۳ھ کو دیوبند کے ضلع سہارنپور میں چند مخلصینِ قوم نے مدرسہ مظاہر علوم (ابتداءً عربی مدرسہ) کی بنیاد رکھی، اس میں سرِ فہرست نام مولانا سعادت علیؒ ب کا ہے، یہ مدرسہ شروع میں چوک کی مسجد میں قائم ہوا، بعد میں متصل کے محلہ میں یک مکان کرایہ پر لے کر اس میں منتقل کر دیا گیا۔ [۴]

اس مدرسہ نے بھی ابتداء سے ہی عربی علوم وفنون کی قابلِ قدر خدمات انجام دیں، مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، مولانا جمیل الرحمان تھانویؒ، شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ، مولانا سعد اللہ رحمہم اللہ نے عربی علوم وفنون اور شعر و ادب میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اسی مدرسہ کے ایک ہونہار طالب علم مولانا ظفر احمد عثمانی دیوبندی تھانوی ہمارا تحقیقی موضوع ہیں۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

دہلی کالج کے نام ور شاگرد، مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے ذہین وفطین شاگرد، مولانا قاسم نانوتویؒ کے ممتاز ساتھی سر سید احمد خاں علیہ الرحمۃ نے ۱۸۵۷ء کے حالات کا مشاہدہ جس انداز سے کیا تھا۔ اس نے انہیں مسلمانوں کی تعلیمی زبوں حالی اور اقتصادی پسماندگی دور کرنے کے لئے بے چین کر دیا تھا۔ ان کا نظریہ حالات سے ٹکرانے کا نہیں بلکہ حالات سے سمجھوتہ کرنے کا تھا۔ اسی نظریہ کے تحت انہوں نے زمانہ کی سخت ترین مخالفتوں اور مسلمانوں کی انتہائی شکایتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج ہائی اسکول (ایم، اے، او ہائی اسکول) کی بنیاد ۲۴ رمئی ۱۸۷۵ء کو علی گڑھ میں رکھی بہت جلد ۸ رجنوری ۱۹۲۱ء سے علی گڑھ کالج مسلم یونیورسٹی میں تبدیل ہوگیا۔ (۵) اس درسگاہ نے شروع سے ہی انگریزی علوم کیساتھ عربی علوم کو اپنے نصاب میں شامل کیا، قوم کے بہترین دماغوں اور لائق ترین فرزندوں مولانا حالیؒ، (۱۸۳۷ء تا ۱۹۱۲ء) نواب محسن الملکؒ، (۱۸۳۷ تا ۱۹۰۷ء) مولانا شبلیؒ، (۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴) ڈپٹی نذیر احمد (۱۸۳۲ء تا ۱۹۲۱) مولانا ذکاء اللہ (۱۸۳۲ تا ۱۹۱۰) نے سر سید کی صوابدید کی صدا پر لبیک کہا۔ (۶) یہ سب عربی نثر ونظم کے علماء تھے۔ عربی زبان وادب کے ارتقاء کیلئے شعبۂ عربی نے روزِ اول سے آج تک وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جن کی نظیر دوسرے ہم عصر ادارے پیش کرنے سے قاصر رہے۔ اس ادارے کے ممتاز محقق پروفیسر عبدالعزیز المیمنی کا نام محتاج تعارف نہیں، ان کے ہونہار شاگرد پروفیسر مختار الدین احمد، پروفیسر خورشید احمد خان پروفیسر ریاض الرحمٰن خان شیروانی بھی عربی علوم وفنون کی تحقیق میں خاص مقام رکھتے ہیں۔

ندوۃ العلماء، لکھنؤ

دار العلوم، دیوبند کے قدیم نصابِ تعلیم اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے جدید ترین نظامِ تعلیم میں مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے اس وقت کے جید ترین علماء مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ، مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادیؒ وغیرہم نے مدرسہ فیض عام کانپور کے جلسۂ دستار بندی کے وقت یہ طے کیا کہ علماء کی ایک مجلس قائم کر کے ہندوستان کے تمام علماء کو اس میں مدعو کیا جائے تاکہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا جا سکے جس میں ایسے علماء تیار ہوں جو روشن خیال ہوں، زمانہ کی نبض پر جن کا ہاتھ ہو، اور جنکی نگاہ قدیم و جدید کی مصنوعی اور سطحی تقسیم سے بالاتر ہو۔ (۷) اسی غرض سے اس مجلس کا نام "ندوۃ العلماء" رکھا گیا۔ اس مجلس کے محرک مولانا سید محمد علی مونگیریؒ تھے، انہیں کی تحریک پر اپریل ۱۸۹۴ء/ ۱۳۱۱ھ میں مدرسہ فیضِ عام کی دستار بندی کے موقع پر کانپور میں ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس بڑی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا، اس مجلس نے کئی سال گذرنے کے بعد ۱۸۹۸ء/ ۱۳۱۶ھ میں لکھنؤ میں اپنے تخیل اور مقاصد کے مطابق ایک تعلیمی تجربہ گاہ اور دینی درسگاہ کا "دار العلوم، ندوۃ العلماء" کے نام سے آغاز کیا۔ مولانا محمد علی مونگیریؒ کے ساتھ مولانا سید عبد الحئی حسنیؒ کی عملی دل چسپی ندوہ کے قیام میں بہت معاون ثابت ہوئی۔ وہ عربی زبان کے مستند مؤرخ و محقق ہونے کے ساتھ ساتھ عربی ادب کے انشاء پرداز ادیب بھی تھے۔ ان کی عربی تصنیفات "نزھۃ الخواطر" "معارف العوارف فی انواع العلوم و المعارف" (الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند) اور " جنۃ المشرق و مطلع النور المشرق" ہندوستان کے علمی حلقوں میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے عربی علمی حلقوں میں قبولیت عام حاصل کر چکی ہیں۔ وہ زمانہ کا مشاہدہ کیے ہوئے تھے۔ اسی لئے انہوں نے ندوہ کے قیام کے روزِ اول سے ہی اسلام اور اس کے بقاء و تحفظ کی خاطر علماء کیلئے انگریزی زبان اور جدید علوم کو نصاب میں داخل کرنیکی تجویز رکھی۔ جنکو دینیات اور عربی علوم و فنون کے ساتھ پڑھایا جائے۔ (۸) انہیں کیساتھ ساتھ علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس ادارہ کی جو خدمات کیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں، ان حضرات کی مساعی

سے ندوہ کے ذریعہ عربی زبان وادب کو فروغ ہوا۔ ماضی قریب میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (متوفی ۱۹۹۹ء) نے ہندوستان میں عربی ادب کا جو مقام بلند کیا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ تاہنوز یہ ادارہ عربی زبان وادب کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔

مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر

ضلع اعظم گڑھ کی مردم خیز زمین میں ایک قصبہ سرائے میر ہے۔ وہاں پر مدرسۃ الاصلاح کی بنیاد ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں مولانا محمد شفیع کی مخلصانہ تحریک پر رکھی گئی۔ علامہ شبلی نعمانی نے اس کے ابتدائی اغراض ومقاصد اور طریقہ کار کا اجمالی خاکہ تیار کیا اور امام المفسرین مولانا حمید الدین فراہیؒ (۱۸۶۲ تا ۱۹۳۰) نے اس کے ابتدائی دور سے لے کر اپنی زندگی کے آخری لمحات (۱۹۳۰ء) تک بحیثیت ناظم اس کی خدمت کی۔ (۹)
علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمۃ متوفی (۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء) اور علامہ حمید الدین فراہیؒ (متوفی ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء) دونوں ہی حضرات عربی ادب کے بلند پایہ ادیب اور شاعر تھے۔ اس مدرسہ کی بھی عربی زبان وادب کے ارتقاء میں ناقابلِ فراموش خدمات ہیں۔ اس مدرسہ کے مشہور ترین فضلاء میں مولانا نجم الدین اصلاحی، مولانا امین احسن اصلاحی مولانا صدر الدین اصلاحی وغیرہم وہ قابل ذکر حضرات ہیں جنہوں نے عربی زبان پر کام کرکے اپنے لافانی نقوش چھوڑے۔

علاوہ ازیں جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، مدرسۃ الرشاد اعظم گڑھ، جامعۃ السلفیہ بنارس مدرسہ قاسمیہ شاہی مراد آباد، دار العلوم اہل سنت اشرفیہ، مصباح العلوم مبارکپور، جامع العلوم کانپور، جامعہ دار السلام عمرآباد، معہد ملت مالیگاؤں، مدرسہ عالیہ کلکتہ وغیرہم وہ قابل ذکر عربی مدارس ہیں جنہوں نے عربی زبان کے تمام اہم فنون پر ایسے فضلاء تیار کیے جنہوں نے ہندوستان میں اس زبان کو اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا۔

انفرادی طور پر اگر ہم دیکھیں تو عبد الجلیل بلگرامی (۱۰۷۱ھ-۱۱۳۸ھ) حسان الہند سید غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۶ھ-۱۲۰۰ھ) سید مرتضی بلگرامی (۱۱۴۵ھ-۱۲۰۵ھ) مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ (۱۱۶۲ھ-۱۲۴۵ھ) فضل حق خیر آبادی (۱۲۱۲ھ-۱۲۷۸ھ) مولانا فیض

الحسن سہارنپوری (متوفی ۱۳۰۴ھ) نواب صدیق حسن خاں (۱۲۴۸ھ-۱۳۰۷ھ) ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (۱۸۳۲ء-۱۹۱۲ء) خواجہ الطاف حسین حالی (۱۲۵۳ھ-۱۳۳۳ھ) علامہ احمد رضا خاں بریلوی (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) سید سلیمان ندوی (۱۳۰۲ھ-۱۳۷۳ھ) وہ مایۂ ناز ہستیاں ہیں جنکے وجود سے عربی زبان وشاعری کو ہندوستان میں پھیلنے، پھلنے اور پھولنے کا موقع ملا، یہ حضرات اپنی ذات میں ایک ادارہ کی حیثیت سے اپنے زمانہ میں بھی متعارف ہوئے اور بعد میں بھی انکی خدمات اور تذکرے نا قابلِ فراموش ہیں۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ہندوستان اور عربی زبان وادب کے رشتوں کو بہ ہمہ وجوہ جو فروغ اور تقویت ملی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ انکے علاوہ سینکڑوں حضرات اور ہزاروں اداروں نے عربی کو اظہارِ جذبات کا ذریعہ بنایا۔ یہاں تک کہ انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے، ملکی سیاسی حالات کو شاعری میں قلمبند کرنے، شیعی سنی اور اہلِ حدیث وغیرہ فرقوں کے عقائد وکلام تک میں عربی اشعار سے وقتاً فوقتاً کام لیا گیا۔ عربی نظم میں مستقل کتابیں لکھی گئیں، (۱۰) یہ سلسلہ الحمدللہ تا ہنوز جاری ہے۔ موجودہ دور کے مشہور عربی ادیب مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (۱۹۱۴-۱۹۹۹ء) تک نے عربی فنون کے جن رموز سے ہندوستانیوں کو آشنا کرایا انہیں مؤرخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گا۔ عصری علوم کی درسگاہوں میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی جے، این، یو نیورسٹی، دہلی، دہلی یونیورسٹی، دہلی، لکھنؤ یونیورسٹی، بنارس یونیورسٹی اور جنوبی ہند کے بیشتر عصری علمی ادارے بھی عربی زبان و ادب کے اس سفر میں قدم بہ قدم ساتھ رہے اور ان سے بھی عربی زبان وادب کے گوہرِ نایاب برآمد ہوئے۔

برِّصغیر ہند، پاک و بنگلہ دیش میں عربی زبان و ادب کو جن حضرات کی انفرادی و اجتماعی کوششوں سے فروغ حاصل ہوا انہیں شخصیات میں ایک شخصیت مولانا ظفر احمد عثانی دیوبندی ثم تھانوی کی ہے جنہوں نے قرآن وحدیث، شعر وادب، تحریر وتقریر، کلام وتصوف کو سمجھنے اور سمجھانے کا ذریعہ عربی زبان کو بنا کر اس لافانی زبان کی نمایاں خدمات انجام دیں، موصوف کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرنے اور ان کی حیات وخدمات کو منظرِ عام پر لانے کی خاطر آئندہ صفحات میں تفصیلی تذکرہ پیش کیا جارہا ہے۔

﴿حواشی﴾ پہلا باب فصل پنجم

(۱) تاریخ مظاہر رشیخ الحدیث مولنا محمد زکریا راشاعت العلوم سہارن پور ۱۹۷۲ء ۱۳۹۲ھ رج:۱ص:۵

(۲) تاریخ دیو بند (قدیم نسخہ) رسید محبوب رضوی رادارہ تاریخ دیو بند ر۱۹۵۲ء رص:۷۶۔۷۷

(۳) دار العلوم دیو بند کا بانی کون ہے؟ اگر چہ شروع میں یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں تھا، کیوں کہ اس کے بانیین اسکے اظہار کو اخلاص کے منافی تصور کرتے ہوئے اپنے کو مخفی رکھ کر ایک دوسرے کی طرف اشارہ کر دیتے تھے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ اسکے بانیوں میں حاجی سید عابد حسین صاحب دیو بندیؒ کو اہم مقام حاصل ہے وہ ایک درویش صفت بزرگ تھے۔

(۴) تاریخ مظاہر ر۱ر۵

(۵) تاریخ ندوۃ العلماء رمولوی محمد اسحاق جلیس ندوی رندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۹۳۸ء ر۱ر۵۰

(۶) تاریخ ندوۃ العلماء رمولوی محمد اسحاق جلیس ندوی رندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۹۳۸ء ر۱ر۵۱

(۷) تاریخ ندوۃ العلماء رمولوی محمد اسحاق جلیس ندوی رندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۹۳۸ء ر۱ر۱۱۔۱۲

(۸) حیات عبد الحی حسنی رمولنا علی میاں ندوی رندوۃ المصنفین دہلی ر۱۹۷۰ء رص:۱۳۴

(۹) ہندوستان کے اہم مدارس رمحمد قمر اسحاق رانسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز دہلی ر۱۹۹۶ء ر۱ر۱۹

(۱۰) ہندوستان میں عربی شاعری رص:۳۶۵

دوسرا باب

مختصر حالاتِ زندگی
مولانا ظفر احمد عثمانی

تمہید

علمی دنیا میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا نامِ نامی کسی تعارف کا محتاج نہیں، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علم و عمل کے اس عظیم پیکر کو جس انداز سے خراجِ عقیدت پیش کیا جانا چاہئے تھا، یا ان کی علمی خدمات کو جس طرح منظرِ عام پر لانا چاہئے تھا اس طریقہ پر نہیں ہوسکا۔ اس کی وجہ مولانا مرحوم کی شرافت نفسی، عاجزی اور انکساری معلوم ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں بھی اپنے کو گوشۂ گم نامی میں ہی رکھا۔ حالانکہ وہ علمی دنیا کی ایک ممتاز ترین شخصیت تھے (جہاں انہوں نے اعلاء السنن کی بیس ضخیم جلدیں تیار کر کے فقہِ حنفی کی لازوال وکالت کی وہیں ان کے عربی قصائد اور مراثی، ان کی فطری ذہانت کی علامت کے طور پر پہچانے جاتے ہیں)۔ اپنے نظریہ کے مطابق انہوں نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی بہبود و فلاح کا ضامن اور پاکستان کو ملّتِ اسلامیہ کی بقاء کی ضمانت جانا، تو اس کے لئے انہوں نے اپنا دن رات ایک کر کے پاکستان کے حق میں سلہٹ ریفرنڈم کی مہم سر کی۔ چنانچہ پاکستان کے مشرقی حصہ (ڈھاکہ) پر ۱۴/اگست ۴۷ء کو پاکستانی پرچم کشائی کے لئے محمد علی جناح کی نظر انتخاب مولانا ممدوح پر ہی پڑی۔ جو ان کی خدمات کا کسی حد تک اعتراف تھا، ان کا بس چلتا تو وہ شاید اس وقت بھی اپنے کو مخفی ہی رکھتے، لیکن قدرت کو ان کے ہاتھوں سے یہ کام لینا تھا۔ آئندہ صفحات میں مولانا ظفر صاحبؒ کی حیات و خدمات پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی جارہی ہے۔

فصل اوّل

خاندانی پس منظر

مولانا ظفر احمد عثمانی دیوبندی ثم تھانوی، دیوبند کے عثمانی خاندان کے چشم و چراغ تھے، اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کے ذاتی حالات پر گفتگو کرنے سے قبل مختصراً دیوبند، ضمناً عثمانیوں کی دیوبند میں بود و باش اور پھر مولانا مرحوم کے خاندان پر ایک نظر ڈالی جائے تاکہ اپنی بات زیادہ واضح انداز سے کہی جا سکے۔

جہاں تک دیوبند کی قدامت کا تعلق ہے اس کے لئے مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ والدِ ماجد شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی مندرجہ ذیل عبارت جامع تعارف کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے:

"فکورة قديمة ،و قصبة عظيمة، و مدينة كريمة، و بلدة فخيمة، كانها اول عمران عُمِّر بعد الطوفان، ذات المعاهد الوسيعة و المساجد الرفيعة و معالم المشهورة و المقابر المزورة والآثار المحمودة و الاخبار المسعودة و ابنية مرصومة و امكنة مخصوصة"۔ (۱)

''(دیوبند) ایک قدیم آبادی اور بڑا قصبہ ہے، شرفاء کی بستی اور باعظمت شہر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کے بعد کی ابتدائی بستیوں میں سے ہے، یہاں وسیع عبادت گاہیں، بلند مساجد، مشہور نشانات، قابل زیارت مزارات، بہترین آثار، مبارک قبریں، مضبوط عمارتیں، مستحکم اور محفوظ مکانات اور بلند کوٹھیاں ہیں''

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آبادی طوفان نوح کے بعد کی ابتدائی بستیوں میں سے ایک ہے۔ دیوبند کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں بہت سے اقوال پائے جاتے ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے قلعہ میں دیو، بند کیا تھا، اسی واسطے دیوبند نام ہے (۲) کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ اس کا نام ''دیوی بن'' تھا یا دیوی

بلاس تھا جو کثرت استعمال سے دیوبند ہو گیا۔ اس صورت میں دیوی بن کے معنی اس جنگل کے ہوئے جس میں دیوی موجود ہو کیونکہ یہاں کی جنگلاتی آبادی میں ایک بہت قدیم مندر پایا جاتا ہے جسکا نام ''دیوی کنڈ'' ہے اسلئے یہ نام بھی حقیقت سے قریب تر معلوم ہوتا ہے یہ بھی مشہور ہےکہ ''پانڈو نے ملک بدر ہونے کی پہلی مدت یہیں گذاری تھی، یہاں کا قلعہ سالار مسعود غازی کے اولین مفتوحہ قلعوں میں سے تھا (۳) دیوبند میں مسلمانوں کی آبادی کا پتہ ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) سے چلتا ہے۔ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ایک مسترشد قاضی دانیال قطری، قطب الدین ایبک کے عہد (۶۰۲-۶۰۶ھ/ ۱۲۰۶-۱۲۱۰ء) میں یہاں عرصے تک مقیم رہے ہیں (۴) دیوبند میں کچھ مسجدیں اسلامی عہد حکومت کی تعمیر ہیں ان میں مسجد قلعہ، سلطان سکندر لودھی (۸۹۴-۹۲۳ھ/ ۱۴۸۸-۱۵۱۷ء) مسجد خانقاہ، شہنشاہ اکبر (۹۶۳-۱۰۱۴ھ/ ۱۵۵۵-۱۶۵۴ء) اور مسجد، ابوالمعالی اورنگ زیب (۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ/ ۱۶۵۷-۱۷۰۶ء) کے عہد کی یادگار ہیں۔ یہ وہ مسجدیں ہیں جن میں کتبے لگے ہوئے ہیں۔ بعض مساجد اس سے بھی زیادہ قدیم ہیں لیکن ان کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں۔ (۵)

دیوبند کے قدیم مشہور ترین بزرگ افراد میں جو نام پائے جاتے ہیں ان میں شیخ علاء الدین مشہور بہ ''جنگل باش'' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ کے شاگرد، شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ اور شیخ سعدی کے ہم درس تھے ان کی وفات ۷۴۲ھ/ ۱۳۴۱ء میں دیوبند میں ہوئی، دیوبند میں ہی ان کا مزار ہے۔ (۶)

دوسرے مشہور بزرگ شیخ شہاب الدین معروف بہ شاہ ولایت ہیں جن کو شیخ جلال الدین کبیر اولیاء پانی پتی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ (۷۸۰ھ/ ۱۳۷۸ء) میں ان کی وفات ہوئی۔ اور دار العلوم کے متصل ان کا مزار ہے۔ تیسرے بزرگ قالو قلندر ہیں، جن کا مزار تحصیل کے قریب ہے، ان کی وفات ۸۲۵ھ میں ہوئی۔ دیوبند کے صدیقی شیوخ کے جد امجد شیخ معز الاسلام شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے صحبت یافتہ تھے یہ بھی ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں ہوئے ان کا مزار محلہ بڑے بھائیان میں ادینی مسجد کے قریب ہے۔

پانچویں بزرگ خواجہ ابوالوفاء شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی کے چچازاد بھائی ہیں اگرچہ ان کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہیں ہوتی تاہم یہ آٹھویں صدی ہجری کے کسی حصہ میں دیوبند میں سکونت پذیر ہوئے۔ محلہ محل میں ان کا مزار ہے۔(۷)

یہی شیخ ابوالوفاء عثمانی ہیں جن کی اولاد میں اللہ تعالی نے بہت برکت دی۔ دیوبند کے تقریباً تمام ہی عثمانی شیوخ ان کی اولاد میں ہیں۔(۸)

شیخ ابوالوفاء عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسل میں دسویں پشت پر ایک صاحب لطف اللہ نامی پیدا ہوئے، جنہوں نے عہد شاہجہانی میں منصبِ دیوانی (خزانچی) کے عہدہ پر فائز ہونے کے باعث عزت وشہرت بھی پائی اور اپنے کارناموں کے باعث نیک نامی اور جاہ وحشمت بھی، ان کے تمول کی شہادت دیوبند کا محلہ دیوان ہے جس کا سربفلک دروازہ شکستگی کے باوجود آج بھی بڑی عظمت کا مالک سمجھا جاتا ہے۔(۹)

دیوان لطف اللہ کے خاندان نے جو شہرت وعظمت پائی اسمیں ان کی جود وسخا، علم پروری وعلم پسندی کا بھی بہت بڑا دخل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نیک نامی ان کے مقدر میں لکھی تھی اسی وجہ سے دارالعلوم دیوبند ان کے ورثاء کی عطا کردہ زمین پر بنا، اور تو اور دارالعلوم، دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم وتربیت اسی گھر کی مرہونِ منت ہے۔(۱۰) دیوان لطف اللہ کی اولاد میں شیخ کرامت حسین نامی ایک شخصیت گذری ہے جنہیں تعلیم سے دل چسپی تھی، اسی دل چسپی کے باعث انہوں نے اپنے گھر میں ایک مکتب قائم کر رکھا تھا، جس میں مولوی مہتاب علی صاحب (شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے تایا) مدرس تھے۔ جب مولانا نانوتوی مختلف وجوہات کی بناء پر نانوتہ چھوڑ کر اپنی نانیہال دیوبند تشریف لائے تو اسی مکتب میں جو شیخ کرامت حسین کے گھر پر قائم تھا، مولوی مہتاب علی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا(۱۱) دارالعلوم دیوبند کے قیام کے وقت تک یہ مکتب کامیابی کے ساتھ چلتا رہا(۱۲) اسی مکتب میں شیخ کرامت حسین کے صاحبزادے شیخ نہال احمد صاحب (دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے اولین ممبروں میں سے ایک (۱۲۸۳ تا ۱۳۰۴ھ) (۱۳) بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ انہیں کی بہن یعنی شیخ

کرامت حسین صاحب کی صاحبزادی سے مولانا قاسم نانوتویؒ کا نکاح ہوا۔[۱۴]

شیخ نہال احمد بھی اسی خانوادہ کے ایک ممتاز فرد تھے۔ دیوبند کے متمول اور صاحب حیثیت افراد میں شمار کئے جاتے تھے، ان کی شہرت اطراف و جوانب میں بہت زیادہ تھی ان کی مہمان نوازی بہت زیادہ مشہور تھی۔ بہت سی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ اس طرف سے گذرنے والی بارات کو اپنے یہاں ٹھہرا لیتے اور پوری بارات کی دعوت کر دیتے[۱۵] علم و فضل کا عالم یہ تھا کہ ۱۳۰۱ھ میں دار العلوم دیوبند کے دستار بندی کے اجلاس میں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، صدر مدرس دار العلوم دیوبند، اور مولانا رفیع الدین صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند جیسی باوقار و باکمال شخصیات کو انہوں نے دوشالہ پیش فرمایا جو اپنی نوعیت کا پہلا ہدیہ تھا۔[۱۶]

شیخ نہال احمد صاحب کے صاحبزادے شیخ لطیف احمد صاحب بھی اپنی گوناگوں علمی دل چسپیوں اور جدید افکار و نظریات قبول کرنے کے باعث مشہور و معروف رہے، شیخ لطیف احمد صاحب کی شادی مولانا اشرف علی تھانویؒ کی حقیقی ہمشیرہ سے ہوئی تھی، اس وقت جب کہ انگریزی زبان وادب یا انگریزی تہذیب و ثقافت کا نام لینا دشنام طرازی کے مترادف تھا، یہ انگریزی تعلیم کے حامی تھے انگریزی زبان سے دل چسپی کے باعث انہوں نے وطنِ عزیز دیوبند کو خیر باد کہہ کر آگرہ میں سکونت اختیار کرلی اور وہاں ایک مشنری اسکول میں فارسی کے استاد مقرر ہوگئے۔ مشنری اسکول کی ملازمت نے جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کیا اور ان کے وہ مخالفین جو انہیں انگریزی علوم کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے نفرت وحقارت سے دیکھتے تھے، انہیں اسلام مخالف ہی نہیں بلکہ العیاذ باللہ مرتد تصور کرنے لگے۔ دیوبند میں ان کے عیسائی مذہب قبول کرنے کی شہرت عام ہوگئی، لیکن واقعۃً ایسا نہیں تھا، وہ پابندِ شرع، صوم وصلوٰۃ وتہجد کے پابند اور پکے سچے مسلمان تھے ،ان کا انتقال آگرہ میں ہی ہوا اور وہیں پر تدفین بھی ہوئی۔[۱۷]

اس طریقہ پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دیوبند کے شیوخ عثمانی کے خاندان کے اس حصہ کو عرصۂ دراز سے شہرت ومقبولیت حاصل تھی، دیوان لطف اللہ جو محلہ دیوان کے جد

امجد ہیں اپنے عہدۂ و منصب کی بنا پر متقبول و معروف رہے تو شیخ کرامت حسین اپنی علم دوستی و علم نوازی کے سبب مشہور زمانہ ہوئے۔ شیخ نہال احمد صاحب اپنی جود وسخا کے لحاظ سے بھی ممتاز رہے اور دارالعلوم کی ابتدائی شوری کی رکنیت کی وجہ سے بھی اور اس وجہ سے بھی علمی دنیا ان کا احسان نہیں بھلا سکتی کہ "دارالعلوم دیو بند والی زمین شیخ نہال احمد عثمانی ہی کی عطا کردہ ہے"[۱۸] اور شیخ لطیف احمد اپنی آزادیٔ فکر اور وسیع النظری کے باعث ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

شیخ لطیف مرحوم کے صاحبزادوں میں مولانا سعید احمد عثمانی صاحب اور مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی نے علم و فضل میں اپنا نام روشن کیا اور تقویٰ و طہارت اور تحریر و تقریر کی وجہ سے مشہور و مقبول ہوئے۔ مولانا سعید احمد عثمانیؒ ۱۳۰۵ھ میں دیو بند میں پیدا ہوئے اور نہایت کم عمری میں یعنی صرف ۲۵ سال کی عمر میں ۱۳۳۰ھ میں بمرضِ طاعون انتقال فرما گئے[۱۹] ان کو دیکھنے اور سننے والوں کا ماننا ہے کہ اگر یہ زندہ ہوتے تو علوم و معارف میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ثانی ہوتے۔ ان کے انتقال پر مولانا تھانویؒ بھی غمزدہ و رنجیدہ ہوئے۔[۲۰]

پیدائش:

شیخ لطیف احمد صاحب کے دوسرے صاحبزادے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھے، ان کی پیدائش مؤرخہ ۱۳/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق ۵/اکتوبر ۱۸۹۲ء[۲۱] کو دیو بند کے محلہ دیوان کے مذکورہ بالا مکان میں ہوئی، ان کا نام ظفر احمد تجویز ہوا، ایک نام ظریف احمد اور تاریخی نام مرغوب نبی بھی رکھا گیا، جس سے سن پیدائش ۱۳۱۰ھ کی تخریج ہوتی ہے[۲۲] مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی النسل خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا ظفر احمد صاحب سے خواجہ ابوالوفاء تک کا شجرہ حسب ذیل ہے:

ظفر احمد بن لطیف احمد بن نہال احمد بن کرامت حسین بن نبی بخش بن حیات اللہ بن عنایت اللہ بن لقاء اللہ بن احسان اللہ بن نصیر اللہ بن دیوان لطف اللہ بن خواجہ اویس بن مولانا احمد بن مولانا عبدالرزاق بن مولانا محمد حسن بن خواجہ حبیب اللہ بن خواجہ

عثمان بن علی بن قاضی شیخ محمد بن قاضی فضل اللہ بن خواجہ شیخ ابوالوفاء رحمہم اللہ۔ (۴۳)

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ مولانا ظفر صاحب کے والد شیخ لطیف احمد کی شادی تھانہ بھون میں شیخ عبدالحق صاحب کی صاحبزادی (مولانا اشرف علی تھانوی کی حقیقی ہمشیرہ) سے ہوئی تھی، اس طریقہ پر مولانا تھانویؒ مولانا ظفر احمد صاحب کے حقیقی ماموں تھے (۴۴)

ابتدائی تعلیم:

ابھی مولانا اڑھائی سال کے ہی تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ جب آپ سات سال کے ہوئے تو آپ کو مکتب میں قرآن مجید پڑھنے کے لئے بٹھا دیا گیا۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں حافظ نامدار صاحب سے ناظرہ قرآن مجید پڑھا (۴۵) ناظرہ قرآن مجید مکمل کرنے کے بعد آپ کو دارلعلوم دیوبند میں داخل کر دیا گیا، جہاں آپ نے فارسی کی ابتدائی کتابیں مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ کے والد مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی سے پڑھیں۔ (مولانا محمد یاسین صاحبؒ بذات خود دارالعلوم دیوبند کے قرن اول کے طالبعلم اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے براہ راست شاگرد تھے۔ مولانا یاسین صاحب کی وفات ۹ رصفر ۱۳۵۵ھ کو دیوبند میں ہوئی)۔ (۴۶)

﴿حواشی﴾ دوسرا باب رفصل اول

(۱) الهدية البتة/ مولانا ذوالفقار علی/ مكتبه مجتبائی دهلی / ۱۳۰۸ھ / ص : ۱۰ /نیز ملاحظہ کیجئے حیات عثمانی/..........

(۲) تاریخ سہارن پور رپنڈت نند کشور رمطبوعہ سہارن پور ۱۲۸۵ھ رص: ۲۷و۱۶۰

(۳) امپیریل گزیٹر آف انڈیا رمطبوعہ ۱۹۰۸ء رج: ا رص: ۲۴۲

(۴) تاریخ دار العلوم دیو بند رسید محبوب رضوی/ دار العلوم دیو بند/ ۱۹۷۷ء ۱/ ۱۳۰

(۵) تاریخ دار العلوم دیو بند ر ۱ر ۱۳۱

(٦) تاریخ دیو بند رسید محبوب رضوی/ دار العلوم دیو بند/ ۱۹۵۲ء ص: ۲۷

(۷) تاریخ دیو بند رص: ۲۸

(۸) تاریخ دیو بند رص: ۲۹

(۹) تاریخ دیو بند رص: ۴۸

(۱۰) سوانح قاسمی رمولنا مناظر احسن گیلانی رمکتبہ دار العلوم دیو بند ر ۱۳۷۲ھ ر ۱/ ۱۸۶

(۱۱) سوانح قاسمی رمولنا مناظر احسن گیلانی رمکتبہ دار العلوم دیو بند ر ۱۳۷۲ھ ر ۱/ ۱۸۷

(۱۲) تاریخ دیو بند رص: ۶۷

(۱۳) (اگر چہ ان کی تاریخ وفات کا کوئی صحیح علم نہیں ہے۔ لیکن چونکہ دار العلوم دیو بند کی اولین شوریٰ کے ممبروں میں سے تھے اور ان کی ممبری ۱۳۰۴ھ تک رہی اس بنا پر غالب گمان یہی ہے کہ انتقال کے باعث ان کی ممبری کی جگہ خالی ہوئی) ''بحوالہ'' دار العلوم دیو بند کی صد سالہ زندگی رمولنا محمد طیب ردفتر اہتمام دار العلوم دیو بند رطبع اول جون ۱۹۶۵ء رص: ۲۰۱،

(۱۴) سوانح قاسمی ر ۱ر ۵۰۱

(۱۵) مسلمانوں کا شاندار ماضی رمولنا محمد میاں رمکتبہ الجمعیۃ دہلی ر ۵/ ۵۹

(۱۶) تذکرۃ الرشید رمولنا عاشق الٰہی راشاعت العلوم سہارن پور ر ۱۹۷۷ء ر ۱/ ۲۴۹

(۱۷) شیخ لطیف احمد صاحب کے تفصیلی حالات وواقعات وسنین پیدائش ووفات باضابطہ کہیں نہیں ملتے۔ ان کے ارتداد کے متعلق بھی زبانی ہی روایتیں ہیں جو غلط فہمی پر مبنی ہیں مجھے ان کے حالات کی جانکاری کے لئے ان کی حقیقی بھانجی کے صاحبزادے شیخ نثار احمد صاحب (کاتب) (متوفی ۲۰۰۳ء) سے رجوع کرنا پڑا جو

یو بند کے محلہ دیوان کے اسی گھر میں رہتے تھے جو مولنا ظفر احمد صاحب تھانوی کا جدی مکان ہے۔ شیخ
ار احمد صاحب مرحوم کا کہنا تھا کہ ان کی والدہ حلفیہ طور پر لطیف صاحب کے ارتداد کا انکار کرتی تھیں۔ اور کہتی
تھیں کہ وہ نماز روزہ اور تہجد کے پابند تھے۔ انگریزی تعلیم کو ضروری سمجھتے تھے لیکن کسی پر اپنے نظریات کو تھوپتے
نہیں تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی اولاد پر بھی اس سلسلہ میں کوئی زور زبردستی نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ
ان کے دونوں صاحبزادے مولنا سعید احمد اور مولنا ظفر احمد علم دین وعربی زبان وادب کی تحصیل میں مشغول
رہے اور مشہور عالم ہوئے۔

(١٨) کاروان تھانوی / محمد اکبر تھانوی / ادارۃ المعارف کراچی / ۱۹۹۷ء، ١٤١٨ھ / ص: ٥٨

(١٩) کاروان تھانوی / محمد اکبر تھانوی / ادارۃ المعارف کراچی / ۱۹۹۷ء، ١٤١٨ھ / ص: ٢٤٧

(٢٠) تذکرۃ الظفر / مولنا عبدالشکور ترمذی صاحب / مطبوعات علمی کمالیہ پاکستان ۱۹۷۷ء / ص: ٥٥

(٢١) عیسوی تاریخ پیدائش کہیں درج نہیں ہے لیکن ١٣ / ربیع الاول ١٣١٠ھ کو تقویم کے مطابق
٧ / اکتوبر ١٨٩٢ء ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے تقویم ہجری وعیسوی مرتبین : ابو النصر محمد خالدی، مولوی محمود
خان، زیڈ، اے ڈیسائی / انجمن ترقی اردو دہلی۔

(٢٢) تذکرۃ الظفر / ص: ٥٣

(٢٣) فقہ القرآن / عمر احمد عثمانی / ادارۂ فکر اسلامی کراچی / ۱۹۷۷ء / ص: ٦٦

(٢٤) تذکرۃ الظفر / ص: ٥٣

(٢٥) تذکرۃ الظفر / ص: ٥٩

(٢٦) چند عظیم شخصیات / مفتی محمد شفیع عثمانی / کتب خانہ نعیمیہ دیو بند / ۱۹۹۷ء / ١٤١٧ھ / ص: ٣٨

فصل دوم

تعلیم و تربیت

مولانا مرحوم کے والد شیخ لطیف احمد چونکہ انگریزی زبان کو پسند کرتے تھے اس لئے ان کی خواہش تھی کہ مولانا ظفر صاحب انگریزی وعصری علوم کی تحصیل میں مصروف رہیں، لیکن مولانا کو انگریزی زبان سے طبعی تنفر تھا اور حد یہ تھی کہ انگریزی کی جو کتاب بھی پڑھتے اسے پڑھتے ہی جلا دیا کرتے تھے جب اس بات کا علم والد صاحب کو ہوا تو انہوں نے اس کی وجہ دریافت کی، مولانا نے جواب دیا کہ مجھے اس زبان سے نفرت ہے، اسی کے ساتھ آپ نے اپنے عالم بننے کی خواہش ظاہر کی جسے ان کے والد صاحب نے منظور فرمالیا اور آپ کو تحصیل علم کی خاطر دیوبند بھیج دیا، جہاں سے آپ اپنے ماموں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ان کے حکم پر وہیں تعلیم میں مشغول ہوگئے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف بارہ سال تھی۔[1]

تھانہ بھون، دیوبند سے تقریباً چالیس کلومیٹر کے فاصلہ پر جانب شمال واقع ہے۔ قدیم زمانہ سے علمی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ صاحب کشاف العلوم قاضی عبد الاعلیٰ مولانا شیخ محمد تھانوی کی بدولت شہرت کے آسمان پر پہونچا ہوا ہے۔ سرزمینِ تھانہ بھون حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حافظ ضامن شہید جیسی زندۂ جاوید ہستیاں مسلمانوں کو عطا کر چکی تھی۔ اخیر زمانہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تو تھانہ بھون کو اسلامی مرکزوں میں سے ایک مستقل مرکز بنادیا تھا[2] اسی قصبہ میں اسی جلیل القدر شخصیت یعنی مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت میں مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی جو ابتداءً صرف حصول علم کی خاطر تھانہ بھون تشریف لائے تھے اسی سرزمین کے ہورہے، اور مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی کہلائے جانے لگے۔

مولانا ظفر احمد صاحب کے ماموں، مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے مصلح امت تھے، اصلاح امت کے لئے ان کی کوششیں انتہائی بار آور ثابت ہوئیں،

دیوبند سے فراغت کے بعد ١٣٠١ھ میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں درس وتدریس سے منسلک ہو گئے (٣) حضرت تھانویؒ نے تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، علم کلام، علم تجوید وغیرہ سبھی شعبہ ہائے علوم فنون میں تقریباً سات سو یادگار تصانیف چھوڑی ہیں۔ (٤) مولانا ظفر صاحب نے ایسے جلیل القدر وعظیم المرتبت شخصیت کے زیر سایہ تعلیم وتربیت حاصل کی، خود مولانا تھانویؒ سے آپ نے شرف تلمذ حاصل کیا۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ :"میں نے جب کہ میری عمر ١٢-١٣ سال تھی مولانا اشرف علیؒ سے قرأت وتجوید کی کتاب اپنے بڑے بھائی مولوی سعید احمد کے ساتھ سبقاً سبقاً پڑھی، مولوی عبداللہ گنگوہی صاحبؒ کے ساتھ حضرت تھانویؒ سے مثنوی رومی پڑھی، علاوہ ازیں "تلخیصات العشر" بھی مولانا تھانویؒ سے ہی پڑھی"۔ (٥)

مولانا اشرف علی تھانوی کے ادارہ کا نام "خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون" تھا وہیں پر مولانا ظفر صاحب کی ابتدائی عربی کی تعلیم ہوئی، مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ سے آپ نے ابتدائی کتابیں پڑھیں، مولانا عبداللہ صاحب کا طریقہ تعلیم اتنا عمدہ تھا کہ ابتداء میں ہی استعداد کامل ہو جاتی تھی، چنانچہ جب مولانا ظفر صاحب عربی کی ابتدائی کتاب نحو میر پڑھ رہے تھے تو آپ کے اندر اتنی استعداد پیدا ہو چکی تھی کہ آپ بلا تکلف اشعار موزوں کر لیتے تھے، آپ کا اسی وقت کا یہ شعر کافی مشہور ہے جو آپ نے اپنے کسی دوست کو فی البدیہ لکھا تھا:

انا ما رأیتك من زمن ☆ فازدادنی قلبی الشجن (٦)

میں نے تم کو عرصہ سے نہیں دیکھا جس کی وجہ سے میرے دل کی تکلیف میں اضافہ ہو گیا

ترجمۂ قرآن پاک آپ نے مدرسہ امدادیہ میں ہی مولانا شاہ لطف رسول صاحب سے پڑھا، عربی ادب کا رسالہ "الطریف الادیب الظریف" پڑھا، ١٣٢٣ھ میں جب مولانا اشرف علی صاحب تفسیر بیان القرآن لکھنا شروع کر رہے تھے تو مولانا ظفر احمد صاحب کو وہ ازخود اپنے ساتھ کانپور لے گئے، تاکہ یہاں پر وہ تصنیف کا سلسلہ اطمینان وسکون کے ساتھ کر سکیں اور مولانا ظفر صاحب کا علمی سفر بھی جاری رہے، یہاں

مدرسہ جامع العلوم میں داخلہ کرادیا، آپ نے یہاں مشکوٰۃ، جلالین اور ہدایہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ چونکہ آپ کو عربی ادب سے شروع ہی سے رغبت تھی اس لئے آپ نے اسی سال "سبعہ معلقہ" بھی شروع کردی جوکہ نصاب میں اگلی جماعت میں داخل تھی (۷) کانپور میں آپ کے خصوصی استاد مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی تھے جو مولانا اشرف علی کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے، اور اپنے وقت کے متبحر عالمِ دین تھے۔ مولانا ظفر صاحب نے مولانا اسحاق صاحب سے صحاحِ ستہ مع مؤطا امام مالکؒ سبقاً سبقاً پڑھیں، بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر مولانا اسحاق صاحب کانپور سے استعفاد ے کر مدرسہ عالیہ کلکتہ تشریف لے گئے تو آپ نے مشہور محدث مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی منشا کے مطابق مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں دورۂ حدیث میں داخلہ لے لیا۔ یہ واقعہ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ کا ہے (۸) یہاں آپ نے کتبِ حدیث، بخاری، شمائل ترمذی، کے علاوہ میر زاہد، امور عامہ، شرح چغمینی، شمس بازغہ، صدرا، قاضی مبارک، میر زاہد ملا جلال، حمد اللہ وغیرہ جیسی علوم وفنون کی کتابیں بھی پڑھیں۔ (۹)

تدریس سے وابستگی

دورانِ تعلیم آپ کی کارگردگی نہایت عمدہ رہی، مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور کی روداد کے مطابق آپ نے سالانہ امتحان میں اعلیٰ کامیابی حاصل کی۔ (۱۰) ۱۳۲۸ھ میں فراغت کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج کی دولت سے مالا مال کیا، اس سال مدرسہ مظاہر علوم کے اساتذہ کی اکثریت حج کے لئے گئی تھی، آپ بھی ان کے ہمراہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ (۱۱) ۱۳۲۹ھ کی ابتدا میں آپ حج مبارک سے واپس تشریف لائے تو آپ مدرسہ مظاہر علوم میں استاد بنادیے گئے، جہاں آپ نے اپنے علمی جواہر وقابلیت اور فطری صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ ابتدا میں آپ کو شرح وقایہ، نور الانوار، سبعہ معلقہ، دیوانِ متنبی ملی تھیں، جب اساتذۂ کرام نے آپ کی صلاحیتوں کو آزمالیا تو آپ کو ہدایہ، مشکوٰۃ شریف، میبذی، شرحِ عقائد مع حاشیہ خیالی وغیرہ پڑھانے کو ملیں، (۱۲) جنہیں آپ نے بحسن وخوبی پڑھایا۔

مظاہر علوم، سہارنپور کے زمانۂ قیام میں آپ کے مشہور ترین شاگردوں میں ہندوستان کے مستقبل کے جید ترین علماءِ کرام مولانا بدر عالم میرٹھی صاحب، مولانا ادریس کاندھلویؒ، مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری، مولانا محمد اسعد اللہ صاحب، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہم جیسے بلند پایہ اصحاب نے شرفِ تلمذ حاصل کیا (۱۳) (مشہور شامی محدث وفقیہ اور نامور عالم و محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کو بھی مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب کا شاگرد ہونے کا فخر حاصل ہے، انہوں نے ۱۳۸۲ھ میں باقاعدہ سفر کر کے علامہ عثمانی سے تحریری اور زبانی اجازت حدیث لی، پھر ان کے گلشنِ علمی کو سجایا اور مولانا ظفر صاحب کی مشہور تالیف اعلاء السنن کے مقدمہ کو اپنی تعلیقات کے ساتھ اپنے موضوع پر ایک اچھوتی اور بے مثال کتاب ''قواعد فی علوم الحدیث'' کے نام سے پیش کیا۔) (۱۴)

۱۳۳۶ھ میں آپ بیمار ہوئے تو اطباء نے آپ کو آب و ہوا کی تبدیلی کی غرض سے سہارنپور شہر چھوڑ کر دیہات منتقل ہونے کا مشورہ دیا، چنانچہ آپ تھانہ بھون کے قریب ایک دیہات گڑھی پختہ تشریف لے گئے جہاں آپ نے مدرسہ ارشاد العلوم میں اپنا علمی سفر جاری رکھا اور تشنگانِ علوم کو سیراب کیا۔ (۱۵) یہاں پر آپ نے ۱۳۳۸ھ تک دوسری کتابوں کے علاوہ بخاری شریف اور مسلم شریف کا بھی درس دیا۔ ۱۳۳۸ھ میں آپ دوسرے حج کے لئے تشریف لے گئے۔ حج سے واپسی کے بعد ۱۳۳۹ھ میں آپ کا مستقل قیام تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ میں ہو گیا اور آپ مدرسہ امداد العلوم، تھانہ بھون سے منسلک ہو گئے، جہاں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ فتویٰ نویسی کا کام بھی مولانا کے سپرد ہوا۔ مولانا ان تمام شعبوں میں بھی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی زیر نگرانی علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ مدرسہ امداد العلوم میں آپ نے بیضاوی شریف اور دورۂ حدیث کی کتابوں کا درس دیا اور تمام علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا یہ دور علمی اعتبار سے زریں دور ہے، کیونکہ آپ کی علمی و ادبی تالیفات و تصنیفات زیادہ تر اسی زمانہ میں ہوئیں۔ (۱۶)

مولانا ظفر صاحب کے شیخ طریقت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری کے انتقال (۱۳۴۶ھ) کے بعد مولانا کو جو دلی صدمہ پہونچا اس کا علاج اطباء نے یہ تجویز کیا کہ آپ کو کچھ دن کے لئے کسی ساحلی مقام پر بھیج دیا جائے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں برما کے شہر رنگون سے مولانا تھانویؒ کے پاس خط آیا کہ مدرسہ راندیریہ کے لئے کسی ناظم کا انتخاب کر دیجئے۔ اس طرح آپ رنگون پہونچ گئے جہاں آپ ڈھائی سال تک رہے۔ ۱۳۴۹ھ میں پھر تھانہ بھون واپس پہونچ گئے اور درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی کے شعبوں میں خدمات انجام دیتے رہے۔ اور یہ سلسلہ ۱۳۵۸ھ تک جاری رہا۔ (۱۷) اس درمیان آپ کو ۱۳۴۸ھ میں تیسرے حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ (۱۸)

۱۳۵۸ھ میں آپ کے احباب نے آپ کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں بلانے کی تحریک چلائی۔ احباب کے اصرار اور اپنے مربی و سرپرست مولانا تھانویؒ کے حکم سے آپ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ میں تھانہ بھون سے ڈھاکہ پہونچ کر ڈھاکہ یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے اور یہاں بخاری شریف، مسلم شریف، کتاب التوحید اور ہدایہ وغیرہ جیسی اہم کتابوں کا درس دینے لگے۔ لیکن یونیورسٹی کا ماحول مولانا مرحوم کے مزاج کے مطابق نہیں تھا اس لئے وہ یہاں اپنے علمی ذوق کو مطمئن نہ کر سکے۔ اور ڈھاکہ یونیورسٹی کے ساتھ ساتھ خارج اوقات میں مدرسہ اشرف العلوم، ڈھاکہ (جو آپ کی ہی سرپرستی میں آپ کے احباب نے قائم کیا تھا) سے وابستہ ہو گئے، جہاں آپ بلا معاوضہ علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ یہاں کے آپ کے مشہور تلامذہ میں ڈاکٹر شہید اللہ مرحوم، ڈاکٹر سراج الحق صاحب اور پروفیسر جیلانی صاحب وغیرہ ہیں۔ (۱۹)

اس کے بعد آپ نے لال باغ، ڈھاکہ کی شاہی مسجد میں جامعہ قرآنیہ کی سرپرستی فرمائی اور یہاں سے تدریسی تعلق باقاعدہ قائم رکھا۔ آپ اس عظیم دینی درسگاہ سے کم و بیش دس پندرہ سال تک وابستہ رہے اور بخاری شریف کا درس پابندی سے دیتے رہے۔ حالانکہ ڈھاکہ کے سیاسی حالات سے دل برداشتہ ہو کر آپ، ڈھاکہ کو خیر باد کہہ کر مغربی پاکستان منتقل ہو گئے تھے، لیکن اس مدرسہ سے آپ کا تعلق بدستور اس طرح رہا

کہ آپ شعبان میں ڈھاکہ تشریف لے جاتے اور اس مدرسہ میں مکمل رمضان قیام فرماتے اور پھر شوال میں مغربی پاکستان تشریف لے آتے۔ اس طریقہ پر بخاری شریف کی ابتداء (شوال میں) اور اختتام (شعبان میں) آپ ہی کے ذریعہ انجام پاتا۔

ڈھاکہ یونیورسٹی سے اگرچہ آپ کا تعلق رسمی ہی سا تھا تاہم ۱۹۴۸ء میں آپ نے اس سے یہ رسمی تعلق بھی منقطع کرلیا اور مدرسہ عالیہ (جو تقسیم ہند کے بعد کلکتہ سے منتقل ہوکر ڈھاکہ آ گیا تھا) سے اپنی علمی خدمات کا سلسلہ جوڑلیا۔ یہاں آپ صدر مدرس کی حیثیت سے مقرر ہوئے اور بخاری شریف، الاشباہ والنظائر اور اصول بزوری کے اسباق بھی دیتے رہے۔ اس درسگاہ سے آپ کا تعلق ۱۹۵۴ء تک رہا، اس کے بعد آپ نے سیاسی حالات سے متنفر ہوکر مشرقی پاکستان کو خیر باد کہکر مغربی پاکستان کو اپنا مستقر بنالیا اور اخیر عمر تک دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہیار سے وابستہ رہتے ہوئے علمی وادبی خدمات انجام دیتے رہے۔ اور شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہ کر مسلسل بیس سال تک قرآن و حدیث کی خدمت اور علوم قرآن وحدیث کی تعلیم و نشرواشاعت میں مصروف رہے، اور پاکستان کے اس غیر معروف سے قصبہ میں گمنامی کی زندگی گذارتے ہوئے۔ ۸/دسمبر ۱۹۷۴ء (۲۲/ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ) بروز اتوار بوقت صبح کراچی شہر میں داعی اجل کو لبیک کہا[۲۰] اور پاپوش نگر، ناظم آباد میں مدفون ہوئے۔[۲۱]

آپ کے انتقال سے صرف برصغیر کے علمی و دینی حلقوں میں ہی نہیں بلکہ پاکستان اور بنگلہ دیش کے سیاسی حلقوں میں بھی صفِ ماتم بچھ گئی، کیونکہ آپ نے سیاسی طور پر پاکستان بننے، مسلم لیگ کو تقویت دینے، سلہٹ ریفرینڈم، اور قائد اعظم محمد علی جناح کے حکم پر مشرقی پاکستان میں آپ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر سرکاری سطح پر پاکستان کا پرچم لہرانے کی رسم انجام دی تھی، جس کا تفصیلی تذکرہ مولانا کی سیاسی زندگی کے ضمن میں آئے گا انشاءاللہ۔

عائلی زندگی

آپ کی پہلی شادی ۳۰/ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو پیر جی ظفر احمد صاحب (مقیم تھانہ

بھون) کی بڑی صاحبزادی مشتری خاتون کیساتھ ہوئی تھی، انہیں کی ایک اور صاحب زادی محترمہ صغریٰ بیگم مولانا اشرف علی تھانویؒ کی دوسری اہلیہ تھیں۔ اس طریقہ پر آپ اپنے ماموں کے ہم زلف بھی ہوئے۔ ان سے مولانا مرحوم کے دو صاحبزادے مولانا عمر احمد عثمانی اور مولانا قمر احمد عثمانی اور چار صاحبزادیاں انوری خاتون، اظہری خاتون، شاہجہاں خاتون، اور اختری حسنیٰ ہوئیں۔ اختری حسنیٰ کا انتقال نوجوانی میں ہوگیا تھا (جن کے لئے مولانا نے عربی میں معرکۃ الآراء مرثیہ کہا تھا وہ مرثیہ مولانا کے منظومات کے باب میں درج ہے) دونوں صاحب زادے بڑے ذہین، ذی استعداد، صاحبِ تصنیف و تالیف اور دینی و دنیاوی علوم کے حامل ہوئے۔

مولانا ظفر احمد صاحب کی پہلی اہلیہ اکتالیس سال مولانا کی رفاقت میں رہنے کے بعد ۱۳ / محرم ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۰ء کو انتقال کر گئیں۔ مولانا کی طبیعت پر ان کے انتقال سے بہت اثر ہوا، جس کا اظہار آپ نے ایک عربی مرثیہ میں اس طرح کیا:

اف لفرقة مونسي و أنيسي ☆ بدر البدور نعم و شمس شموس

اس وقت مرثیہ کا تذکرہ مقصود نہیں، وہ تو انشاءاللہ مولانا مرحوم کی ادبی خدمات کے ضمن میں آئے گا۔ مولانا نے پہلی اہلیہ مرحومہ کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح محترمہ حفظہ خاتون بنت یحییٰ صاحب سے کیا، یہ کہاں کی رہنے والی تھیں اس کے متعلق تفصیلات معلوم نہیں ہوسکیں، وہ بھی زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ سکیں کچھ ہی عرصہ میں ان کا انتقال ہوگیا اور ان سے ایک صاحبزادی ہوئیں جو صرف بیس دن زندہ رہیں۔ تیسرا نکاح مولانا حکیم محمد مصطفےٰ بجنوریؒ کی بیوہ صاحب زادی محترمہ رشیدہ خاتون سے ہوا، ان سے ایک صاحبزادے مولانا محمد مرتضیٰ صاحب ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت دارالعلوم ٹنڈو الہیار میں اپنے والدِ مرحوم کے زیرِ سایہ ہوئی۔ قیام بنگال کے زمانہ میں مولانا مرحوم کا چوتھا نکاح صوبہ بہار سے تعلق رکھنے والی محترمہ مجید النساء سے ہوا، جن سے ایک صاحبزادے ہوئے جن کا نام محمد ارتضیٰ تھا، وہ چند دن زندہ رہنے کے بعد انتقال کر گئے، (۲۲)

مختصر کوائف اولاد واز کار روانات (۲۳)

مولانا عمر احمد عثمانی

مولانا کی پہلی اہلیہ محترمہ مشتری خاتون کی اولاد میں سب سے بڑے صاحبزادے مولانا عمر احمد عثمانی تھے۔ (ان کی پیدائش کب ہوئی اس کے متعلق واضح معلومات نہیں ہیں لیکن ان کی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور سے فضیلت ۱۳۵۱ھ میں ہوئی، جس کی مطابقت عیسوی سن سے ۱۹۳۱ء یا ۱۹۳۲ء ہوتی ہے، اگر اس وقت ان کی تخمینی عمر ۲۰/سال مانی جائے تو ان کی پیدائش ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۲ء ہوتی ہے)۔

مولانا عمر عثمانی نے مظاہر علوم سے فضیلت کے بعد اسی مدرسہ میں ۱۳۵۸ھ تک تدریسی فرائض انجام دیئے، آپ نے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے بھی خصوصی سند فضیلت ۱۳۵۸ھ میں ہی حاصل کی، بعد میں آپ عصری علوم کی طرف راغب ہو گئے۔

۱۹۳۷ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے عربک آنرز کا امتحان پاس کیا، جس میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی کو ٹاپ کیا، اسی یونیورسٹی سے ۱۹۴۰ء میں پرشین (فارسی) اور اردو آنرز کا امتحان بھی پاس کیا۔

۱۹۴۷ء میں آپ دار العلوم چندن پورہ چاٹ گام (بنگلہ دیش) میں شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر فائض ہوئے، اور ۱۹۵۲ء تک یہی فرائض انجام دیتے رہے، پاکستان منتقل ہونے کے بعد بیورو آف نیشنل ری کنسٹریکشن حکومت پاکستان کراچی میں ڈین آف تھیولوجی بنائے گئے، گورنمنٹ کالج ناظم آباد کراچی میں پروفیسر بھی رہے، آپ اعلیٰ تالیفی و تصنیفی ذوق کے مالک تھے، آپ کی تالیفات، تصنیفات، نیز عربی کتب کے تراجم میں جن مطبوعات نے شہرت حاصل کی، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) انساب عرب پر مبنی تحقیقی مقالہ بعنوان قلائد الجمان کی تحقیق، ترتیب و

تدوین (عربی)۔

(۲) عضد الدولہ دیلمی کی بایوگرافی کی ترتیب (عربی)۔

(۳) فضائل الایام والشہور۔ (اردو) (۴) شرح نحو میر۔ (اردو) (۶/۵) احمد امین کی مشہور کتاب فجر الاسلام وضحیٰ الاسلام کے اردو تراجم۔ (۷) قرآن پڑھو۔ (اردو) (۸) خاتمۃ الکلام فی القرأۃ خلف الامام۔ (۹) فقہ القرآن۔ آپ کی کتاب ''فقہ القرآن'' نے بہت زیادہ شہرت ومقبولیت حاصل کی۔

علاوہ ازیں آپ کے بہت سے اہم علمی مقالات ومضامین مطبوعہ صورت میں نہیں آسکے، مثلاً قرآنی معاشرہ، ارمغان حجاز اور بہشتی زیور پر اعتراضات کے جوابات وغیرہ وغیرہ۔

آپ کی شادی محترمہ بریرہ خاتون بنت الحق احمد صاحب سے ہوئی، جنہوں نے ''اسلام میں عورت کا عائلی مقام'' نامی کتاب تصنیف کی، آپ کی اولاد میں صرف ایک صاحبزادی عائشہ عبدالباقی نام کی ہوئیں، جو الحمد للہ تادمِ تحریر حیات ہیں۔

مولانا قمر عثمانیؒ

حضرت کے منجھلے صاحبزادے مولانا قمر عثمانی ستمبر ۱۹۲۹ء میں تھانہ بھون میں پیدا ہوئے۔

ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ دقیق علمی و مذہبی موضوعات پر کئی کتابوں کے مصنف ومؤلف ہونے کے ساتھ ساتھ علم وادب میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کے شعری وافسانوی مجموعوں کے نام یہ ہیں:

(۱) بریلی سے بالاکوٹ۔ (۲) مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ۔ (۳) سیدنا عثمان ذوالنورینؓ۔ (۴) برصغیر میں دعوتِ دین کی تحریکیں۔ (۵) امام راشد۔ (۶) عورت اور اسلام۔ (۷) نفاذِ اسلام اور درپیش مسائل۔ (۸) تذکرۂ یاراں۔ (۹) ضبطِ تولید۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ نے ان کی کتاب ''بریلی سے بالاکوٹ'' کو اپنے ایک مضمون میں اس موضوع پر لکھی گئی بہترین کتاب قرار دیا، جب کہ ''امام راشد''

پڑھنے کے بعد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے انہیں خط میں لکھا کہ اس موضوع پر میرا ارادہ بھی ایک کتاب لکھنے کا تھا۔ مگر تمہاری کتاب کی موجودگی میں اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ''سیدنا عثمان ذوالنورین'' کے بارے میں اردو کے نامور نقاد اور محقق ڈاکٹر اسلم فرخی نے فرمایا کہ قمر صاحب آپ نے اس موضوع پر لکھی گئیں شہرۂ آفاق کتب کو گرد کر دیا۔

پاکستان کی آزادی کی پچاسویں سالگرہ پر ضلعی سطح پر ان کی علمی و ملی خدمات کے اعتراف میں ان کو گولڈ میڈل دیا گیا۔ وہ قائداعظم کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی میں مقیم رہے۔ پھر اہلیہ کی خرابی صحت کے باعث پنجاب چلے گئے۔ کچھ عرصہ سرگودھا میں رہے، پھر کمالیہ منتقل ہو گئے، اور ۲۷/ برس علم وادب سے وابستہ رہنے کے باوجود گمنامی میں گزار دیئے۔ شاعری میں عندلیب شادانی کے شاگرد تھے۔ اردو شاعری کے کلاسیکی پہاڑوں جوش ملیح آبادی، جگر مراد آبادی، قمر جلالوی، ماہر القادری اور فضل احمد کریم فضلی کے ساتھ مشاعرے پڑھے۔ ان کی عمر عزیز اساتذہ کی تعلیم وتربیت میں صرف ہوئی۔ گورنمنٹ نارمل اسکول کمالیہ میں خدمات انجام دیں۔ نہ بن بلائے کسی مشاعرے میں شرکت کی۔ نہ سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے کسی کا دم چھلا بنے۔ ۲۱/ جولائی ۲۰۰۳ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں وفات ہوئی۔

آپ کی شادی حافظ تصدق حسین صاحب کی صاحبزادی محترمہ عابدہ خاتون کے ساتھ ہوئی، جن سے ایک صاحبزادہ نظر احمد عثمانی اور چار صاحبزادیاں، ساجدہ، ماجدہ، سلمٰی اور سعدیہ نامی ہیں جو الحمد للہ بقید حیات ہیں۔

مولانا محمد مرتضٰی عثمانی

مولانا محمد مرتضٰی عثمانی شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ حضرت کی تیسری اہلیہ صاحبہ تھیں، جو کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرید خاص اور بہشتی زیور کے حکمت سے متعلق حصے کے مصنف حکیم محمد مصطفٰی بجنویؒ کی صاحبزادی تھیں۔ مرتضٰی صاحب ۲۰/ نومبر ۱۹۵۴ء کو

پیدا ہوئے۔ اس وقت ان کے والد گرامی سفرِ حج میں تھے اور جس وقت انہیں ان کی پیدائش کی اطلاع ملی اس وقت وہ بیت اللہ میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے وہیں پر احباب کے مشورے سے ان کا نام ''محمد'' اور نانا کے نام کی مناسب سے ''مرتضٰی'' تجویز فرمایا، ننھیال والوں نے ان کا نام محمد جمال رکھا تھا۔ لیکن وہ معروف نہ ہوا۔

آپ شروع سے ہی اپنے والد گرامی کے زیرِ سایہ رہے ان کو حضرت کی عمر کے آخری حصے میں ساتھ رہنے اور ان کی خدمت کی عظیم سعادت بھی حاصل ہوئی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم سے لیکر دورۂ حدیث شریف کی تکمیل تک اپنے والد گرامی کی زیرِ نگرانی تعلیم حاصل کی اور انہیں بخاری شریف والد گرامی سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

جس وقت مرتضٰی صاحب نے شرح وقایہ کی جماعت مکمل کی تو حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ کو خواب میں سرورِ دوعالم حضور اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے آپ کی علمی خدمات خصوصاً درس حدیث اور اس سے آپ کے خصوصی تعلق پر خوشی کا اظہار فرمایا اور عند اللہ اس کی قبولیت کی بشارت دی۔ اس خواب سے حضرت کو جہاں بے پناہ خوشی حاصل ہوئی، وہاں ساتھ ہی آپ کو اپنی وفات کا بھی اندازہ ہو گیا اور انہوں نے مرتضٰی صاحب کو ایک جماعت آگے کر دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ بیٹا ان کی زندگی میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کر لے۔ اور یہی ہوا جس سال انہوں نے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی اور اپنے والد گرامی کے دست مبارک سے دستارِ فضیلت حاصل کی اس کے آئندہ سال حضرت رحلت فرما گئے۔ دینی تعلیم کے ساتھ مرتضٰی صاحب نے اپنے شوق سے انگریزی تعلیم حاصل کرنا بھی شروع کر دی تھی لہٰذا جس سال ۷۳-۱۹۷۲ء میں انہوں نے درس نظامی کی تکمیل کی اسی سال میٹرک کا امتحان پاس کر لیا۔

حضرت کے انتقال کے وقت مرتضٰی صاحب کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا والدہ صاحبہ کا بھی ساتھ اور تعلیم بھی جاری رکھنا تھی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے ان کو دار العلوم ہی میں ''ناظم کتب خانہ'' کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ اس طرح انہوں نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور ۷۹-۱۹۷۸ء میں سندھ یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم اے کی ڈگری

حاصل کی۔ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم کے ناظم صاحب کا انتقال ہوگیا تو ان کی جگہ دارالعلوم کی نظامت کی پیش کش کی گئی۔ چونکہ ان کا دارالعلوم کے ساتھ بچپن سے ہی تعلق تھا اور ان کے بڑے بھائی عمر احمد عثمانی صاحب نے بھی اسے پسند فرمایا۔

چنانچہ انہوں نے اس ذمہ داری کو قبول کر کے دارالعلوم ہی میں مستقل قیام کا فیصلہ کرلیا۔

٦/ جون ۱۹۸۱ء کو ان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا۔ ۱۹۸۲ء میں ان کی شادی سید خلادر ضا مرحوم کی صاحبزادی رضوانہ خاتون سے ہوگئی۔ اولاد میں ایک بیٹا محمد فہد ظفر عثمانی اور ایک بیٹی مدیحہ ظفر عثمانی ہیں آپ بدستور دارالعلوم کے ساتھ وابستہ ہیں اس وقت نائب اور قائم مقام مہتمم کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ دارالعلوم ٹرسٹ کے اہم رکن بھی ہیں۔

مختلف انتظامی ذمہ داریوں اور دارالعلوم کے گوناگوں مسائل اور خرابی صحت کی بناء پر آپ درس وتدریس سے وابستہ نہ رہ سکے جس کا ان کو بے حد قلق ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ اپنے بزرگوں کی عظیم یادگار اور دینی درسگاہ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالٰہیار کو بدعنوان عناصر سے نجات دلاکر اسے صحیح رستے پر گامزن کرنا ہے۔ اللہ ان کا حامی وناصر ہو۔

انوری خاتون

مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب مرحوم کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی صاحبزادی کا نام انوری خاتون ہے۔ انکی شادی مظہر احمد صدیقی مرحوم کے صاحبزادے میاں انوار احمد صدیقی صاحب سے ہوئی جن سے الحمدللہ پانچ بیٹے محمد احمد صدیقی، مسعود احمد صدیقی، سعود احمد صدیقی، جمال احمد صدیقی اور انصار احمد صدیقی نیز چار بیٹیاں طاہرہ عرفان، سعیدہ خاتون، آمنہ خاتون، اور اطہری خاتون، ہوئیں۔ سعود احمد صدیقی کا انتقال ہو چکا ہے۔ بقیہ الحمدللہ بقیدِ حیات اور اپنے کاموں میں مشغول ہیں۔

اظہری خاتون

ان کی شادی کراچی میں مقیم شریف احمد علوی صاحب کے صاحبزادے منصور احمد علوی سے ہوئی جن سے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ ان کے صاحبزادوں میں مسرور احمد علوی، انور احمد علوی، مبین احمد علوی، معین احمد علوی، کامران احمد علوی، اور شوکت آزاد ہیں۔ مولانا ظفر احمد مرحوم کی اولاد واذکار وناثاث سے متعلق معلومات فراہم کرنے والے انور احمد علوی صاحب محترمہ اظہری خاتون کی اولاد میں ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی دو صاحبزادیاں ثریا خاتون اور غزالہ خاتون ہیں۔

شاہجہاں خاتون

سید وحید قیصر ندوی ولد سید رشید احمد منعمی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئیں ان کے صاحبزادوں میں سید عرفان قیصر مرحوم، سید خالد قیصر، سید سعید قیصر اور سید حمید قیصر ہیں۔ جب کہ آپ کی صاحبزادیاں سیدہ رفعت ہمایوں، سیدہ ثروت علوی اور سیدہ فرحت عاصم ہیں۔

علمی حیثیت

مولانا اشرف علی تھانویؒ کو مولانا ظفر احمد عثمانی کے علم و فضل پر زبردست اعتماد تھا؛ چنانچہ اہم ترین مسائل پر وہ آپ سے ہی لکھواتے۔ یہی وجہ ہے کہ احکام القرآن، اعلاء السنن، امداد الفتاوی جیسی قرآن و حدیث و فقہ پر نہایت ضخیم و عظیم کتب سے امتِ مسلمہ مستفیض ہوئی۔ علمی حلقوں نے ان کاوشوں کو ہمیشہ خراجِ عقیدت پیش کیا، مولانا کی بلند پایہ تصنیفات نے ہندوستان کے مشہور علماء و محققین کو مولانا ممدوح نیز مولانا تھانویؒ کی عقیدت سے منسلک کردیا۔ چنانچہ مشہور محقق علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ جو مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت بھی ہوئے، ان کے مولانا تھانویؒ کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ بھی مولانا ظفر صاحب ہی بنے۔ ہوا یہ کہ حیدرآباد کے مفتی عبداللطیف صاحب نے سود اور قرض کے تعلق سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ ربا (سود) صرف بیع وشراء ہی میں محقق ہوتا ہے، قرض کی صورت میں نہیں۔ یہ مسئلہ ایسا تھا کہ جس سے عام مسلمانوں کے گمراہی میں مبتلا ہونے کا خوف تھا، اس لئے مولانا تھانویؒ نے مولانا ظفر صاحب سے اس کا جواب لکھنے اور اس پر معاصر علماء کی تائید لینے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ مولانا ظفر احمد صاحب نے اس کا جواب ''کشف الدجی عن وجہ الربو'' نام سے لکھا اور اسکا ایک نسخہ سید صاحب کی خدمت میں بھی تصدیق کے لئے بھیجا، مولانا تھانویؒ سے سید سلیمان صاحب کے تعلق کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔ پھر یہ تعلق اس حد تک بڑھا کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ مولانا تھانویؒ کے حلقۂ ارادت و بیعت میں شامل ہو گئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے، (۴۴) سید صاحب مولانا ظفر صاحب کی علمی تحقیقات کو بڑی پسندیدگی اور توصیفی نظروں سے دیکھتے تھے۔ جب بھی ان کا کوئی مقالہ یا منظوم کلام معارف میں چھپنے کے لئے جاتا تو اس پر خصوصی نوٹ لگاتے جس میں ان کے ذوقِ ادب اور قدرتِ کلام کی تعریف فرماتے۔ (۴۵)

مولانا ظفر احمد صاحب کے انتقال پر نہ صرف پاکستان بلکہ برصغیر کے علمی حلقوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ اگر ایک طرف اعلاء السنن جیسی ضخیم کتاب آپ کے تبحر فی الحدیث اور اندازِ تحقیق کی داد دے رہی تھی تو دوسری طرف آپ کی عربی ادب و شاعری سے مناسبت اور عربی شاعری پر بھر پور قدرت، ادب کے متوالوں سے خراجِ تحسین وصول کر رہی تھی، تیسری طرف آپ کی سیاسی زندگی تھی جس نے پاکستان بننے میں بہت بڑا رول ادا کیا تھا۔ آپ کی سیاسی زندگی ایک مستقل باب کا متقاضی ہے، اس لئے اس پر فی الحال روشنی ڈالنی مقصود نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ مصلح بھی تھے اور رہنما بھی، ادیب بھی تھے شاعر بھی اور عالمِ دین بھی تھے محقق بھی، اسی وجہ سے آپ کے انتقال پر مختلف مکاتب فکر نے اظہارِ افسوس کیا، ہزار ہا علمائے کرام نے ان کی علمی، ادبی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا، سینکڑوں جرائد، اخبارات و رسائل میں ان کی جدائی پر اداریے تحریر کیے گئے، عربی، اردو، فارسی میں بہت سے مرثیے کہے گئے۔ (٢٦)

مختصراً ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ واقعۃً مولانا ظفر احمد عثمانی علیہ الرحمۃ علم و عمل، رشد و ہدایت، شعر و ادب خصوصاً عربی علوم پر یکساں قدرت رکھنے والے متبحر عالمِ دین تھے جن کی وفات کا غم حقیقی غم تھا۔ یہ ان کا بہت مختصر سوانحی خاکہ ہے، آگے قدرے تفصیلی گفتگو ان کے سیاسی افکار اور اس وقت کے ملکی، سیاسی حالات پر کی جائے گی، کیونکہ ان کی اس فکر نے پاکستان سازی میں اہم کردار ادا کیا تھا اور ان کی انہیں خدمات کے اعتراف کے طور پر ١٤ر اگست ١٩٤٧ء کو محمد علی جناح نے جہاں مغربی پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے پرچم کشائی کرائی وہیں مشرقی پاکستان میں اس قومی اعزاز کے لئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا انتخاب کیا اور آپ نے سورۂ فتح کی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے ڈھاکہ میں ١٤ر اگست ٤٧ء کو پہلے پاکستانی پرچم کی رسمِ پرچم کشائی انجام دی۔

(حواشی) دوسرا باب / فصل دوم

(۱) تذکرۃ الظفر / ص:۶۱
(۲) سوانح قاسمی / ۱ / ۴۹ کا حاشیہ
(۳/۴) سوانح قاسمی / ۱ / ۶۸
(۵) اشرف السوانح / خواجہ عزیز حسن مجذوب / مطبوعہ لاہور ۱۳۷۸ھ / ۱ / ۳۴
(۶) تذکرۃ الظفر ص / ۶۲
(۷) تذکرۃ الظفر ص / ۶۵
(۸/۹) علمائے مظاہر علوم سہارن پور اور ان کی تصنیفی وتالیفی خدمات / سید محمد شاہد / اشاعت العلوم سہارن پور / ۱۹۸۳ء ۱۴۰۳ھ / ۲ / ۱۵۸
(۱۰) روداد مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور ۱۹۱۱ء ۱۳۲۸ھ / مطبع قاسمی دیوبند / ناشر مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور / ص:۱۴
(۱۱) علمائے مظاہر علوم اور ان کی تصنیفی وتالیفی خدمات / ۲ / ۱۵۸
(۱۲) تاریخ مظاہر علوم سہارن پور / ص:۲۴۷
(۱۳) علمائے مظاہر / ۲ / ۱۵۸
(۱۴) شیخ عبدالفتاح ابوغدہ / بدر الحسن القاسمی کا مضمون / ترجمان دارالعلوم دیوبند / مئی ۹۷ء ص:۴
(۱۵) علمائے مظاہر / ۲ / ۱۵۹
(۱۶/۱۷) تذکرۃ الظفر / ص:۱۴۱
(۱۸) تذکرۃ الظفر / ص:۷۵
(۱۹) تذکرۃ الظفر / ص:۲۲۱
(۲۰) تذکرۃ الظفر / ص:۴۴۸
(۲۱) تذکرۃ الظفر / ص:۴۵
(۲۲) تذکرۃ الظفر / ص:۱۳۷ـ۱۳۸
(۲۳) یہ حصہ پی، ایچ، ڈی مقالہ میں شامل نہیں ہے، کیوں کہ اس وقت کوشش کے باوجود مولانا کے متعلقین سے رابطہ قائم نہیں ہوسکا تھا، اب جب یہ تحقیق کتابی شکل میں منظر آنے لگی تو مولانا کے صاحبزادے مولانا مرتضیٰ صاحب (ٹنڈو الہیار حیدآباد) سے رابطہ ہوا انہوں نے بے حد اصرار پر اپنے بھانجے یعنی مولانا ظفر احمد

صاحب کے نواسے انور احمد علوی صاحب سے کچھ خاندانی معلومات ترتیب دلا کر راقم کو بھجوائیں جن کی روشنی میں یہ حصہ مولانا مرتضیٰ عثانی اور انور احمد علوی صاحبان کے شکریہ کے ساتھ اپنے الفاظ میں تحریر کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

(۲۴) بزم اشرف کے چراغ / پروفیسر احمد سعید / مصباح اکیڈمی لاہور / اگست ۱۹۹۲ء / ص: ۷۷ تا ۸۱

(۲۵) ملاحظہ ہوں معارف (اعظم گڑھ) کے وہ شمارے جن میں مولنا کے مقالات وغیرہ شائع ہوئے ہیں مولنا نے اپنی اہلیہ کی وفات پر عربی میں جو مرثیہ کہا ہے وہ معارف میں شائع ہوا اس میں بھی خصوصی نوٹ درج ہے۔ دیکھئے معارف، اعظم گڑھ / اپریل ۵۱ء / ۶۷ / ۴ / ۴

(۲۶) تفصیلات تذکرۃ الظفر میں ص: ۴۵۶ تا ص: ۵۲۸ دیکھی جا سکتی ہیں۔
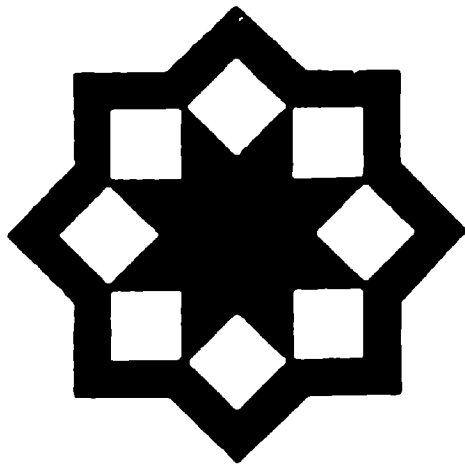
تیسرا باب

☆ سیاسی زندگی

☆ اسباب وعوامل

تمھید:

''سیاست'' ایک ایسا میدان ہے جہاں، سچ، جھوٹ، اپنے، پرائے، اچھے، برے کی تمیز نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے خداترس، دین دار طبقے نے عموماً اس میدان سے دور رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔ لیکن جب بھی کوئی گزند آن پڑی اور اس ''کوچۂ جاناں'' میں جائے بغیر ''جائے اماں'' نہ ملی تو طوعاً و کرھاً علمائے کرام نے اس میدان کے خارزاروں کو عبور کیا۔ لیکن علمائے کرام نے کسی بھی دن ان مخرب اخلاق حرکتوں کو گلے نہیں لگایا جنہیں آج سیاست کی ضرورت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس بناء پر جب بھی ایسے علماء کا تذکرہ آتا ہے جو اپنی علمی شہرتوں کی بلندیوں پر ہیں تو ان سے نئی نسل یہ توقعات وابستہ نہیں کرتی کہ وہ بھی اس دلدل میں کبھی پھنسے ہوں گے۔ اللہ کے ان نیک بندوں کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ تھا، ان کی کوششیں اخلاص و نیک نیتی پر مشتمل تھیں۔ ان حضرات کے تقدس کو پامال کرنے کیلئے جن حضرات نے ایسے سادہ لوح مذہب پسندوں کا استحصال کیا اس کا گناہ وثواب انہیں کی گردنوں پر رہے گا، مخلص علمائے کرام کو ان کی کوششوں کا اجر ان شاء اللہ ضرور ملے گا۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا سیاست کے مودہ اصطلاحی معنوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو ایک سادہ لوح، سچے اور مخلص عالمِ دین تھے۔ درس وتدریس ان کا محبوب مشغلہ اور تصنیف و تالیف ان کا پسندیدہ موضوع تھا۔ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اس وقت مسلمانوں کی سچی خدمت اور تعلق مع اللہ کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی میدانِ سیاست میں صحیح راہ نمائی کی جائے تو انہوں نے وقتی تقاضوں کے تحت اس میدان میں قدم رکھا، اب یہ ان کے اخلاص اور مسلمانوں کے تئیں ان کی سچی محبت اور دلی تڑپ کا اثر تھا کہ ان کی آواز ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچ گئی اور ان کی آواز پر لبیک کہنے والوں کا جمِ غفیر ہو گیا۔ جس نے انہیں ان مقاصد میں کامیابی سے ہم کنار کرایا جن کے لئے انہوں نے اپنا سب کچھ تج دیا تھا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مختصراً اس پسِ منظر کا جائزہ لیں جس کی وجہ سے ایک ایسے عالمِ دین کو سیاست کے گلیاروں میں داخل ہونا پڑا کہ جس نے کبھی اس کا تصور بھی نہ کیا ہو گا۔

فصل اوّل:

اسباب وعوامل

۱۷۰۷ء (عالم گیر کی وفات) کے بعد ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام سے دور اندیش، صاحبِ فکر ونظر، صائب الرائے مسلم دانشور وعلمائے کرام مستقبل کے اس بھیانک منظر کا مشاہدہ تصوراتی آنکھوں سے کر رہے تھے کہ جب ان کے لئے وطنِ عزیز، وطنِ غیر کی مانند ہو جائے گا یہ خطرات روز افزوں ہوتے جا رہے تھے۔ وہ اس روح فرسا منظر کو بھی بغور دیکھ رہے تھے کہ جب اس ملک پر سینکڑوں سال حکمرانی کرنے والے مسلمان محکوم و بے بس ہو جائیں گے، اور ان کی تہذیب وثقافت اور مذہبی شناخت بھی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اگرچہ اس وقت یہ صرف خدشات تھے جو بظاہر کسی خطرہ کی علامت نہیں تھے لیکن ان کی دوررس نظروں کی سچائی آنے والے سو سالوں میں کافی حد تک سچ ثابت ہوگئی۔ انگریزوں کی دبے پیروں آمد نے ہندوستانی مسلمانوں اور مذہبِ اسلام کے سامنے اتنے مسائل کھڑے کر دیے تھے کہ جن کا تصور بھی محال ہے۔ مسلمانوں کیلئے ان کے ہی ملک میں مشکلات کا انبار تھا۔ ایک طرف انگریز مسلمانوں کا تشخص اور وجود مٹانے کے درپے تھے تو دوسری طرف سکھ اور مرہٹے ان کے لئے ازلی دشمن ثابت ہو رہے تھے۔ ہر چہار طرف کے حملوں اور آپسی اختلافات واندرونی انتشار کے باعث مسلمان ہر میدان میں پسپا ہوتے جا رہے تھے۔

انگریزوں کے اس طرح ملک پر مسلط ہو جانے اور ہندوستانیوں کے ان کے دستِ نگر ہو جانے کا جو قلق اور افسوس تمام محبِ وطن افراد کو تھا وہ تو اپنی جگہ۔ سب سے بڑا مسئلہ مسلمانوں کے سامنے ان کے اپنے تشخص کی حفاظت اور اپنے وجود کی بقاء کا تھا، کیونکہ عیسائیت نے ہندوستان میں اپنے دست وبازو پھیلانے شروع کر دیے تھے اور وہ اپنی راہ میں اسلام کو سب سے بڑا رکاوٹ تصور کرتی تھی، اسی لئے انگریزوں کی شروع سے یہ کوشش رہی کہ کسی بھی طرح مسلمانوں کو اپنی گرفت میں لے لیا جائے، اور اسلام پر قد

غن لگادی جائے، تا کہ عیسائیت فروغ پاسکے۔ علماء دین وحق نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے انگریزوں سے فکری و عملی جنگ چھیڑ دی، اور شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ سے لے کر مولانا ظفر احمد عثمانی تک ہر ایک نے انگریزوں کے خلاف جہاد اپنا مقصدِ حیات اور ان کے پنجۂ استبداد سے نکلنا اپنا مشن بنالیا۔ اس کے لئے طویل ترین جنگیں بھی لڑنی پڑیں، جس کی وجہ سے مختلف تحریکیں وجود میں آئیں، انہیں تحریکوں کی بدولت آج ہم آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں۔

تحریکِ دیوبند:

انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہندوستان میں جو تحریکیں منظر عام پر آئیں ان میں ایک تحریک ''تحریک دیوبند'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ یہ تحریک بظاہر تو ایک خاموش علمی تحریک تھی جو ایک مدرسہ کی چار دیواری اور چند نیک نفوس علماء اور کچھ مقدس و پاکیزہ روح طلباء پر مشتمل تھی، لیکن اس تحریک نے ہندوستان کو آزادی سے ہم کنار کرانے میں وہ کردار ادا کیا کہ جس کا اعتراف ہر مکتب فکر کو ہے۔

انگریزوں کے ظلم واستبداد کے مزاج اور قدیم اسلام دشمنی کے سبب تحریکِ دیوبند کے علماء کرام، ان کی آمد سے نہ صرف یہ کہ تشویش میں مبتلا تھے، بلکہ ان سے چھٹکارا پانے کی عملی تدابیر بھی انجام دے رہے تھے۔ دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتویؒ کا جہادِ شاملی میں بذاتِ خود حصہ لینا[۱] ان کے شاگرد مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کا ریشمی رومال تحریک چلانا[۲] مولانا عبید اللہ سندھی کا کابل میں جلاوطن حکومت قائم کرنا[۳] اور مولانا حسین احمد مدنی کے انڈین نیشنل کانگریس سے وابستہ ہونے کو[۴] انہیں تدابیر کا حصہ کہہ سکتے ہیں۔

اس نظریۂ آزادی کو علمائے دیوبند، صرف ایک مکتبِ فکر تک ہی محدود رکھنا نہیں چاہتے تھے، بلکہ وہ مسلمانوں کے ایسے متحدہ پلیٹ فارم کی ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ جس میں مسلمانوں کے سبھی طبقوں کے علماء کی نمائندگی ہو اور آزادی کی مشترکہ جد وجہد ہو، چناں چہ اس کے نتیجہ میں ہی نومبر ۱۹۱۹ء میں دہلی میں جمعیۃ علمائے ہند کا قیام عمل میں آیا۔[۵]

جمعیۃ علمائے ہند حصولِ آزادی کے سلسلہ میں کانگریسی نظریات سے قریب تر تھی۔ وہ اس مشن میں سبھی برادرانِ وطن کو ساتھ لے کر چلنے پر یقین رکھتی تھی۔ اگرچہ انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ہندوستان کے آزادی پسند عوام کے اس طبقہ کے ذریعہ رکھی گئی تھی جو انگریز حکومت سے شہری مراعات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے روحِ رواں فادر ہیوم اور اس کے پہلے صدر ڈبلیو سی بنرجی تھے۔ اس کی بنیاد دسمبر ۱۸۸۵ء میں پڑی۔ (٦)

انڈین نیشنل کانگریس سے جمعیۃ علمائے ہند کی قربت اور اس میں علمائے دیوبند کی شمولیت کو ملتِ اسلامیۂ ہند کا ایک طبقہ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف سمجھتا تھا۔ کیونکہ وہ نظریاتی طور پر کانگریس کو ہندو نواز جماعت تصور کرتا تھا۔ یہ طبقہ دیوبند کی علمی تحریک کے متوازی چلنے والی علی گڑھ کی علمی تحریک سے وابستہ جوانوں کی اکثریت پر مشتمل تھا۔

تحریکِ علی گڑھ:

علی گڑھ تحریک کے نواب وقار الملک کی سرکردگی میں ۱۹۰۱ء میں لکھنؤ میں مسلمانوں کی ایک سیاسی انجمن قائم ہوئی، جس کا اہم مقصد مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہونے سے روکنا تھا (۷) یہی تحریک آگے چل کر مسلم لیگ کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی، جس کا سنگِ بنیاد ڈھاکہ میں ۱۹۰٦ء میں رکھا گیا جس کے پہلے صدر آغا خان ہوئے (۸) مسلم لیگ خود مختاری حاصل کرنا چاہتی تھی، لیکن بایں طور کہ اس میں مسلمانوں کے سیاسی اور مذہبی حقوق کا تحفظ ہوسکتا ہو۔ جب کہ کانگریس مسلمانوں کے الگ حقوق کی بات کو فرقہ وارانہ اتحاد کے مخالف اور علیحدگی تصور کرتی تھی (۹) (یہ اختلاف ابتداء میں بہت چھوٹا تصور کیا جاتا تھا، لیکن آگے چل کر یہی سیلِ رواں کی شکل اختیار کرگیا)۔

علاوہ ازیں مسلمانوں کی مختلف تنظیمیں جن میں سے بیشتر کی قیادت علماء کے ہاتھوں میں ہی رہی، وقتاً فوقتاً مختلف عوارض کی بنا پر وجود میں آتی رہیں، ان میں ثمرۃ التربیت (۱۸۷۸ء) جمعیۃ الانصار (۱۹۰۹ء) نظارۃ المعارف (۱۹۱۳ء) اور تحریک خلافت (۱۹۱۲ء) مشہور ہوئیں۔ مؤخر الذکر تنظیم نے مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کو آزاد کرانے کے لئے ہندوستان سے تحریک چلائی۔

آزادی کا مطالبہ کرنے والی مسلم تحریکوں، خصوصاً علماء سے متعلق یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کے اپنے پلیٹ فارم سے جو تنظیمیں چلائی جارہی تھیں وہ کسی نہ کسی طرح انڈین نیشنل کانگریس کی ہم نوائی کررہی تھیں۔ اور انڈین نیشنل کانگریس بنیادی طور پر ہندوؤں کی ایک جماعت تھی اگرچہ اس میں مسلمان تھے لیکن وہ اتنی قلیل مقدار میں تھے کہ جن کی موجودگی مسلمانوں کے حقوق کی خاطر خواہ حفاظت میں کوئی اہم رول ادا کرنے والی نہیں تھی۔ دوسری بات یہ کہ ۱۸۵۷ء کے تلخ ترین تجربات مسلمانوں کے ذہن سے محو نہیں ہوئے تھے، جب کہ انگریزوں کے خلاف چلائی جانے والی تحریک آزادی میں لاکھوں مسلمان شہید ہوئے تھے اور اکثر برادرانِ وطن نے وہ ذمہ داریاں پوری نہیں کی تھیں جن کی ان سے توقعات کی جارہی تھیں۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو معاشرتی، معیشتی، تعلیمی و تہذیبی سطح پر زبردست نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ انڈین نیشنل کانگریس اپنی بنیادی فکر کے اعتبار سے انگریز مخالف جماعت نہیں تھی (بلکہ حالات کے تقاضوں کے مطابق اسے انگریزوں سے مخالفت مول لینی پڑی تھی) اسی وجہ سے دور اندیش، صاحبِ فکر وبصیرت مسلم دانشور و علماء اس پر ایک لمحہ کے لئے بھی اعتماد کرنے کو تیار نہیں تھے۔ دوسری جانب مسلم لیگ معرضِ وجود میں آئی تو اگرچہ اس نے اپنا نصب العین مسلمانوں کے مذہبی وسماجی حقوق کا تحفظ بتلایا لیکن اس میں جس طبقۂ فکر کی نمائندگی تھی اس سے بھی اصحاب الرائے کوئی خاص امیدیں نہیں باندھتے تھے، کیوں کہ عوام الناس میں یہ طبقہ سرسید احمد خاں کی فکر سے متاثر مشہور تھا۔ جو انگریزوں کے وفادار تصور کئے جاتے تھے اس کے باوجود یہ حقیقت تھی کہ سرسید احمد خاں مسلمانوں کو کانگریس میں شریک ہونے سے اسلئے روک رہے تھے کہ "کانگریس بغیر کسی شرط کے برطانوی حکومت پر مکمل اعتبار واعتماد کا اظہار کررہی تھی"[10] علاوہ ازیں وہ کانگریس کی تنظیم وتشکیل اور کردار وانداز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے، اسکی بڑی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ "کانگریس خالصۃً ہندو ادارہ تھی جس میں ہندو، علم وشعور اور دولت وثروت کیوجہ سے حاوی تھے اور وہ کانگریس کے ذریعہ اپنے مطالبات پیش کراسکتے تھے کانگریس کا منشا یہ تھا کہ اعلیٰ ملازمتوں میں ہندوستانیوں کے

حصے میں اضافہ کیا جائے۔ ہندوستان کی انتظامیہ کے سلسلے میں اعلیٰ عہدوں پر تقرر ہندوستانیوں کا ہو، مگر کانگریس کے نزدیک ہندوستانی سے مراد "ہندو" تھی [۱۱] اسی وجہ سے سرسید نے مسلمانوں میں تعلیمی شعور بیدار کرنیکی مہم چلائی تاکہ مسلمان اس ملک میں عزت وافتخار کیساتھ زندہ رہ سکیں۔

انڈین نیشنل کانفرنس:

کانگریس نے اس موقع پر سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلانے کے لئے "ہندوستانی ---ایک قوم" کا خوشنما پُر فریب نعرہ دیا لیکن سرسید جیسے عظیم مفکر نے اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے اس خیال کے خلاف بڑا جہاد کیا اور آپ نے کہا کہ کانگریس کی تجویزیں ناقابلِ عمل ہیں، کیونکہ یہاں دو قومیں آباد ہیں "ہندو اور مسلمان"، اسی وجہ سے سرسید نے کانگریس کی حمایت کو مسلمانوں کے خاتمہ کے مترادف قرار دیا، [۱۲] لیکن مسلمانوں کا دوسرا طبقہ جس میں بہت سے علمائے دین بھی شامل تھے سرسید علیہ الرحمۃ کے ان خیالات سے متفق نہیں تھا اور وہ کانگریس سے نہ صرف یہ کہ امیدیں لگائے ہوئے تھا بلکہ پوری طرح جانتا تھا کہ آزادی حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ "قتل وقتال اور تشدد سے بچتے ہوئے امن وامان کیساتھ ہندو مسلم متحد ہوکر خاموش تحریک چلائیں" یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کانگریس کی ہمنوا نظر آنے لگی۔ کانگریس کے پہلے اجلاس کے بعد مسلمانوں نے کانگریس میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ پہلے اجلاس میں کل تعداد ممبران ۸۷ تھی جو ۱۸۸۶ء میں ۴۳۶ ہوگئی جس میں ۳۳ مسلمان تھے۔ ۱۸۸۷ء میں تیسرا اجلاس مدراس میں بدرالدین طیب جی کی زیرِ صدارت منعقد ہوا جس نے اور مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کیا جس میں کل ممبر ۶۰۴ اور مسلمان ۸۳ تھے۔ [۱۳]

ان کانگریسی مسلمانوں کی اکثریت سرسید علیہ الرحمۃ کی تحریک کو انگریزوں کی حامی تصور کرتی تھی، کیونکہ انکے خیال کے مطابق اسکے پسِ پشت علی گڑھ کالج کے پرنسپل مسٹر بیک کے توسط سے انگریز حکمران محب وطن افراد کے خلاف سرسید کے ذریعہ اشتعال پھیلانا چاہ رہے تھے، جسکی وجہ سے انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کی بنیاد پڑی۔ انڈین

پیٹریاٹک ایسوسی ایشن مسلمانوں کو کانگریس سے دور رہنے کا مشورہ بلکہ کانگریس میں شرکت حرام قرار دیے جانے کا فتوئ دلا رہی تھی تو دوسری جانب مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمود الحسن کانگریس کی شرکت کی حمایت اور انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کی ممانعت میں فتوے دے رہے تھے۔ (۱۴) اس سلسلہ میں پیش پیش علمائے لدھیانہ مولانا محمد صاحب اور انکے دو بھائی مولانا عبدالعزیز صاحب اور مولانا عبداللہ صاحبؒ تھے انہوں نے اطراف وجوانب ہندوستان سے فتوے منگائے، اوران سکوایک رسالہ ''نصرۃ الابرار'' میں جمع کیا، اس رسالہ میں تقریباً سو علمائے ہند کے فتاوے نقل کیے گئے۔ (۱۵)

فتوے بازی کی اس گھٹیا سیاست سے اپنے کو بے پرواہ ثابت کرتے ہوئے سرسیدؒ نے اپنے مشن سے یک سرِ موانحراف نہیں کیا اور اپنا تعلیمی مشن جاری رکھا۔ سرسید کے دل میں مسلمانوں کی ترقی کی لگن تھی، اس لئے انہوں نے ان باتوں کا اثر نہیں لیا۔ وہ مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا ذمہ دار مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں کو سمجھتے تھے، اسی لئے انہوں نے علماء سے ٹکر لی۔ مگر اسی کے ساتھ علماء پر جب غیروں کے حملے ہوئے تو سرسید ان کیلئے سینہ سپر ہو گئے۔ (۱۶) یہ تو سرسید کی اپنی بات تھی، لیکن ان کے مخالفین انہیں تعلیمی نظریہ کی آڑ میں انگریزی تہذیب وثقافت کا علمبردار مانتے تھے، اس لئے ہر اس نظریہ کی مخالفت کرنا ''جزو ایمان'' سمجھتے تھے جن کو وہ اپناتے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ اسی وجہ سے انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن اور ''محمڈن اینگلواورینٹل ایسوسی ایشن'' کومسلمانوں کے لئے زہریلے اثرات مان رہے تھے۔ اُن کا ماننا تھا کہ ''مسلمان سیاسیات میں ہندوؤں سے بہت پیچھے رہ گئے۔ جس کا (۱۷) احساس مسلمانوں کو بہت بعد میں ہوا، المختصر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ وجود میں آ گئی جسے سرسید علیہ الرحمۃ کے خیالات کا ہمنوا کہا جا رہا تھا۔

مسلم لیگ:

مسلم لیگ کے قیام سے مسلمانوں میں بیداری کی کچھ جھلک نظر آنے لگی تھی۔ سیاسی پستی اور دشمنوں کے مظالم نے ان کو کافی سبق سکھا دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تعلیم جدید کا نسخہ مردہ لاش میں رفتہ رفتہ زندگی پیدا کر رہا ہے۔ (۱۸) بقول اے، بی، راجپوت

''مسلم لیگ کا قیام ایک اہم حقیقت تھا جس نے یہ بلا شک وشبہ ثابت کیا کہ ہندوستان میں صرف ایک قوم ہی آباد نہیں ہے، اور نہ ہی ہندو اور مسلمان کو ایک قوم میں ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے۔ یہ دو مختلف دھارے تھے جنہیں ایک اکائی میں متحد کرنا ممکن نہیں تھا''۔ (۱۹)

لیکن دسمبر ۱۹۱۲ء میں مسلم لیگ نے اپنے اغراض و مقاصد میں تبدیلی پیدا کی۔ اب اس کے اغراض و مقاصد میں حصول حکومت خود مختاری شامل ہوگیا۔ ۱۹۰۶ء میں کانگریس نے اپنے کانسٹی ٹیوشن میں جو تبدیلیاں کی تھیں قریب قریب وہی تبدیلیاں ۱۹۱۲ء میں مسلم لیگ بھی لے آئی، (۲۰) اور اس طریقہ پر کانگریس اور مسلم لیگ میں کچھ چیزیں ایسی مشترک ہوگئیں جن پر دونوں کا اتحاد ممکن تھا۔ چنانچہ ۳۰/۳۱ دسمبر ۱۹۱۵ء اور یکم جنوری ۱۹۱۶ء کو مسلم لیگ کا آٹھواں اجلاس اس لحاظ سے تاریخی اور غیر معمولی نوعیت کا حامل تھا کہ اس میں نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے اکابر ایک جگہ جمع ہوئے، ہندوؤں اور مسلمانوں نے اپنے اختلافات بھلا دئے اور اس محبت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک عمل کیا کہ دشمنوں کے دل دہلنے لگے۔ (۲۱)

اسی اجلاس میں محمد علی جناح نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ ہندوستان کی دو بڑی سیاسی جماعتیں مسلم لیگ اور کانگریس خاص طور سے کوئی خاص اسکیم تیار کریں جس میں مسلمانوں کے مفاد اور ضروریات کے تحفظ کا خاص طور پر خیال رکھا جائے، (۲۲) اس اجلاس میں کانگریس کے جن رہنماؤں نے شرکت کی انمیں صدر کانگریس ایس، پی سنہا صاحب کے علاوہ سریندر ناتھ بنرجی، مسز اینی بیسنٹ، پنڈت مدن موہن مالویہ، سروجنی نائیڈو اور مہاتما گاندھی جیسی قابل ذکر شخصیات بھی شامل تھیں۔ (۲۳) اس کے بعد کانگریس اور لیگ کے اجلاس ایک ساتھ ہوتے رہے۔ دسمبر ۱۹۲۱ء میں احمد آباد میں کانگریس کا اجلاس حکیم اجمل صاحب کی زیرِ صدارت منعقد ہوا، جس میں کانگریس نے سول نافرمانی کا ریزولیوشن پاس کیا اور مہاتما گاندھی کو اس کا قائد مقرر کیا، اسی مقام پر مسلم لیگ کا اجلاس مولانا حسرت موہانیؒ کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں اراکین مسلم لیگ کے علاوہ کانگریس کے مہاتما گاندھی، مسٹر پٹیل، حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر

انصاری وغیرہ بھی شریک تھے، جس میں مولانا حسرت موہانی نے اپنے خطبۂ صدارت میں اول سوراج حاصل کرنے اور پھر مسلمانوں کے حقوق کی طرف توجہ کرنے کا مشورہ دیا، جس کے لئے مسلم لیگ تیار نہیں تھی، (۲۴) اس طریقہ پر سول نافرمانی کے معاملہ پر کانگریس اور لیگ کا گذشتہ سات آٹھ سالہ اتحاد ٹوٹ گیا اور اسی وجہ سے ۱۹۲۲ء میں اس کا کوئی اجلاس نہیں ہوسکا۔ ۱۹۲۳ء کے بعد کے اجلاس میں مسلم لیگ نے کانگریس، خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء سے اپنے کو الگ کرلیا۔ ۱۹۲۳ء کا اجلاس مسٹر غلام محمد بھرگری کی صدارت میں لکھنؤ میں ہوا۔ جو بے جان رہا، اس کے بعد لیگ کے چار اجلاس مئی ۲۴ء میں لاہور محمد علی جناح کی صدارت میں دسمبر ۲۴ء لاہور میں ہی سید رضا علی کی صدارت میں دسمبر ۲۵ء میں علی گڑھ اجلاس سر عبدالرحیم کی صدارت میں اور دسمبر ۲۶ء میں دہلی اجلاس سر عبدالقادر کی صدارت میں منعقد ہوئے جو بے جان سے ہی رہے۔ (۲۵)

۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن کے تقرر کا اعلان ہوا جو ہندوستان میں جدید اصلاحات دیئے جانے کی تحقیقات کے لئے آرہا تھا لیکن چونکہ اس کے تمام ممبران انگریز تھے، جس کی وجہ سے ہندوستانیوں میں عام ناراضگی کی لہر پیدا ہوگئی۔ دسمبر ۲۷ء میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی صدارت میں کانگریس کا اجلاس منعقد ہوا جس میں سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کی تجویز پاس ہوئی، اسی طرح پشاور میں جمعیۃ العلماء نے اور کلکتہ میں خلافت کانفرنس نے نیز مسلم لیگ نے اجلاسِ کلکتہ میں سائمن کمیشن بائیکاٹ کی تجاویز پاس کیں۔ ادھر مخلوط انتخابات اور جداگانہ انتخابات کے تنازعہ نے شدت اختیار کرلی تھی، مسلم لیگ ایک دفعہ پھر کانگریس کے ساتھ آئین بنانے پر اس شرط پر راضی ہوگئی کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ہو اور سندھ علیحدہ کیا جائے تو مخلوط انتخابات کا اجراء منظور کیا جاسکتا ہے۔ (۲۶) ادھر مسلم لیگ اور کانگریس میں پینگیں بڑھنے کے آثار رونما ہو رہے تھے، اور دوسری طرف فرقہ پرست حضرات ایک دوسرے سے بیزاری ونفرت کا اظہار کررہے تھے۔ فرقہ وارانہ فسادات ملک کے مختلف حصوں میں رونما ہوچکے تھے۔ اب مسلمانوں کو اپنے ہی وطن میں اپنے اجنبی ہونے کا احساس ہونے لگا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا،

جس کی صدارت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ فرما رہے تھے۔ اس اجلاس میں علامہ اقبال نے اپنے خطبۂ صدارت میں ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا خیال پیش کیا، (۲۷) یہ اپنی نوعیت کا اپنے ظاہر کے اعتبار سے پاکستان سے متعلق پہلا خیال تھا۔ اسی خیال کی بنیاد پر ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں ملی نصب العین کے طور پر ایک قرارداد کے ذریعہ باقاعدہ پاکستان کے قیام کا مطالبہ کیا گیا۔ (۲۸)

۲۹ء میں مسلم لیگ کے بیسویں اجلاس کے موقع پر مسلم لیگ انتشار کا شکار ہو گئی تھی۔ سر محمد یعقوب و علی برادران نے دہلی کانفرنس کے چند لیڈروں کیساتھ حکیم اجمل خاں مرحوم کی قیام گاہ پر ایک علیحدہ کانفرنس منعقد کی۔ (۲۹) محمد علی جناح لیگ سے دل برداشتہ ہو چکے تھے اور لندن چلے گئے تھے، اسی وجہ سے ۳۰ء کے اجلاس کی صدارت علامہ اقبال نے کی، اس کے بعد کے لیگ کے اجلاس بے جان رہے۔

۳۶ء میں ہندوستانی مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے احباب کے تقاضوں پر مسٹر جناح ہندوستان بلائے گئے، جنہوں نے اس میں ایک جان پیدا کر دی، فی الحقیقت یہی اجلاس لیگ کی زندگی میں ایک انقلاب تھا۔ (۳۰)

جون ۳۶ء میں مسلم لیگ کی تجویز کے مطابق مرکزی پارلیامنٹری بورڈ قائم ہوا اور صرف چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں ہونے والے انتخابات کے نتائج ان صوبوں میں جہاں جہاں لیگ پارلیامنٹری بورڈ قائم کی گئی تھی، ساٹھ سے ستر فی صد تک نتائج مسلم لیگ کے حق میں رہے، جس میں علمائے کرام خصوصاً مولانا اشرف علی تھانوی کے عقیدتمندوں و ارادتمندوں کی محنت کا بہت بڑا دخل تھا علمائے کرام کے اس طبقہ کی جدوجہد اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت میں متحد کر کے عام مسلمانوں کو لیگ کی طرف راغب کرنے کیلئے ان کی جان توڑ محنتوں اور کاوشوں نے تخلیقِ پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا نظریہ:

مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا اشرف علی تھانوی کے نہ صرف یہ کہ شاگرد تھے بلکہ معتمد ترین اور قابلِ ذکر جانشین بھی تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الہند مولانا محمود

الحسنؒ کے قابل فخر شاگردوں میں سے تھے، باوجود شیخ الہند سے انتہائی عقیدت ومحبت و تعلق کے وہ اپنے استاد کی سیاسی تحریک سے تو مطمئن تھے لیکن اس سیاسی تحریک کے جو دوررس اثرات مرتب ہورہے تھے اور انگریزوں کو نکالنے کے لئے اس تحریک نے جس طریقہ پر کانگریس کیساتھ پینگیں بڑھائی تھیں اس سے انہیں مسلسل تشویش لاحق تھی۔ چونکہ بنیادی طور پر ان کا میدان سیاسی نہیں تھا اس لئے اس کا اظہار بھی نہیں کر پاتے تھے۔ لیکن کچھ واقعات ایسے رونما ہوئے کہ جن کی وجہ سے انہیں اظہار حق کی خاطر اس میدان کو عبور کرنا اور اس میں شریعت کے مطابق رہنمائی کرنا ناگزیر ہوگیا، اس کے لئے انہوں نے مولانا ظفر احمد عثمانی کو اپنا نمائندہ یا ترجمان کی حیثیت سے عام مسلمانوں کو شریعت اسلامیہ کی روشنی میں صحیح راستہ دکھانے کے لئے منتخب کیا۔ اس سے قبل انہیں خیالات کا اظہار سرسید احمد خاںؒ کر چکے تھے، لیکن وہ چونکہ عام مسلمانوں کی نظر میں اپنے کچھ متنازعہ مذہبی نظریات کے باعث اتنے مقبول نہیں تھے اس لئے ان کے یہ خیالات ایک مخصوص جماعت تک محدود رہے۔

حقیقت ہے کہ مولانا ظفر احمد نہایت مخلص سچے محبّ اسلام رموزِ سیاست سے ناواقف، علمی موشگافیوں میں مصروف اور خانقاہی مزاج رکھنے والی گوشہ نشین شخصیت کے مالک تھے۔ لیکن جب انہوں نے حالات کا مطالعہ کیا اور پانی کو سر سے اونچا ہوتا ہوا دیکھا تو انہوں نے اپنے لئے ضروری سمجھا کہ وہ مسلمانوں کے ملی تشخص، مذہبی حقوق کے تحفظ اور ان کی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے پیشِ نظر گوشہ نشینی کی زندگی سے باہر نکال کر قائدین ملت کی صحیح سمت میں رہنمائی کریں۔ تاکہ ہندوستانی مسلمانوں کے تشخص کو تحفظ حاصل ہو۔ اور پھر جب بات تقسیم وطن کی چلی تو وہ پاکستان بنوانے کے لئے اس قدر شدت اختیار کر گئے کہ اپنے قدم واپس نہیں لا سکے۔

دراصل مولانا ظفر احمد صاحب جس شخصیت کی سیاسی نمائندگی کے لئے میدانِ سیاست میں تشریف لائے تھے ان کے یہاں اخلاص، اور شرعی حدود کی قیود لازمی اشیاء تھیں۔ وہ جس چیز کو خلافِ شریعت دیکھتے تھے اس پر برملا ٹوکنا یا اس کی مخالفت کرنا

ضروری سمجھتے تھے۔ دنیا والے خواہ اسے بھلا سمجھیں یا برا، انہیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی ۔مثلاً ہندوستان میں تحریکِ خلافت چلی، جس کا مقصد مقاماتِ مقدسہ کی بحالی تھا۔ تمام ہندوستان کا مسلمان اس تحریک کا زبردست حامی، لیکن مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کے مخالفین میں شمار کیے جاتے تھے (۳۱) اس کی وجہ یہی تھی کہ اس تحریک کا مقصد بظاہر بھلے ہی مقاماتِ مقدسہ کی بحالی اور خلیفۃ المسلمین کی ملی حمایت ہو لیکن درحقیقت یہ تحریک انڈین نیشنل کانگریس کے اشاروں پر چلائی جارہی تھی۔ جس کی وجہ سے مہاتما گاندھی بھی اس تحریک میں پیش پیش تھے اور وہ اس کی قیادت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ مقاصد کی اس دوغلی پالیسی نے مولانا تھانویؒ کو تحریک خلافت کی مخالفت پر مجبور کیا لیکن اس کے باوجود وہ مولانا محمد علیؒ کو مسلمانوں کا مخلص مانتے تھے۔ چنانچہ مولانا محمد علی کے انتقال کے بعد مولانا عبدالماجد صاحب کے خط کے جواب میں مولانا تھانویؒ نے جو تعزیتی الفاظ تحریر کیے، ان میں مولانا محمد علی کی اس صفت کو سب سے ممتاز قرار دیا کہ وہ مسلمانوں سے بے غرض محبت رکھتے تھے (۳۲) یہ تھی مولانا اشرف علی تھانوی کی حق گوئی و سیاسی بصیرت۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ شروع شروع میں سیاسی لحاظ سے حضرت تھانویؒ کے ہم خیال نہ تھے، بلکہ کانگریس کی حامی جماعت خلافت کمیٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے باوجود وہ مولانا تھانویؒ کی تحریکِ خلافت کی مخالفت کا یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ ''حضرت کو حکومت وقت سے جو مخالفت تھی وہ اس کے کافرانہ ہونے کی بنا پر تھی نہ کہ اس کے بدیسی یا غیر ملکی ہونے کی بنا پر''۔ (۳۳) تحریکِ خلافت کے طریق کار سے مولانا تھانویؒ کا اختلاف اصولی تھا، وہ ہندوؤں کی عددی اکثریت اور ان کے قائدین کی معاندانہ ذہنیت کی وجہ سے اس تحریک کو ہندوؤں کیساتھ مل کر چلانا پسند نہیں کرتے تھے۔ (۳۴)

یہ نکتہ چونکہ مرکزی نوعیت کا حامل ہے اور آگے کی تمام تر گفتگو یعنی مولانا تھانوی اور ان کے رفقاء کی مسلم لیگ کی حمایت میں اہم مقام رکھتا ہے اس لئے اس پر تفصیلی گفتگو ضروری ہے۔

مولانا تھانوی کا نظریۂ پاکستان تمام تر دینی تھا وہ عین اسلامی حکومت کے خواستگار

تھے، اسی لئے وہ کانگریس کی متحدہ قومیت کے سخت مخالف اور دو قومی نظریہ کے حامی تھے۔ مسلم لیگ نے جب تک صرف انگریزوں کے ہندوستان چھوڑنے کی پالیسی پر عمل کیا وہ اس کے ہم نوا نہیں ہوئے، لیکن جب ۱۹۳۰ء میں چودھری رحمت علی کی زبانی دنیا لفظ ''پاکستان'' سے آشنا ہوئی اور علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس الہ آباد کے خطبۂ صدارت میں اسلامی سلطنت کے قیام کا خیال ظاہر کیا تو مولانا تھانویؒ نے اپنی فہم وبصیرت کے مطابق اس نظریہ سے اتفاق کرلیا۔ محمد علی جناح اس وقت ہندوستان سے دل برداشتہ ہوکر لندن جاچکے تھے۔ ان کی لندن سے ہندوستان واپسی جب ہوئی جب کہ لیاقت علی خاں نے ۱۹۳۳ء کے اخیر میں لندن جاکر جناح صاحب کو ہندوستان آنے اور انہیں مسلم قوم کی لیڈر شپ سنبھالنے کی دعوت دی تھی۔ (۳۵)

مارچ ۳۴ء میں مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں محمد علی جناح کو مسلم لیگ کا مستقل صدر منتخب کیا گیا۔ (۳۶) اس کے بعد محمد علی جناح نے مسلم لیگ کو ایک نئی جہت دی اور انہوں نے مسلمانوں کو مکمل آئینی حقوق اور دستوری تحفظ اپنے ایجنڈے کی ترجیحات میں شامل کرلیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کا زیادہ تر رجحان مسلم لیگ کی طرف ہوگیا اور علمائے کرام کی ایک جماعت جس میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کے معتقدین کثیر تعداد میں تھے مسلم لیگ کے لئے میدانِ عمل میں آگئی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اگرچہ مسلکاً دیوبندی تھے اور دیوبندی جماعت (جمعیۃ العلماء) کانگریس کی ہم نوا، لیکن مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس جماعت سے برأت کا اظہار کیا اور ایک موقع ایسا بھی آیا جب انہوں نے النور کے شمارے میں جماعت دیوبند کے اس وقت کے سرخیل مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بہتر ذاتی تعلقات اور احترام و اکرام کے باوجود ایک مقالہ ''المانعیۃ عن بعض الجامعیۃ'' کے عنوان سے شائع فرمایا (۳۷)، جس میں انہوں نے کانگریس کے ایک ایسے لیڈر کی دیوبند آمد پر طلبائے دارالعلوم کی طرف سے استقبال کرنے پر شدید تنقید کی جو کہ غیر مسلم ہونے کے علاوہ احکام اسلام کی اہانت اور انہدام کی سعی و تائید کرتا ہو۔ اس مضمون میں مولانا نے ان حضرات کو جو کہ دونوں جماعتوں (یعنی جماعتِ دیوبند اور

جماعتِ تھانہ بھون) سے خصوصیت کا تعلق رکھنا چاہتے ہوں انہیں مشورہ دیا کہ وہ اس خیال کو بالکل دل سے نکال دیں اور کسی بھی ایک جماعت کے ساتھ ہو جائیں (۳۸)۔ اس طریقہ پر اختلاف کی اٹھنے والی دیوار نے دونوں جماعتوں کی فکر علیحدہ کر دی جو اخیر تک قائم رہی۔ جمعیۃ العلماء، ہند کانگریس کی حمایتی رہی اور جماعتِ تھانہ بھون کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت کو مُضر سمجھتے ہوئے انہیں کانگریس سے دور کرنے کی رائے پر قائم رہی۔ اس کے بعد ان کا سیاسی پلیٹ فارم مسلم لیگ کے علاوہ کوئی تھا بھی نہیں، اس لئے وہ مسلم لیگ کی حمایتی ہو گئی۔ اس جماعت میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی شفیع عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے کلیدی رول ادا کیا۔ یہ ہے مولانا ظفر صاحب کا سیاسی پسِ منظر۔ اب ہم اگلے صفحات میں مولانا ظفر صاحب کی سیاسی خدمات کا تنقیدی جائزہ لینا چاہیں گے۔
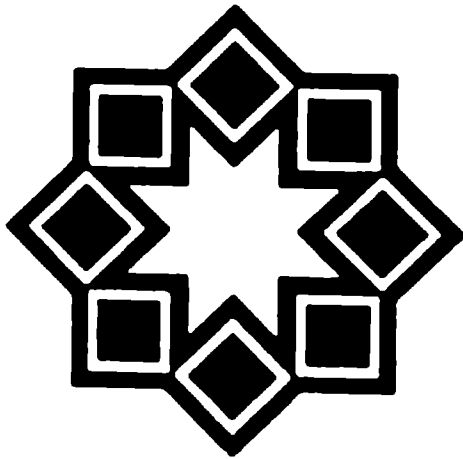
﴿حواشی﴾ تیسرا باب فصل اول

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند/۱/۱۲۱

(۲/۳) تحریک شیخ الہند/مولانا محمد میاں/الجمعیۃ بک ڈپو دہلی/۱۹۷۵ء/ص:۶۵

(۴) مولنا حسین احمد مدنی ایک سیاسی مطالعہ/ ابو سلمان شاہجہاں پوری/ مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان/۱۹۹۳ء/ص:۱۲۴

(۵) تحریک خلافت/قاضی عدیل عباسی/ترقی اردو بورڈ نئی دہلی/۱۹۷۸ء/ص:۲۲

(۶) مومن کانفرنس اور کانگریس پارٹی/امانت علی انصاری/مشمولہ مضمون ''کانگریس'' جشن صدسالہ'' /آل انڈیا مومن کانفرنس دہلی/۱۹۸۵ء/ص:۱۳

(۷) تاریخ مسلم لیگ/مرزا اختر حسین/مکتبہ لیگ ممبئی/ بدون تاریخ/ص:۳۴-۳۵

(۸) تاریخ مسلم لیگ/مرزا اختر حسین/مکتبہ لیگ ممبئی/ بدون تاریخ/ص:۳۹

(**ضروری نوٹ**) آغا خان جداگانہ حق رائے کے زبردست حامی تھے لیکن اس وقت تک محمد علی جناح اس نظریہ کے شدید مخالف تھے اور اسے قوم کے مفاد کے خلاف سمجھتے تھے، جناح اس وقت دادا بھائی نوروجی (صدر کانگریس) کے سکریٹری کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور کانگریس کا خطبہ صدارت ۱۹۰۶ء انہیں کا تیار کردہ تھا جس کیمطابق انہوں نے جداگانہ حق رائے دہی کی زبردست مخالفت کی تھی'' ماخوذ از'' جناح۔ بانی پاکستان'' /اسٹینلے ولبرٹ/اردو ترجمہ تنویر انجم/آکسفورڈ پریس کراچی/۱۹۹۸ء/ص:۲۸

(۹) کانگریس اور اقلیتیں/ایم، ایم، زیدی/انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اپلائڈ پولیٹیکل ریسرچ نئی دہلی/۱۹۸۴ء /ص:۳۴

(۱۰/۱۱/۱۲) مسلم لیگ ایک قومی تحریک' میں شامل مضمون بہ عنوان'' انڈین نیشنل کانگریس۔

(۱۳/۱۴/۱۵) نقش حیات/مولانا حسین احمد مدنی/ الجمعیۃ بکڈپو، دہلی/۱۹۵۴ء/ ج:۲/ص:۷۰ و ۷۱۔

(۱۶) مسلمانوں کا روشن مستقبل/طفیل منگلوری/ص:۲۰۰

(۱۷) نقش حیات/ج:۲، ص:۷۳

(۱۸) مسلمانوں کا روشن مستقبل/ص:۸۵

(۱۹) مسلم لیگ ایک قومی تحریک/ص:۸۷

(۲۰) تاریخ مسلم لیگ/ص:۷۲

(۲۱) تاریخ مسلم لیگ/ص:۹۸

(۲۲) تاریخ مسلم لیگ/ص:۱۱۱

(۲۳) تاریخ مسلم لیگ/ص۱۰۲

(۲۴) مسلمانوں کا روشن مستقبل/ص:۴۰۳

(۲۵) مسلمانوں کا روشن مستقبل/ص:۴۱۰

(۲۶) مسلمانوں کا روشن مستقبل/ص:۴۲۱

(۲۷) تذکرۃ الظفر/ص:۳۵۳

(۲۸) (صاحبِ تذکرۃ الظفر کا خیال ہے کہ اسلامی سلطنت کا جو خیال علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے اس اجلاس میں پیش کیا تھا بالکل وہی خیال ان سے پہلے مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی مجالس میں کئی بار ظاہر فرما چکے تھے/ص:۳۵۳)

(۲۹) تاریخ مسلم لیگ/ص:۳۷۹

(۳۰) تاریخ مسلم لیگ/ص:۴۲۲

(۳۱) ''حکیم الامت...... نقوش وتأثرات'' / عبدالماجد دریابادی/مطبع معارف اعظم گڑھ/۱۹۵۲ء/ص:۲

(۳۲) ایضاً/ص:۱۷۶

(۳۳) ایضاً/ص:۲۳

(۳۴) تذکرۃ الظفر/ص:۳۵۱

(۳۵) محمد علی جناح/کانجی دوارکاداس؛ اردو ترجمہ شہاب الدین دستوی/علمی مجلس دہلی/۱۹۷۰ء/ص:۸۵

(۳۶) مسلمانوں کا روشن مستقبل/ ص ص:۴۵۵

(۳۷) ماہنامہ النور، تھانہ بھون/مولانا شبیر احمد تھانوی/شعبان ۱۳۵۵ھ

(۳۸) حکیم الامت، نقوش وتأثرات/ص:۵۱۲

فصل دوم

مولانا ظفر احمد عثمانی کی سیاسی خدمات

حقیقت یہ ہے کہ علمائے ربانیین کا طبقہ خداترس اور مخلص ہوتا ہے، وہ جس کی حمایت کرتا ہے تو دل کی گہرائیوں سے اور اگر کسی سے مخالفت کرنی ہوتی ہے تو اس کے پس پشت بھی جذبۂ خیر کارفرما ہوتا ہے۔ سیاست کے گلیاروں میں پائیدار چیزوں کا کوئی مقام نہیں وہاں تو وقتی فوائد حاصل کرنے کی خاطر دوست، دشمن بن جاتا ہے اور دشمن مسیحائی کا کام کرنے لگتا ہے۔ البتہ جب کبھی کسی معاملہ کو مذہبی چاشنی دینی ہوتی ہے تو سیاست کے فکری دھاروں کو سیاسی انداز میں مذہب کی طرف موڑ دیا جاتا ہے۔ سادہ لوح اور امت کا مخلص ترین علماء اس سے یہ مطلب اخذ کرنے لگتے ہیں کہ سیاست مذہب کے بغیر چلنے والی نہیں ہے، اور وہ دینی فریضہ تصور کرتے ہوئے مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے سمتِ منزل متعین کردیتے ہیں اور اپنی فہم واستعداد کے مطابق کسی قائد کی قیادت میں چلنے کا مشورہ دے دیتے ہیں۔ چونکہ مسلم عوام کی اکثریت علماء کی رائے کو مذہبی رائے تصور کرتی ہے اسی لئے وہ اپنے مقتدا و پیشوا کے منتخب راستوں پر چلنا دینی فریضہ تصور کرلیتے ہیں۔ سیاسی حضرات اپنے فائدے حاصل کرنے کے بعد اس طبقہ سے ایسی چشم پوشی کرلیتے ہیں گویا کبھی اس طبقہ سے کوئی واسطہ ہی نہیں رہا ہو۔ چنانچہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے علماء کا صرف استعمال ہی نہیں کیا بلکہ استحصال بھی کیا۔ دیوبندی مکتبِ فکر کا تھانوی گروپ اسلامی سلطنت کے تصور کے تحت مسلم لیگ سے یہ توقعات وابستہ کیے ہوئے تھا اور اسی مکتبِ فکر کا مدنی گروپ امن وآشتی اور مسلمانوں کی ہندوستان میں مذہبی شناخت قائم رکھنے کے لئے متحدہ قومیت کو ضروری سمجھ رہا تھا۔ اسی لئے ہر دو گروپ اپنے اپنے حمایت یافتہ گروپوں کی کامیابی کے لئے تن، من، دھن کی بازی لگارہے تھے۔ اب یہ الگ بحث ہے کہ دونوں نے کیا کھویا، کیا پایا؟۔ ہمارے خیال

میں دونوں فریقوں کو نفع کم ہوا اور نقصان زیادہ۔ مسلم لیگ نے اپنے ہم نوا علماء کی حمایت سے بھرپور فائدہ اٹھایا تو کانگریس نے بھی قوم پسند علماء کرام کے تعاون سے مسلمانوں کی بھرپور حمایت حاصل کی، لیکن آزادیٔ وطن اور تقسیمِ ملک کے بعد دونوں سیاسی گروپوں نے نہ تو مذہبی شعائر کا خیال کیا اور نہ ہی ملی تقاضوں کو پورا کیا۔ اس طریقہ پر سادہ لوح علماء کرام اپنے مخلصانہ جذبوں کے ساتھ مذہبی فریضہ ادا کرتے رہے، اور سیاسی حضرات خوشنما وعدوں، پُر فریب دعووں اور جھوٹے نعروں کے ذریعہ عوام اور علماء کرام کا استحصال کرتے رہے ہندوستان میں کانگریس اور پاکستان میں مسلم لیگ اقتدار میں آئی، لیکن حکومتیں شخصیات کے ارد گرد گھومتی رہیں۔ مسلمانوں کے مسائل میں ہندوستان میں تو اضافہ ہوا ہی، جس مقصد کیلئے انہوں نے قربانیاں دے کر پاکستان میں اسلامی سلطنت کے قیام کا خواب دیکھا تھا وہ بھی نصف صدی سے زائد عرصہ گذرنے کے باوجود تاہنوز شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا، بہر حال یہ کام تو اربابِ سیاست کا تھا جو وعدے کر کے بھولنے کے عادی ہوتے ہیں، علمائے کرام نے اپنا فرض ادا کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ کانگریس سے مسلم لیگ کی مکمل علیحدگی کے بعد مولانا تھانویؒ اور ان کے مایۂ ناز شاگرد مولانا ظفر احمد عثمانی نے علی الاعلان مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کو اس طرف راغب کیا کہ وہ مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دے کر قیامِ پاکستان کی راہ ہموار کریں، اور سچ بات یہ ہیکہ اگر ان علمائے کرام کی مساعی شاملِ حال نہ ہوتیں تو شاید پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہی نہ ہوتا،[1] لیکن ان علمائے کرام کی مخلصانہ خدمات کو سیاسی رہنماؤں نے فراموش کر دیا یہی وجہ ہے کہ آج کا طالب علم ان علمائے کرام کے تذکروں کے لئے تاریخ کی کتابیں کی کتابیں کھنگال ڈالتا ہے لیکن اسے ان کے تذکرے چند سطور سے زیادہ کہیں نہیں ملتے۔ چونکہ ان حضرات نے رضاءِ خداوندی کیلئے یہ خدمات انجام دیں اس لئے یہ اس کے متمنی بھی نہیں ہوئے کہ انکے تذکرے زینتِ اوراق بنیں یہ بھی ان کے خلوص کی ہی دلیل ہے۔

آغاز: مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی سیاسی زندگی کا آغاز حضرت تھانویؒ کی تحریک خلافت کی مخالفت سے ہوتا ہے، لیکن اس وقت تک یہ اجتہاد قلمی تھا، اعلاء السنن کی جلد ۱۲ میں مولانا

ظفر احمد عثمانی نے استخلاصِ وطن پر بحث فرماتے ہوئے کانگریس کی متحدہ قومیت کے ابطال پر تفصیلی کلام فرمایا جو علمی حلقوں میں بحث کا موضوع بنا اور مولانا کا سیاسی نظریہ سامنے آیا۔ [۲] اسی درمیان مولانا کے پیرومرشد مولانا تھانویؒ نے تحذیر المسلمین اور الخیر النامی وغیرہ رسائل لکھے، جن میں انہوں نے اپنے سیاسی مسلک کا برملا اظہار فرمایا [۳] یہ سب علمی بحثیں تھیں جو علمی حلقوں تک محدود تھیں۔

جھانسی الیکشن:

عملی طور پر سیاست میں داخلہ کا سبب مسلم لیگ اور کانگریس کی علیحدگی کے بعد جھانسی میں ہونے والا الیکشن بنا، جسمیں جھانسی کے مسلمانوں نے مولانا تھانویؒ سے دریافت فرمایا تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندوں میں سے شرعاً ووٹ لینے کا کون حقدار ہے؟ مولانا تھانوی مسلم لیگ کے حق میں فتوں دینے میں پس وپیش کر رہے تھے لیکن مولانا ظفر احمد صاحب نے اپنی سیاسی فہم وبصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے مولانا تھانویؒ کو مشورہ دیا کہ "آپ کانگریس کی حمایت کے تو خلاف ہیں ہی، صرف تأمل مسلم لیگ کی حمایت کرنے میں ہے اسلئے آپ یہ جواب دے دیجئے کہ کانگریس کو ووٹ نہ دیا جائے"۔ [۴]

یہ جواب جھانسی کے مسلمانوں کو دے دیا گیا جسے مسلمانوں نے مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ سمجھتے ہوئے مسلم لیگ کو بھاری اکثریت سے کامیاب کرایا، اس کا شکریہ ادا کرنے کیلئے مولانا شوکت علی باقاعدہ تھانہ بھون تشریف لائے جنہوں نے اسکا اعتراف کیا کہ آپ کے فتوے نے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے پر راغب کیا۔ مولانا شوکت علی نے تھانہ بھون میں جلسہ بھی کیا جس میں مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت مولانا تھانوی کی طرف سے تقریر کی تھی۔ مسلم لیگ کا مطالبہ یو، پی اور بعض دوسرے صوبوں کی وزارت میں مسلم لیگ کے نمائندوں کو شامل کرنا تھا جسے کانگریس نے نامنظور کر دیا، جس کے نتیجہ میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کے مطالبات کو لے کر تحریک شروع کی ۱۹۴۲ء تک اس تحریک نے مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن یا پاکستان قائم کرنے کے مطالبے کی شکل اختیار کر لی [۵] اس مطالبہ کی حمایت میں بھی تھانوی مکتبۂ فکر

کے علماء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔۱۹۴۶ء کے انتخابات میں کانگریس اور مسلم لیگ آمنے سامنے ہوگئیں۔کانگریس نے یہ الیکشن متحدہ قومیت کے ایشو پر لڑا تھا جس میں مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد (خصوصاً وہ مسلمان جو علماء دیوبند یا مولانا ابوالکلام آزاد جیسے قومی رہنماؤں کے زیر اثر تھے) نے کانگریس کی حمایت کی۔مولانا ظفر احمد تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مکتب تھانوی کے اہم ترین علماء کانگریس کے موقف کے خلاف اسلامی سلطنت کے قیام کا تصور لئے ہوئے مسلم لیگ کی حمایت میں پیش پیش تھے۔انہوں نے مسلم اکثریتی صوبوں کے دورے کئے۔[6] ان کے مراکز یو، پی، پنجاب، بنگال اور سندھ کے صوبے رہے چنانچہ اس انتخاب میں بنگال، پنجاب اور سندھ میں مسلم لیگ نے اکثریت حاصل کرلی۔بنگال میں مسلم لیگ سب سے بڑی اور واحد پارٹی کی حیثیت سے ابھر کر آئی۔پنجاب میں اس کی نشستیں کانگریس کے برابر رہیں اور سندھ میں بھی اس نے بہت سی نشستوں پر کامیابی حاصل کرلی[7] اس طریقہ پر مسلم لیگ کے حوصلے بلند ہوگئے۔یقینی طور پر اس کامیابی میں ان علمائے کرام کا بہت بڑا دخل تھا۔یہ علمائے کرام مسلم لیگ کے اس نظریہ سے اتفاق کرتے تھے کہ ''غیر منقسم ہندوستان میں کانگریس مسلم اکثریتی صوبوں میں برابر مداخلت کرتی رہے گی اور متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کو پنپنے کا موقع نہیں ملے گا جب کہ مولانا آزاد اور ان کے ہم نوا علمائے کرام کا خیال تھا کہ ''اگر ملک کا بٹوارہ ہوگیا تو ایک حصہ مسلم اکثریت کا ہوگا اور دوسرا ہندو اکثریت کا۔ہندو اکثریت کے بیچ مسلمان ایک کمزور طاقت بن کر رہ جائیں گے۔جو صرف ان کے رحم وکرم پر ہوں گے۔ان کے تعلیم اور ثقافتی مراکز کمزور ہوجائیں گے۔قیام پاکستان پاکستانی مسلمانوں کے مسئلے تو حل کردے گا لیکن وہ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کو اور بڑھادے گا جو یہاں اقلیت بن کر رہ جائیں گے''۔[8]

علماء کی جو جماعت پاکستان بنوانے کی حامی تھی، اس میں ان کے پیش نظر سیاست سے زیادہ مذہبی نظریات تھے۔اسی لئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے تھانہ بھون کے اس جلسے میں جس میں مولانا شوکت علیؒ جھانسی کے الیکشن کی فتح پر مولانا تھانوی کا شکریہ ادا

کرنے تشریف لائے تھے، مولانا تھانویؒ کی نیابت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اسٹیج سے برملا کہا کہ "جب تک لیگ کے عہدہ داران دین و مذہب کے پورے پابند نہ ہو جائیں گے ان پر بھی پورا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا"۔ پھر انہوں نے قرآن کی زبان میں اسلامی حکومت کا آئیڈیل بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ "اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندے وہ ہیں کہ ان کو زمین پر اقتدار دیا جائے تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، نیکی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔" (۹)

مولانا اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے اور کہاں تک ناکام؟ یہ تو الگ بحث ہے، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ حق بات سیاسی پلیٹ فارم پر بھی کہنے سے نہیں چوکے۔ اور انہوں نے سیاست کا معیار قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کیا۔ اب خواہ اس پر کوئی کان دھرے یا نہ دھرے، غالباً یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ کے اربابِ اقتدار اس وقت تو اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرانے کے لئے ،مسلمانوں کے ووٹ کے حصول کی خاطر ان علمائے کرام کی ہر بات پر سر دھنتے رہے، لیکن جب پاکستان کا اقتدار ان کے ہاتھ میں آیا تو وہ نہ صرف یہ کہ ان علمائے کرام کی خدمات کو فراموش کر بیٹھے، بلکہ انہوں نے اپنی تنگ دلی و تنگ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے تاریخ کے صفحات پر بھی ان حضرات کو ان کی خدمات کے مناسب مقام عطا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ صرف نصف صدی گذرنے پر ہی حالت یہ ہوگئی ہے کہ ایک ایسا طالب علم جوان علمائے کرام کی خدمات کو پاکستان یا مسلم لیگ کی تاریخ کے صفحات میں تلاش کرنا چاہے تو اسے مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ تاریخ سیاست کے صفحات پر دنیادار، دین بیزار طبقہ کا ہمیشہ غلبہ رہا جس نے مذہبی طبقہ کی خدمات کو اجاگر کرنا گوارا ہی نہیں کیا، لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر مولانا تھانوی کے گروپ یعنی مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی مفتی محمد شفیع صاحب اور ان کے معتقدین نظریۂ پاکستان کی حمایت نہ کرتے تو پاکستان "ناممکن الوقوع" شئے ہوتا۔

مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ اپنے استاد و مربی مولانا اشرف علی تھانوی کے سیاسی نظریات کی تبلیغ میں دل و جان اور خلوص و للہیت کے جذبہ کے تحت لگے رہے،

مولانا تھانویؒ کو بھی مسلم لیگ سے کوئی خاص توقعات تو نہ تھیں البتہ کانگریس کے مقابلہ " اھون البلیتین " کے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انہوں نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا، (۱۰) اسی اصول پر ان کے پیروکار مولانا ظفر احمد صاحبؒ قائم رہے اور انہیں نام ونمود یا شہرت ومنصب سے کوئی دل چسپی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ طالع آزما، سیاسی مفاد پرست حضرات پاکستان کے " تاج محل " کا " کلس " بن کر دنیا کی نظروں کے سامنے آئے اور " بنیادی اینٹ " کے مانند علمائے کرام کا طبقہ خاموش تماشائی بنا رہا۔ بہت کم مؤرخوں نے ان حضرات کی خدمات کو سراہا لیکن وہ کبھی اس کے بھی روادار نہیں رہے اور اپنی تعریف وتوصیف سے بے نیاز رہے۔

مطالبۂ پاکستان:

جولائی ۱۹۴۳ء میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی وفات کے بعد ان کے متوسلین ومعتقدین نے مطالبۂ پاکستان کی حمایت میں دل وجان کی بازی لگا دی، جن میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا نام سر فہرست ہے۔ انہوں نے ہندوستان کے چپہ چپہ میں اپنی تقاریر اور عملی جد وجہد کے ذریعہ تحریک پاکستان کو مقبولِ عام بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جمعیۃ علمائے ہند کانگریس سے علی الاعلان وابستگی کا اظہار کر چکی تھی اور بقول شیخ محمد اکرام صدر جمعیۃ مولانا حسین احمد مدنیؒ انگریز دشمنی کے سیلاب میں بہہ کر اپنی قوم سے رشتہ منقطع کر چکے تھے۔ لیکن مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا شبیر احمد، اور مولانا مفتی شفیع رحمہم اللہ وغیرہ اس وقت تحریک پاکستان سے وابستہ تھے۔ (۱۱) پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن کا جیتنا آسان کام نہیں تھا، اس نازک صورت حال کو دیکھتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی وغیرہ جیسے جید علمائے کرام نے یہ تجویز کیا کہ مطالبۂ پاکستان کے لئے علماء کو اپنا مستقل مرکز قائم کرنا چاہیے۔ چنانچہ اکتوبر ۴۵ء میں کلکتہ کے محمد علی پارک میں مولانا ظفر احمد صاحبؒ کی زیر صدارت چار روزہ اجلاس ہوا جس میں جمعیۃ علمائے اسلام کی بنیاد رکھی گئی، جس کی مستقل صدارت کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی کو تیار کیا گیا، نائب صدر مولانا ظفر صاحب رہے۔ (۱۲)

عام انتخابات:

جمعیۃ علمائے اسلام کے پلیٹ فارم سے مسلم لیگ کی حمایت وتائید نے تحریکِ پاکستان میں جان ڈال دی کیونکہ اس وقت علماء کی اس جمعیت کو چھوڑ کر باقی دوسری قابل ذکر مسلم تنظیمیں مثلاً مجلس احرار، نیشنلسٹ مسلمان، جمعیۃ علمائے ہند، اور خدائی خدمت گار وغیرہ سبھی تنظیمیں پاکستان کے خلاف متحد تھیں، (۱۳) جماعت اسلامی اگرچہ پاکستان کی حامی تھی لیکن وہ صرف ووٹ اور الیکشن کے سلسلہ میں مسلم لیگ سے سمجھوتہ کر کے اپنے نظریات میں تبدیلی لانے کے لئے تیار نہیں تھی ۔ جماعت اسلامی اس الیکشن کو وقتی مفاد سے تشبیہ دے کر اپنے اصولوں کو قربان کرنا نہیں چاہتی تھی (۱۴)۔ الیکشن سر پر تھے، جس میں برِ صغیر کے بارے میں یہاں کے عوام کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ مسلمان ہندوستان کے ساتھ رہیں گے یا مسلم لیگ کے مطالبہ کے موافق پاکستان میں اپنی علیحدہ شناخت قائم کریں گے، اس موقعہ پر مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے ساتھی رفقائے کار علمائے کرام نے جن کا مذاق شروع سے ہی الیکشنی سیاست سے یکسو تھا۔ ملک کے طول وعرض میں مسلم لیگ کی امداد اور پاکستان کی حمایت کرنے کیلئے طوفانی دورے کئے۔ تقریباً چار ماہ کے اس عرصہ میں مولانا نے یو، پی ، بہار، بنگال ، پنجاب ،سندھ اور سرحد میں طوفانی دورے کر کے عوام کو مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا، (۱۵) حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے اس سے قبل نہ تو کسی سیاسی انتخاب میں اس انداز سے قدم رکھا تھا اور نہ ہی وہ اس کے عادی تھے۔ اس لئے انتخابات ۴۵ء میں انہیں سخت مشقت اٹھانی پڑی لیکن انہوں نے اسے مذہبی فریضہ سمجھ کر ادا کیا۔

مولانا کی اس جدوجہد اور طوفانی دوروں سے ہوا کا رخ بدل گیا۔ جو لوگ ابھی تک مسلم لیگ کی حمایت کے لئے تیار نہیں ہوئے تھے وہ بھی اس میں شامل ہو کر اس کے ممد ومعاون بن گئے۔ اس سلسلہ میں مولانا نے اپنوں اور غیروں میں کوئی تمیز نہیں کی۔ مسلم لیگ کے مقابلے پر اگر ان کا کوئی عزیز ترین رشتہ دار بھی میدان میں آیا تو اس کی مخالفت انہوں نے اپنا فریضہ جانا۔ چنانچہ مظفر نگر ضلع سہارنپور سے ضمنی انتخاب کے لئے

کانگریس نے اپنا امیدوار محمد احمد کاظمی صاحب کو بنایا تھا، جن سے مولانا کی قرابت بھی تھی ،اور کاظمی صاحب اپنی بعض نمایاں خدمات مثلاً کاظمی ایکٹ ۱۹۲۰ء کی وجہ سے سیاسی اور مذہبی حلقوں میں خاصی شہرت رکھتے تھے، اس کے علاوہ کاظمی صاحب کی امداد کے لئے مولانا حسین احمد مدنی بھی اس حلقہ میں دورہ کررہے تھے کاظمی صاحب نے مسلمانوں کے بہت سے مفید کام انجام دئے تھے۔ بقول مدیرِ معارف وہ ''قوم پروری کے ساتھ دیندار بھی تھے اور ان کے دل میں مذہب وملت کا درد بھی تھا''، (۱۶) ان کے مقابلہ پر نواب زادہ لیاقت علی خاں مسلم لیگ کے امیدوار کی حیثیت سے تھے۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے قرابتوں، ذاتی مراسم اور ان کی دوسری تمام خصوصیات سے بالاتر ہوکر ان کے کانگریسی امیدوار ہونے کے باعث کاظمی صاحب کی مخالفت اور لیاقت علی خاں کی نہ صرف حمایت کی، بلکہ لیاقت علی خاں کے لئے انہوں نے مسلمانوں سے ووٹ مانگے، جلسے کئے اور انہیں منتخب کرنے کی اپیل کی جس میں انہیں کامیابی ملی، نواب زادہ لیاقت علی خاں نے (جو پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں) اس کامیابی پر مولانا کا شکریہ ادا کرنے کے لئے تار دیا اور پھر باضابطہ مسلم لیگ کے دفتر سے مراسلہ بھیج کر ان کا شکریہ ادا کیا۔ (۱۷)

مارچ ۱۹۴۶ء میں مولانا نے علامہ سید سلیمان ندوی اور بعض مشہور علمائے کرام کے مشورے سے مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ لکھا (۱۸) جس نے بہت شہرت حاصل کی۔ جب برطانوی حکومت نے ۱۹۴۶ء میں سیاسی پیچیدگیوں کے حل کے لئے کابینہ مشن کے قیام کا اعلان کیا اور اس نے مسلم لیگ کو نظر انداز کرنا چاہا تو مولانا ظفر صاحب نے ایک تار کابینہ وفد کے نام روانہ کیا جس میں تحریر تھا کہ ''مسلم لیگ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم ہے۔ کل ہند جمعیتِ علمائے اسلام متحدہ طور پر مسلم لیگ کی پشت پر ہے۔ پاکستان مسلمانوں کا قومی اور ملی مطالبہ ہے۔ اس مطالبہ کے انکار کا تصور کسی صورت میں نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمان اس سوال پر کمی بیشی کر کے کوئی مصالحت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مسلمان اس مطالبۂ ملی کے حصول کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔ (۱۹)

صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی نے انگریز اور کانگریس دونوں کو مطالبہٗ پاکستان ماننے پر مجبور کر دیا مگر بنگال اور پنجاب کی تقسیم پر کانگریس اڑ گئی اور قائد اعظم نے اس کو منظور کرلیا۔ ۹ر جون ۴۷ء کو قاید اعظم نے اس منظوری کی وضاحت کے لئے دہلی میں جلسہ طلب کیا جس میں مولانا ظفر صاحب کو بھی مدعو کیا گیا، اس میں محمد علی جناح نے فرمایا کہ "اگر کانگریس کا یہ مطالبہ منظور نہ کیا جاتا تو پاکستان نہ بن پاتا۔ اس لئے اس کو منظور کرلیا گیا۔" (۲۰)

سلہٹ ریفرنڈم:

تحریک پاکستان میں مولانا کا بہت بڑا کارنامہ سلہٹ ریفرنڈم ہے، جو ان کی شبانہ روز محنتوں کے نتیجہ میں عمل میں آیا، اور وہاں کے مسلمانوں نے پاکستانی نظریہ کی تائید وحمایت ان کی مخلصانہ جدو جہد کی بدولت کی جس کی وجہ سے یہ علاقہ پاکستان کو مل سکا، کیونکہ سلہٹ اور سرحد کے بارے میں کانگریس کو اصرار تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی علیحدہ رائے معلوم کی جائے کہ وہ پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں یا ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں، اس کے پیچھے کانگریس کی یہ خوش فہمی تھی کہ چونکہ سلہٹ میں مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد اور مرید زیادہ تھے اور مولانا مدنی ہر سال رمضان بھی وہاں گذارتے تھے اس لئے یہ علاقہ جمعیۃ علمائے ہند کے زیر اثر رہے گا۔ ادھر مسلم لیگ نے جب پیروں کے نیچے سے زمین کھسکتے دیکھی تو جون ۴۷ء کے الیکشن میں نواب زادہ لیاقت علی خاں نے مولانا کی خدمات حاصل کرنے کے لئے تار روانہ کیا۔ مولانا اس وقت ڈھاکہ میں نہیں تھے بلکہ اپنے وطن تھانہ بھون آئے ہوئے تھے، تھانہ بھون میں تار پر تار آئے تو مولانا ظفر صاحب تھانہ بھون سے ڈھاکہ اور وہاں سے سلہٹ پہونچے۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں خود سلہٹ کے دورے پر تھے لیکن ان کے جلسے کامیاب نہیں ہو رہے تھے۔ "غفر" گاؤں میں لیاقت علی خاں کے جلسہ میں گڑبڑی ہو چکی تھی اور اب یہ امید ہو چلی تھی کہ پورے سلہٹ میں ان جلسوں کا یہی حشر ہوگا۔ تبھی مولانا سلہٹ پہونچ گئے۔ الیکشن میں صرف پانچ دن باقی تھے اور وقت کم ہونے کے باعث اب مسلم لیگ کو

مایوسی نظر آنے لگی تھی لیکن مولانا نے گاؤں گاؤں دورہ کر کے پوری فضا کو بدل کر رکھ دیا انہوں نے اپنے خطبات میں دلائل شرعیہ سے پاکستان کی حمایت اور اسکی ضرورت کو ثابت کیا۔ مولانا نے پولنگ کے دن تک سلہٹ میں کام کیا، بالآخر الیکشن کا نتیجہ نکلا تو معلوم ہوا کہ سلہٹ کی اکثریت نے پاکستان کے حق میں رائے شماری کی اور مسلم لیگ پچاس ہزار ووٹوں سے کامیاب ہوئی، اس طرح سلہٹ پاکستان میں شامل ہو گیا۔ (۲۱)

ہندوستان تقسیم کے دہانے پر کھڑا ہوا تھا۔ علماء کا ایک طبقہ تقسیم کا زبردست حامی اور دوسرا فریق شدت سے مخالف تھا۔ دونوں فریق ملت اور مذہب کے تئیں اگرچہ مخلص تھے لیکن دونوں کے نظریات ایک دوسرے کی ضد تھے، بقول مولانا محمد میاں: ''ایک تقسیم ہند کو انگریز کی پُر فریب سیاست کا شہکار سمجھتا تھا مسلمانوں کے لئے تباہ کن، ہندوستانی قومیت کے لئے مرض لازوال اور دوسرے کے خیال اور عقیدہ میں پاکستان ایک پر تقدس تصور تھا جس کو الہامِ سبحانی اور القاء ربانی کہنے میں بھی اس کو تامل نہیں ہوتا تھا''۔ ہر ایک فریق پوری صداقت و دیانتداری کے ساتھ اپنے نظریہ پر جما ہوا تھا، اس کی حمایت میں جان قربان کرنے کو شہادت اور مخالفت کرنے والوں کی پوری پوری مخالفت کو اپنا فرض تصور کرتا تھا''(۲۲) علماء کا پاکستان حامی طبقہ مولانا اشرف علی تھانوی کی اس سیاست پر گامزن تھا کہ ''جس طرح بھی بن سکے مسلمانوں کو سچا مسلمان بنا دیا جائے۔ اسی لئے آپ کی حمایتِ لیگ سیاسی اغراض کے لئے نہیں تھی بلکہ اس غرض کے لئے تھی کہ مسلمان لیگ کے اندر داخل ہو کر اپنی تنظیم اور لیگ کی اصلاح کی فکر کریں تا کہ یہ کانگریس کا مقابلہ کر سکیں۔ اور متعصبین اسلام کو ہندوستان سے نہ مٹا سکیں اور اسلام اپنے اصول اور شعائر کے ساتھ ہندوستان میں باقی رہے''۔ (۲۳)

بہر حال یہ اس طبقہ کی اپنی سوچ تھی جو یقیناً شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں تھی اس کے برخلاف جمعیۃ علماء ہند مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کو برطانیہ کی چال سمجھتی تھی اور پاکستان کے قیام کو ''انگریزی حکومت کے ماتحت ایک ایسی حکومت کے قیام کا تصور کرتی تھی جو برطانیہ کے ماتحت ہو''، (۲۴) اس جماعت کے سربراہ مولانا حسین احمد مدنیؒ ایک

مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''کوئی مسلمان ایسا نہیں جو مسلم راج کا طالب اور خواہشمند نہ ہو''(۲۵)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خواہش تو مولانا مدنیؒ کی بھی تھی، لیکن وہ ہندوستان کے تاریخی، جغرافیائی اور اس وقت کے سیاسی حالات کے پیشِ نظر اس مطالبہ کو نادرست مانتے تھے۔ انہیں مسلم لیگ کے قائدین پر قطعاً بھروسہ نہیں تھا(۲۶) کیونکہ وہ ۳۶ء میں الیکشن کے موقع پر جمعیۃ علماء ہند سے اتحاد کر چکے تھے اور جب جمعیۃ علمائے ہند کی کوششوں سے مسلم لیگ کے نمائندے صوبائی اسمبلیوں میں پہونچ گئے تو اس کے بعد مسلم لیگ نے جمعیۃ کو دھوکا دیکر اس اتحاد کو توڑ دیا تھا(۲۷) اس لئے انہیں مسلم لیگ کے اس وعدے پر قطعی بھروسہ نہیں تھا کہ وہ پاکستان بننے کے بعد خالص اسلامی حکومت قائم کرے گی، حقیقت یہ ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی اور دوسرے کانگریسی مسلم علماء کے یہ خدشات کافی حد تک درست ثابت ہوئے لیکن سادہ لوح تھانوی گروپ کے مسلم علماء مسلم لیگ سے توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے۔ اسی جماعت تھانوی کے مشہور عالمِ دین علامہ شبیر احمد عثمانی نے مسلم لیگ کی میرٹھ کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ ''میں تمام ذمہ دار قائدین کو ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے نہایت پر زور طریق پر دعوت دیتا ہوں کہ خود اپنے اعلان کردہ الفاظ کے مطابق قرآنی احکام کی سرّاً وعلانیۃً پابندی فرمائیں''۔ (۲۸)

خود مولانا کا کہنا یہ تھا کہ ''کم از کم ان صوبوں کو جہاں مسلم اکثریت ہے اسلامی سلطنت بنالینا کہ وہاں اسلامی سلطنت اسلامی اصولوں پر قائم کی جاسکے، لازم اور ضروری ہے''۔ (۲۹)

جناح صاحب سے ملاقات:

چنانچہ آپ کی ۱۱ر جون ۱۹۴۷ء کو، جناح صاحب سے جو ملاقات ہوئی اس میں بھی جناح صاحب سے پاکستان میں آئینِ اسلامی ہونے کا اعلان کرنے کو کہا تھا ان حوالہ جات سے اتنا تو لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ علماء کا یہ طبقہ مسلم لیگ کی حمایت، حکومتِ اسلامی کے قیام کی غرض سے مذہبی فریضہ سمجھ کر ادا کر رہا تھا۔ اور مسلم لیگ کا پاکستان

بنانے کا مقصد خواہ کچھ بھی ہو، اس وقت تک اپنے کو لیگ مذہبی جماعت کے روپ میں پیش کر رہی تھی، پاکستان بننے کے بعد اگرچہ علمائے کرام کا یہ خواب آج تک بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا (جو بحث کا الگ موضوع ہے، اس پر آئندہ صفحات میں طالب علمانہ بحث کی جائیگی)۔ لیکن پاکستان کسی نہ کسی طرح وجود میں آ ہی گیا۔ تقسیم چونکہ مسلم اکثریتی صوبوں کے مطالبہ پر ہوئی تھی اس لئے پاکستان پہلے ہی دن سے دو جداگانہ حصوں میں وجود میں آیا، ایک حصہ مغربی پاکستان اور دوسرا حصہ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کہلایا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کو مغربی پاکستان کی اس وقت کی راجدھانی کراچی میں پرچم کشائی کی رسم ادا کرنے کی خدمت سونپی گئی۔

رسم پرچم کشائی:

مولانا اس وقت مشرقی پاکستان کے شہر ڈھاکہ میں بہ سلسلۂ ملازمت مقیم تھے) کے ہاتھوں سے ان کی خدمات کے پیشِ نظر مشرقی پاکستان کی راجدھانی ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم سرکاری حکم کے بموجب ادا کرائی گئی۔ [۳۰] پاکستان بننے کے بعد مولانا نے جمعہ کے خطبہ سے پہلے (یہ جمعۃ الوداع تھا) لال باغ، ڈھاکہ کی جامع مسجد میں تقریر فرمائی جس میں مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ خواجہ ناظم الدین بھی موجود تھے۔ اس میں بھی مولانا نے اربابِ حکومت کو تلقین کی کہ وہ آئین و دستور اسلام نافذ کریں اور عوام، صوم و صلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ تمام شعائرِ اسلام کی پابندی کریں، پاکیزہ اسلامی معاشرہ قائم کریں۔ پاکستان کو شراب خانوں، قحبہ خانوں، اور سود وغیرہ کی لعنت سے پاک کریں۔ [۳۱]

پاکستان بننے کے بعد مولانا کی سیاسی حیثیت و مرتبہ متعین کرنے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ایک مختصر سی گفتگو اس امر پر کرلی جائے کہ مولانا اور ان کے رفقاء نے تشکیلِ پاکستان کی حمایت جس نظریہ کے تحت کی تھی وہ کامیاب ہوا یا نہیں؟ اگر کامیاب نہیں ہو پایا تو اس کی وجوہات کیا رہیں؟۔

خلاصۂ کلام:

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاکستان کے مطالبہ کی حمایت میں مسلم لیگ کا ساتھ دینے والے علماء کرام ملت کے تئیں بھی مخلص تھے اور اسلام کیلئے بھی۔ ان کا واحد مقصد یہی تھا کہ کسی بھی طرح ہم ایسی حکومت قائم کرنے میں ممد و معاون ہوں جو اللہ کے احکام کے مطابق فیصلے کرے۔ جہاں صاف ستھری اسلامی ریاست ہو، لیکن یہ بھی حق ہے کہ علماء کا یہ طبقہ سیاست سے نابلد سیاسی مکر و فریب سے نا آشنا اور سیاست کے اوچھے ہتھکنڈوں سے ناواقف تھا۔ اس کے بالمقابل علماء کا وہ طبقہ جو متحدہ قومیت کا حامی تھا وہ کسی حد تک سیاسی داؤ پیچ سے واقف ضرور تھا لیکن کانگریس کے آگے مجبورِ محض تھا، ان حضرات کے اخلاص کا فائدہ کانگریسی اور مسلم لیگی سیاسی طالع آزماؤں نے بھرپور اٹھایا۔ مسلم لیگ نے مذہبی حکومت کے نشہ میں ان مخلصین کو مسرور و سرشار کر کے اپنا مطلب نکالا تو کانگریس نے ہندو مسلم اتحاد کی آڑ لے کر اپنے حامی علمائے کرام کو آگے رکھا اور پیچھے سے اس نے ہندو مہا سبھا، اور اس جیسی ذہنیت کے افراد کو بھرپور تعاون دیا۔ اس طریقہ پر علماء کے دونوں طبقوں میں جو خلیج واقع ہوئی وہ بُعد المشرقین کے مانند تھی۔ اور ان حضرات کے اختلافات اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خاطر شریعت کے حوالوں سے گفتگو کی جارہی تھی جس کی وجہ سے تقریباً ہر خاندان میں تفریق واقع ہوگئی تھی جو انگریز اور ہندو مہا سبھا کا مقصد تھا وہ ان حضرات کے ''اخلاص'' کی آڑ میں پورا ہو رہا تھا۔

جمعیۃ علماء ہند جو ہندوستان میں مسلمانوں کو ثابت قدمی کے ساتھ رہنے کی تلقین اور اصرار کر رہی تھی مسلم لیگ کو مسلمانوں کا مخلص تصور نہیں کرتی تھی اور اس حد تک جا پہونچی تھی کہ دہلی کے ایک جلسہ میں جس میں ہندوستان کے تمام مشہور لیڈر، مہاتما گاندھی، مولانا آزاد، موتی لال نہرو وغیرہ جمع تھے۔ جمعیۃ نے کئی روز کی بحث و تمحیص کے بعد یہ فیصلہ کر دیا کہ مسلمان ''بلا شرط کانگریس میں شریک ہو جائیں جس کی مخالفت مولانا شبیر احمد عثمانی نے بھرپور انداز میں کی۔ مولانا شبیر احمد صاحب کا کہنا تھا کہ '' اگر ہم بلا

شرط شرکت کے فیصلہ کو مان لیں گے تو ہماری قومیت فنا ہو جائے گی"۔ (۳۲) بلآخر اسی وجہ سے انہیں جمعیۃ سے کنارہ کشی اختیار کر کے مسلم لیگ میں جانا پڑا اور وہ تحریکِ پاکستان کے مضبوط کارکن ہو گئے۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا دونوں کو انگریز کے پروردہ تصور کرتے تھے۔ اس کیلئے ان کے پاس دلیل تھی کہ دونوں کی بنیاد کانگریس کے مقابل ۱۹۰۶ء میں ڈالی گئی۔ جس کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ منافرت پیدا کرنا تھا۔ کیونکہ انگریز "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی پر شروع سے گامزن رہا ہے۔ (۳۳) اور اسی وجہ سے اس نے یہ دونوں تنظیمیں ایک دوسرے کے مقابل کھڑی کی ہیں۔

کانگریس اور لیگ کے تنازعہ کا ایک منفی پہلو یہ بھی تھا کہ اس نے مسلمانوں کے گھروں میں تفریق پیدا کر دی تھی۔ کسی گھر کا ایک فرد کانگریسی نظریات سے وابستہ تھا تو دوسرا بھائی لیگ کا حمایتی۔ اس لئے اتحاد کی کوئی سبیل نکلنے کے امکانات معدوم ہو چکے تھے۔ عوام وخواص سبھی اس ذہنی کشمکش کا شکار تھے کہ ان کا مستقبل ہندوستان کے ساتھ وابستہ رہے گا یا پاکستان کے ساتھ؟ ہندوستان مادرِ وطن تھا اس کے ساتھ قومی جذبات وابستہ تھے تو پاکستان کو مذہبی ریاست بنانے کے خواب دکھائے جانے کے باعث مذہبی جذبات پاکستان کے ساتھ وابستہ تھے اور وہ دوسروں کو اس کی طرف متوجہ کر رہے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی جیسے جید عالم دین بخوبی جانتے تھے کہ (تقسیم کے بعد) جو سلطنت ملے گی وہ ان ہی لوگوں کو ملے گی جن کو آج سب فاسق وفاجر سمجھتے ہیں۔ (۳۴) اسی لئے وہ یہ کوشش کر رہے تھے کہ یہی لوگ جو مسلم لیگ کی سیاست کے افق پر چھائے ہوئے ہیں وہی دیندار بن جائیں (۳۵) تاکہ پاکستان کا نظام دیندار ہاتھوں میں آ سکے۔ غالباً اسی وجہ سے ان کے جاں نثار شاگرد مطالبۂ پاکستان کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر تشکیلِ پاکستان کے منتظر تھے۔ اسے ہم سیاسی طور پر کچھ بھی کہیں لیکن ان کے اخلاص، للٰہیت اور دینی حمیت وغیرت کی داد دینی پڑتی ہے کہ وہ حضرات محض رضائے الٰہی کی خاطر اس جنگ کو لڑ رہے تھے اور اپنوں وغیروں کی مخالفت گوارا کر رہے تھے۔

چنانچہ مسلم لیگ کے قائدین کو دین کی طرف کرنے اور انہیں شعائرِ اسلام کا پابند کرنے کے لئے مولانا تھانویؒ نے مختلف اوقات میں جناح صاحب کی خدمت میں تبلیغی وفود روانہ کئے۔ اس سلسلہ کا پہلا وفد ۲۴ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو (جب کہ مطالبۂ پاکستان مسلم لیگ نے پیش نہیں کیا تھا) مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کی قیادت میں مسلم لیگ کے پٹنہ اجلاس میں پہونچا جس میں ان حضرات کو نماز کی تبلیغ کی گئی (۳۶) اس اجلاس میں مولانا تھانوی نے جو تاریخی بیان بھیجا اس کو عام اجلاس میں پڑھ کر سنانے کی خدمت مولانا ظفر صاحبؒ نے انجام دی۔ اسی موقع پر آپ نے قایدِ اعظم سے ملاقات کر کے مسلم لیگ میں مذہب کو شامل کرنے کی تلقین کی تا کہ ان کی مذہبی شناخت قائم رہے۔ پہلے تو قایدِ اعظم نے تردد ظاہر کیا لیکن مولانا کے استدلالات سے متاثر ہو کر پٹنہ اجلاس میں یہ اعلان کر دیا کہ ” اسلام عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور سیاست کا مجموعہ ہے اس لئے سیاست کے ساتھ مذہب کو بھی اپنانا چاہئے“۔ (۳۷)

دوسری تبلیغی ملاقات ۱۲ر فروری ۱۹۳۹ء کو دہلی کے اجلاس مسلم لیگ دہلی کے موقع پر پھر مذہب و سیاست کی گفتگو ہوئی اس موقع پر بھی مولانا ظفر احمد عثمانی شریکِ وفد تھے۔ (۳۸)

اس کے بعد بھی مولانا ظفر صاحب کی قائد اعظم سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ جن میں وہ مسلم لیگ کے قائدین کو مذہب کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کے پیشِ نظر پاکستان بننے کا مقصد دین پر مضبوطی، اور شریعتِ اسلامیہ پر گامزن رہنا رہا، اسی لئے انہوں نے مطالبۂ پاکستان کی حمایت کی۔

ان کے برخلاف علمائے کرام کا وہ طبقہ جو انہیں ہندستان میں رہنے پر اصرار کر رہا تھا، ان کے ملتِ اسلامیہ کے تئیں مخلص ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا۔ اس جماعت کی قیادت جمعیۃ علماء ہند کر رہی تھی، جو ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کے ساتھ انتخابی سمجھوتہ بھی کر چکی تھی، لیکن بعد میں جمعیۃ علمائے ہند سے لیگ کے قطعِ تعلق کر لینے پر

برگشتہ تھی۔ اسی لئے وہ مسلم لیگ کو مخلص تصور نہیں کرتی تھی، بلکہ وہ یہ سمجھتی تھی کہ مسلم لیگ کے عہدیداروں کا مقصد صوبوں میں بڑی بڑی سرکاری ملازمتوں پر دست درازی اور قبضہ کرنا ہے۔ [۳۹] جہاں تک جمعیۃ علماء کا کانگریس کا ساتھ دینے کا تعلق ہے اس کے بارے میں جمعیۃ کے قائد مولانا حسین احمد مدنیؒ کا کہنا تھا کہ (کانگریس کیساتھ) جمعیۃ علماء ہند سیاسی اور آزادی کی جدوجہد میں صرف اشتراکِ عمل کر رہی ہے، کسی غیر مسلم جماعت یا غیر مسلم قائد کی آنکھ بند کر کے تابعداری نہیں کر رہی ہے"۔ [۴۰] حالانکہ مسلم لیگی علماء کی یہ سوچ غلط نہیں تھی کہ جمعیۃ علماء ہند پوری طرح کانگریس کے تابع تھی اور وہ متحدہ قومیت کی علم بردار تھی جو ایک غیر اسلامی نظریہ ہے، اسی وجہ سے مولانا اشرف علی تھانوی نے بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں چلنے والی تحریک خلافت و تحریک موالات کی باوجودے کہ تمام علماء کو اس کی مخالفت میں تردد تھا، کھل کر مخالفت کی تھی۔ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی مرحوم تحریک خلافت کے مخالف فتوے کو مولانا ظفر احمد عثمانی کی تصنیف بتا رہے تھے جس کا اظہار انہوں نے دیوبند کے ایک جلسہ عام میں برسرِ منبر کیا تھا [۴۱] اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی تھی کہ "یہ فتویٰ مولانا ظفر عثمانی نے اس لئے دیا کہ ان کے والد (شیخ لطیف احمد) عیسائی ہو گئے تھے"۔ [۴۲] ان سطور کا مقصد یہ ہے کہ مولانا تھانویؒ اور دوسرے علمائے مسلم لیگ کانگریس کے خلاف اس قدر سخت موقف اختیار کئے ہوئے تھے کہ مسلمانوں کے معاملات میں انہیں کانگریس سے اشتراک تک گوارا نہیں تھا اور جمعیۃ علماء ہند کانگریس کی مرضی و منشاء کے بغیر ایک قدم بھی چلنے کو تیار نہیں تھی، اس لئے ان دونوں نظریات میں اتحاد کی کوئی راہ ناممکن نظر آ رہی تھی۔

اب جب کہ ان واقعات کو نصف صدی سے زائد عرصہ گذر چکا ہے یہ حقائق سامنے آ گئے ہیں کہ دونوں طبقوں کے علماء میں اخلاص تو تھا لیکن وہ ان سیاسی حالات کو کما حقہ سمجھنے سے قاصر رہے۔ کیونکہ کانگریس کے ہم نوا علماء نے اس کانگریس پر توکل و بھروسہ کیا جو ہندو مہا سبھا کے زیرِ اثر تھی، گاندھی اور نہرو بھلے ہی سیکولر نظریات کے حامی رہے ہوں، لیکن اسی کانگریس کے اہم عناصر سردار ولبھ بھائی پٹیل، پرشوتم داس ٹنڈن اور

گووند بلبھ پنت جیسے متعصب حضرات بھی تھے جو کسی بھی طرح مسلمانوں کے وجود کو ہندوستان کے لئے گوارا ہی نہیں کرتے تھے، ان کی مسلم مخالف ذہنیت نے انکے چہرے پر پڑی ہوئی سیکولرزم کی نقاب اتار دی تھی۔ بھلے ہی جمعیۃ علماء نے اس ذہنیت پر احتجاج کیا ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ آہستہ آہستہ کانگریس ہندو وانہ خیالات و تصورات کو بروئے کار لا رہی تھی اور اس نے واردھا اسکیم، ودھیا اسکیم اور دیہات اسکیم کے نام سے ایسے قوانین وضع کر لئے تھے، جن کا سیاست اور آزادی کے مطالبہ سے کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ ہندوستان کی ہر قوم کو ہندو وانہ رنگ میں رنگنے اور ہندو وانہ طرزِ معاشرت کا عادی بنانا تھا،(۴۳) لیکن چونکہ جمعیۃ کانگریس کی شریک جماعت تھی اس لئے وہ اس کے دور رس اثرات پر غور نہیں کر رہی تھی اور کانگریس کے ساتھ مخلصانہ اتحاد کی روش پر قائم تھی ۱۹۴۷ء اور اس کے بعد کے ہولناک مسلم کش فسادات نے مسلم لیگی علماء کے اس نظریہ کی تصدیق کر دی تھی کہ "اس اشتراک کے نتائج و عواقب مسلمانوں کے حق میں مفید ثابت نہیں ہوں گے، بلکہ معاملہ برعکس ہوگا"۔(۴۴)

دوسری طرف وہ علماء کرام جو مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کا معاملہ کر رہے تھے وہ بھی مخلص تو تھے لیکن یہ حضرات بھی مکر و فریب کی سیاست کے شکار ہو گئے۔ وہ اپنی کامیابی کی معراج ایسی باتوں کو مان رہے تھے کہ جو صرف ظاہری تھیں، مثلاً مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں مولانا ظفر احمد صاحب کی نماز کے لئے تلقین اور اسکے نتیجہ میں مسلم لیگ کا اجلاس نماز کے لئے ملتوی کر دینا اور پھر قائد اعظم سمیت تمام لوگوں کا نماز باجماعت ادا کرنا(۴۵) کامیابی کی معراج تصور کیا جا رہا تھا اور یہ سوچا جا رہا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد وہاں کے احکامات اسلامی ہوں گے۔ یہ سب خیال خام ثابت ہوا۔ پاکستان بننے کی چھ دہائیاں گذر جانے اور مستقل طور پر مسلمانوں کی حکومت کہلائے جانے کے باوجود دستور اسلامی کا نفاذ نہ ہونا اس بات کے واضح دلائل ہیں کہ قائدین مسلم لیگ نے اپنے علمائے کرام کو مغالطہ میں مبتلا رکھا۔ اور سیاسی مصلحتوں کی خاطر وقتی طور پر نماز کا بھی اہتمام کیا گیا اور جماعت کا بھی لیکن چونکہ ان کا ذہن اسلامی مملکت کے تصور سے عاری

تھا اس لئے آج تک یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا۔ اور آج اس مملکتِ خداداد کے جو اندرونی حالات ہیں وہ ہمہ وقت ہم سب کے سامنے ہیں۔ اس لئے اگر علمائے کرام اس وقت قیادت اپنے ہاتھ میں رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ پاکستان کی وہ تصویر نہ ہوتی جو آج دنیا کے سامنے موجود ہے۔ اقتدار کے حکمراں افراد اسلامی مملکت کا تصور تو کجا انسانی مملکت کو بھی خواب و خیال بنائے ہوئے ہیں، اور اکثر و بیشتر مخلص علمائے کرام اس حسرت میں دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں (اللہ انکی قبروں کو نور سے بھرے) اور جو باقی بچے وہ خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں، اور اسلامی دستور ساز کمیٹی یا ریاست اسلامی کی تشکیل تو کیا ہوتی اسلام کے بتائے ہوئے راستوں پر انفرادی یا اجتماعی زندگی بھی مشکل سے نظر آتی ہے۔ نتیجتاً پاکستان وہ پاکستان نہیں بن سکا جس کے تانے بانے خواب و خیال میں ہمارے علمائے کرام مثلاً مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا عبدالکریم کمتھلوی اور مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی جیسے جید علماء نے بنے تھے، ان حضرات کی نیت میں اخلاص تھا۔ اور انہیں یہ امید نہیں تھی کہ مذہب کے ساتھ بھی سیاسی حضرات ایسا مذاق کرسکتے ہیں۔

ان علمائے کرام نے اپنا سیاسی قائد (قائدِ اعظم) محمد علی جناح کو بنایا اور ان سے یہ توقعات وابستہ کیں کہ وہ مذہبی میدان میں ان کا اتباع کریں گے[۴۶] حالانکہ محمد علی جناح سیاست کو شطرنج سے تشبیہ دیتے تھے، لیکن سیاسی شطرنج کو انصاف کے ساتھ کھیلنے کے قائل تھے[۴۷] وہ اسلامی نظامِ حکومت میں ملائیت کے قائل نہیں تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی بطور ایک نظریہ نظام مغرب ہی کی پیداوار ہے، اسلام میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔[۴۸]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ جو کہ حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے خواہشمند تھے انہیں مسلم لیگ سے یہی شکایت تھی کہ مسلم لیگ اور اس کے ذمہ دار قائدین میں سے کسی کی تقریر میں اس وقت (۱۹۴۱ء) تک یہ بات واضح نہیں کی گئی تھی کہ ان کا آخری مطمح نظر پاکستان میں اسلامی نظامِ حکومت ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان کے پیشِ نظر ایک ایسی

جمہوری حکومت کا قیام تھا جس میں دوسری غیر مسلم قومیں بھی حصہ دار ہوں مگر اکثریت کے حق کی بنا پر مسلمانوں کا حصہ غالب ہو۔ (۴۹) اسی وجہ سے وہ مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان سے اس شکل میں پوری طرح اتفاق نہیں رکھتے تھے اور ۱۹۴۵ء کے الیکشن کے موقع پر انہوں نے صاف اعلان کردیا تھا کہ ''ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کرلیجئے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا بھی اثر ہماری قوم پر پڑتا ہو بہرحال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کرلیں جن پر ایمان لائے ہیں۔ (۵۰) حالانکہ صاحبِ تذکرۃ الظفر نے مودودی صاحبؒ کے اس اقتباس کو دوسرے معنی میں پیش کیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مودودی صاحبؒ کے ان اقتباسات سے اتنا تو واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اس جمہوریت کے قائل نہیں تھے جس کی دعویداری مسلم لیگ کررہی تھی، بلکہ وہ خالص نظریاتی اسلامی حکومت کے قیام کی خواہش رکھتے تھے اسی لئے وہ کسی سیاسی جماعت کے نظریات سے اتنے زیادہ متاثر نہیں تھے کہ اسلامی اقدار و اصول کو قربان کردیں۔ چنانچہ انہوں نے دیگر معاصر علمائے کرام کی طرح مسلم لیگ یا اس کے قائدین کی آنکھ بند کر کے تقلید نہیں کی۔ دیگر علمائے کرام نے اس وقت صرف مطالبۂ پاکستان پیش نظر رکھ کر یہ سوچا تھا کہ بعد میں ہم اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کرتے ہوئے مملکتِ اسلامیہ پاکستان کا دستور اسلامی بنوالیں گے لیکن جب تشکیل پاکستان کے چھ ماہ سے زائد عرصہ گذر جانے کے باوجود وہاں اسلامی آئین نافذ نہیں ہوئے تو ان حضرات کو اس کا احساس بھی ہوا۔ مارچ ۴۸ء میں جب قائدِ اعظم بحیثیت گورنر جنرل مشرقی پاکستان کے دورے پر گئے تو مولانا ظفر احمد صاحب نے ملاقات کرتے ہوئے جس شکایتی لہجہ میں قائدِ اعظم کو مخاطب فرمایا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات کے صالح جذبات کی قدر پاکستانی حکمرانوں نے نہیں کی۔ آپ نے فرمایا کہ ''اب تک (پاکستان میں) آئینِ اسلام بھی جاری نہیں ہوا، جس کا وعدہ ہم نے قوم سے کیا تھا اور اسی وعدہ کی بناء پر یوپی

اور بہار وغیرہ کے مسلمانوں نے پاکستان کیلئے ووٹ دیے تھے (۵۱) پھر دوسری ملاقات میں مولانا ظفر صاحب نے اس وعدہ کی طرف توجہ دلائی کہ ''آپ نے حصولِ پاکستان سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ دستورِ پاکستان کتاب وسنت کے موافق ہوگا۔ یہ وعدہ جلد پورا کیا جائے''۔ (۵۲) قائداعظم نے اطمینان دلایا لیکن ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

بہر حال ہونا یہ چاہئے تھا کہ تمام علمائے کرام (بشمول کانگریس و مسلم لیگ) اپنے اپنے نظریات پر نظر ثانی کرنے کیلئے اخلاص کیساتھ مل بیٹھ کر محض رضائے خداوندی کی خاطر ملتِ اسلامیۂ ہند کیلئے کوئی ایسی راہ نکالتے جسمیں انکی عزت و وقار کا تحفظ بھی ہو اور انکی شخصیت و معاشرت میں بھی سدھار ہو سکے۔ اگر چہ کہنے کو ان اکابرین کی کئی بار میٹنگیں ہوئیں لیکن چونکہ ہر دو فریق کے ذہن میں ضمناً یہ خواہش رہتی تھی کہ ''فریقِ مخالف کو اپنے نظریات کا قائل کرلیا جائے''، اسی لئے وہ عقلی و نقلی دلائل سے دوسرے کو زیر کرنا چاہتے تھے۔ کسی بھی فریق کے اپنے نظریہ سے نہ ہٹنے کے نتیجہ میں جو کچھ سامنے آیا، اسکی گواہ اگر چہ یہ نئی نسل نہیں ہے تاہم تواتر کیساتھ نفرت و عداوت کی جو کہانیاں اس نسل تک پہونچی ہیں وہ انتہائی تکلیف دہ ہیں اور ہندوستان میں رہنے والے محبِ وطن افراد کو فرقہ پرستوں اور انکے سیاسی رہنماؤں کی بدولت جن تکلیف دہ حالات سے گذرنا پڑا انکا تذکرہ بھی لرزہ خیز ہے۔ اور یہ سلسلہ جاری ہی ہے۔ یقینی بات ہیکہ اگر برِ صغیر کی ملتِ اسلامیہ منتشر نہ ہوئی ہوا اور کسی طرح سمجھوتہ کی راہ نکال لی جاتی تو آج کے حالات دگرگوں ہوتے۔ یہ صرف اپنا خیال ہے ورنہ حقیقت یہ ہیکہ مسلم مذہبی طبقہ کے دونوں گروہوں (ہندنواز اور پاک نواز) نے ہی اخلاص کیساتھ اپنی سیاسی کوششوں کو عملی جامہ پہنایا لیکن سیاست سے وابستہ دونوں فریق (کانگریس اور مسلم لیگ) نے ان مخلص ترین بندگانِ خدا کا استحصال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن یہ سب مقدرات تھے، جن پر افسوس کے سوا کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور افسوس بھی کار آمد نہیں ہوسکتا، اسلئے اب اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد صاحب کی ان سیاسی خدمات کا جائزہ لینا ہے جو انہوں نے قیامِ پاکستان کے بعد انجام دیں۔

﴿حواشی﴾ تیسرا باب فصل دوم

(۱) فتح الباب (ماہنامہ الرشید کراچی، دار العلوم دیوبند نمبر) ۱۹۸۰ء/ص: ۱۵
(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں اعلاء السنن/مولانا ظفر احمد عثمانی/ مکتبہ دار العلوم کراچی/ ۵۰۸/۱۲
(۳) تذکرۃ الظفر/ص: ۳۵۸
(۴) تذکرۃ الظفر/ص: ۳۵۸
(۵) اردو انسائیکلو پیڈیا/مدیر اعلیٰ پروفیسر فضل الرحمٰن/قومی کونسل برائے اردو ترقی نئی دہلی/۱۹۹۶ء/۵۱۲/۱
(۶) تذکرۃ الظفر/ص: ۳۶۶
(۷) ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے/مرتبہ خلیق انجم/اردو اکادمی، دہلی/۱۹۸۶ء/ص: ۱۰۳
(۸) ابوالکلام آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت/مرتبہ رشید الدین خاں/ترقی اردو بیورو نئی دہلی/۱۹۸۹ء/ص: ۴۵۲
(۹) تذکرۃ الظفر/ص: ۳۵۹
(۱۰) مجدد ملت اور قومیات و سیاسیات حاضرہ/عبد الباری ندوی/ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ/۵۹/۱
(۱۱) موج کوثر/شیخ محمد اکرام/تاج کمپنی دہلی/۱۹۸۷ء/ص: ۲۰۶
(۱۲) تذکرۃ الظفر/ص: ۳۶۹_۳۷۰
(۱۳) تذکرۃ الظفر/ص: ۳۷۱
(۱۴) تذکرۃ الظفر ص: ۳۷۳
(۱۵) تذکرۃ الظفر ص: ۳۷۵
(۱۶) شذرات (معارف اعظم گڑھ) معین الدین احمد ندوی) نومبر ۵۹ء/۵/۸۴
(۱۷) روزنامہ عصر جدید کلکتہ/۱۲/مارچ ۱۹۴۶ء
(۱۸) تذکرۃ الظفر/ص: ۳۷۸
(۱۹/۲۰) تذکرۃ الظفر/ص: ۳۸۳
(۲۱) تذکرۃ الظفر ص: ۳۸۲_۳۸۸
(۲۲) مجاہد ملت کے چند ... ے/مولانا محمد میاں/الجمعیۃ دہلی مجاہد ملت نمبر/۱۹۶۲ء/ص: ۵۷
(۲۳) تحریک پاکستان میں علمائے دیوبند کا کردار/ماہنامہ الفاروق کراچی/جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ

(۲۴) تذکرۂ شیخ مدنی / مولوی راشد حسن عثمانی / راشد کمپنی دیوبند / ۱۹۷۷ء / ص: ۱۶۹
(۲۵) مکتوبات شیخ الاسلام / نجم الدین اصلاحی / مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۵۲ء / ۱ / ۴۱۹
(۲۶) تاریخ جمعیۃ علمائے ہند / ۱ / ۲۸۳
(۲۷) مکتوبات شیخ الاسلام / ۱ / ۲۸۳
(۲۸) حیات عثمانی / پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی / مکتبہ دار العلوم کراچی / ۱۹۸۵ء ۱۴۰۵ھ / ص: ۵۰۷
(۲۹) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۷۰
(۳۰) تذکرۃ الظفر / ص: ۲۸۸ و ماہنامہ الفاروق کراچی / جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ اکتوبر ۱۹۹۷ء ص: ۵۰۷
(۳۱) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۸۹
(۳۲) تجلیات عثمانی / انوار الحسن شیرکوٹی / نشر المعارف، ملتان / دسمبر ۵۷ء / ص: ۶۵۹-۶۶۰
(۳۳) مکتوبات شیخ الاسلام / ۲ / ۸۶
(۳۴/۳۵) حیات امداد / انوار الحسن شیرکوٹی / مدرسہ اسلامیہ عربیہ، نیوٹاؤن، کراچی / ۱۹۶۵ء / ص: ۲۴
(۳۶) حیات امداد / انوار الحسن شیرکوٹی / مدرسہ اسلامیہ عربیہ، نیوٹاؤن، کراچی / ۱۹۶۵ء / ص: ۳۵
(۳۷) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۶۶-۳۶۷
(۳۸) حیات امداد / ص: ۲۵
(۳۹) مکتوبات شیخ الاسلام / ۱ / ۶۸۲
(۴۰) مکتوبات شیخ الاسلام / ۱ / ۴۲۳
(۴۱/۴۲) کہاں سے چلے تھے؟ مفتی عتیق الرحمان عثمانی (ہفت روزہ عزائم لکھنؤ کا خاص نمبر ''جدید جدوجہد آزادی اور اسکے بعد'' دسمبر ۷۳ء

(ضروری نوٹ) مفتی عتیق الرحمان عثمانی مرحوم ایک معتبر عالم دین کی حیثیت سے متعارف رہے ہیں۔ ان کے اس بیان میں جذبات سے مغلوبیت کا اظہار ہے۔ ورنہ شیخ لطیف احمد کے متعلق ہم ابتداء میں عرض کر چکے ہیں کہ وہ عیسائی نہیں ہوئے تھے، بلکہ انگریزی تعلیم کے دلدادہ اور مشنری اسکول آگرہ میں فارسی مدرس ہونے کے باعث اس زمانہ کے سخت گیر مزاج رکھنے والے حضرات نے انکے خلاف یہ مشہور کر دیا تھا۔ ان کے عیسائی ہونے کا کوئی دستاویزی ثبوت موجود نہیں ہے۔ ان کے خاندان کے افراد کے بموجب وہ عبادت گذار تہجد تک کے پابند تھے۔ ان کا انتقال آگرہ میں ہوا اور وہیں دفن کئے گئے۔ یہ زمانہ انگریزوں اور ان کی زبان سے نفرت کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کو انگریزی زبان سے رغبت دلانا ہی کسی آدمی کو انگریز یا عیسائی بنانے کے لئے کافی تھا۔ اسی وجہ سے ان کے دیوبند اور اپنے تمام خاندان سے مراسم منقطع رہے۔ انگریزی

زبان سے محبت اور لگاؤ کے باعث ہی ان پر عیسائیت کا داغ لگا۔ جس کا اظہار مفتی صاحب مرحوم جیسے حضرات بھی جذبات کی رو میں بہہ کر کر گئے۔

(۴۳) تذکرۃ الظفر رص:۳۶۱

(۴۴) تذکرۃ الظفر رص:۳۶۰

(۴۵) تذکرۃ الظفر رص:۳۶۷

(۴۶) تذکرۃ الظفر رص:۳۹۲

(۴۷/۴۸) دائرہ معارف اسلامیہ اردو ردانشگاہ پنجاب لاہور راگست ۱۹۸۶ء/۱۹/۴۸۶

(۴۹) مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش (حاشیہ) رترجمان القرآن رمولنا ابوالاعلیٰ مودودی رپٹھان کوٹ طبع دوم رجون ۱۹۴۲ء/۳/۱۰۶

(۵۰) تذکرۃ الظفر رص:۳۱۳

(۵۱/۵۲) تذکرۃ الظفر رص:۳۹۲
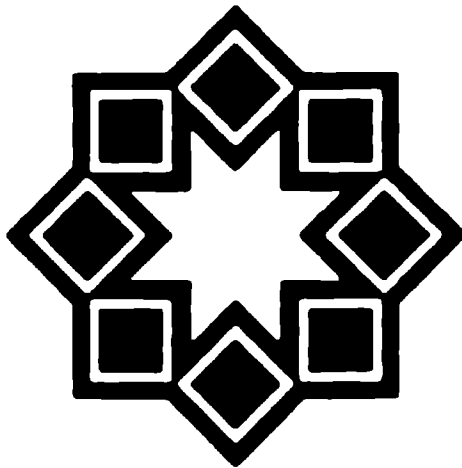
فصل سوم

مولانا ظفر احمد عثمانی کی قومی وسیاسی خدمات

(قیامِ پاکستان کے بعد)

۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشہ پر پاکستان وجود میں آ گیا جو دو حصوں میں تھا۔ ایک حصہ مشرقی پاکستان کہلایا اور دوسرا حصہ مغربی پاکستان۔ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کی راجدھانی ڈھاکہ تھی اور مغربی پاکستان کی راجدھانی کراچی۔ عملاً دو جدا ریاستیں اسلام کے نام پر متحدہ پاکستان کی شکل میں ایک کہلائیں۔ اب سب سے بڑا مسئلہ پاکستان کی دستور سازی کا تھا۔ علمائے کرام نے اخلاص کے ساتھ مسلم لیگ کا ساتھ اس شرط پر دیا تھا کہ یہ خالصۃً اسلامی ریاست ہوگی، جس کا دستور، آئین اور قوانین شریعتِ اسلامیہ کے ماتحت ہوں گے۔ مسلم لیگ کے قائدین نے روزِ اول سے سلطنتِ اسلامیہ کے سبز باغ دکھلا کر عوام کو مطالبہٴ پاکستان کے لئے ہم نوا کیا تھا۔ اور متحدہ قومیت سے اسی وجہ سے اختلاف کیا تھا کہ وہ اسلامی نظریہ کے خلاف تھا۔

تحریک حکومتِ اسلامیہ:

پاکستان بننے کے بعد علمائے کرام کا یہ مخلص طبقہ پہلے تو انتظار کرتا رہا کہ شاید اربابِ حکومت از خود اس طرف متوجہ ہوں لیکن جب اصحابِ اقتدار کے کانوں پر جوں رینگتی نہ دیکھی گئی تو علمائے کرام نے اس کیلئے تحریک چلائی۔ مولانا ظفر احمد صاحب بسلسلۂ ملازمت ڈھاکہ میں ہی مقیم تھے اسلئے انہوں نے مشرقی پاکستان میں اس تحریک کی باگ ڈور سنبھالی وہ اسلامی آئین کے حق میں فضا تیار کرتے رہے اور رائے عامہ ہموار کرتے رہے۔ اس کیلئے علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی مشرقی پاکستان کا دورہ کیا اور چھوٹے

بڑے اجلاس کو خطاب کیا۔ ان جلسوں کا مقصد، ان قراردادِ مقاصد کو منظور کرانا تھا جن کی رو سے پاکستان کو آئینِ اسلامی کا پابند بنانا تھا۔ اور یہ کوششیں تقسیم ہند سے قبل جاری تھیں لیکن اب ان میں تیزی اس لئے لانی پڑی کہ حکومت وعدوں کے باوجود اس کا ایفاء نہیں کررہی تھی۔ مولانا ظفر صاحب کی جناح صاحب سے تقسیم سے قبل جتنی دفعہ بھی گفتگو ہوئی تھی ان میں یہی موضوع سرِ فہرست تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، مفتی محمد شفیع عثمانی، مولانا شبیر احمد تھانوی وغیرہم بھی جناح صاحب کو بار بار یاد دہانی کرا چکے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں محمد علی جناح صاحب نے جب مشرقی پاکستان کا دورہ کیا تو اس موقع پر بھی مولانا ظفر صاحب نے جناح صاحب کی توجہ اس طرف دلائی تھی، جب گفتگو سے یہ مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آیا تو عوامی بیداری مہم کے تحت جگہ جگہ اجلاس منعقد کرائے گئے۔ کیونکہ ۱۹۴۸ء میں محمد علی جناح کی وفات کے بعد یہ معاملہ سرد خانہ میں جارہا تھا، اور پاکستان کی تخلیق کے بعد اسکا حکمراں طبقہ اتنی سی بات سے مطمئن تھا کہ پاکستان کی اپنی ایک خارجی اسلامی ہیئت موجود ہے، لیکن اس کی حکومت ان ہی خطوط پر چلائی جارہی تھی جو برطانوی ہند کے دنیوی اسالیب سے حتی الامکان قریب تر تھی [1] لیاقت علی خاں مرحوم (وزیرِ اعظم، پاکستان) نے مارچ ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں ان قراردادِ مقاصد کو منظور کرالیا لیکن ۱۹۵۰ء میں انہوں نے جو دستور پیش کیا اسے پاکستان کی ملت اسلامیہ نے نا منظور کردیا اور اس پر علماء کی طرف سے زبردست احتجاج ہوا۔ جس میں مولانا ظفر احمد عثمانی بھی پیش پیش تھے، [2] لیاقت علی خاں کی شہادت (۱۹۵۱ء) کے بعد یہ معاملہ پھر سرد خانہ میں جاتا نظر آنے لگا۔

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر ایک نظر قراردادِ مقاصد اور آئین اسلامی پاکستان پر ڈال لی جائے جو ان علمائے کرام کی دن رات کی محنتوں و کاوشوں سے مرتب کئے گئے تھے۔

قراردادِ مقاصد:

جس وقت پاکستان بنا تو اس وقت وہاں پر حکومتِ برطانیہ کا تیار کردہ گورنمنٹ

آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء (ان ترمیمات کے ساتھ جو قیامِ پاکستان کے ساتھ عمل میں لائی گئیں تھیں) رائج تھا۔ یہ پاکستان کا پہلا آئین قرار دیا گیا، [۳] یہ ایکٹ بنیادی طور پر ایک خود مختار جمہوری مملکت کا آئین نہیں تھا، بلکہ اسے برطانوی حکومت نے اپنے ماتحت ایک علاقے پر حکومت کرنے لئے وضع کیا تھا، [۴] ۱۲ر مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان اسمبلی میں آئندہ آئین کے متعلق قراردادِ مقاصد منظور کی گئی، جس میں پاکستان کا دستور قرآن وسنت کے مطابق بنانے کا عہد کیا گیا تھا۔ اس قرارداد مقاصد کے مندرجات میں تھا کہ (۱) اللہ کی حاکیت اور اس کے مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے اہلِ پاکستان اقتدار کا استعمال کریں گے۔ (۲) پاکستان ایک ایسی جمہوری مملکت ہوگی، جس میں ریاست اپنے اختیارات عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔ (۳) سب لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی، مساوات، رواداری اور معاشرتی عدل کے اسلامی تصورات پیش نظر رکھے جائیں گے۔ اور (۴) پاکستان کے مسلمانوں کو اس قابل بنا دیا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے اپنی زندگی کتاب وسنت کی تعلیمات کے مطابق ڈھال سکیں''، [۵] جیسی دفعات بھی شامل تھیں۔

۱۲ر مارچ ۱۹۴۹ء کو لیاقت علی خاں (وزیرِ اعظم، پاکستان) نے قراردادِ مقاصد کو اسمبلی میں پیش کر دیا جسے منظور کر لیا گیا، لیکن اسے نافذ کرنے کے لئے بنیادی اصولوں کی کمیٹی (Basic Principles Committee) مقرر کی گئی۔

لیاقت علی خاں ۱۷/اکتوبر ۱۹۵۱ء کو قتل کر دئے گئے۔ انکے بعد خواجہ ناظم الدین (جواب تک محمد علی جناح کی وفات کے بعد سے پاکستان کے گورنر جنرل تھے)، پاکستان کے وزیرِ اعظم اور ملک غلام محمد گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ خواجہ ناظم الدین ایک نیک دل اور نرم مزاج مسلمان تھے۔ انکے عہد میں آئین سازی کی رفتار سست پڑ گئی۔ [۶]

اس وقت مولانا ظفر احمد صاحب مرحوم نے پھر ان حضرات کو اس طرف توجہ دلائی۔ ۱۹۵۲ء میں ملک غلام محمد صاحب ڈھاکہ گئے تو اس موقع پر بھی مولانا ظفر احمد صاحب نے علماء کی ایک جماعت کیساتھ ان سے ملاقات کی اور دستورِ اسلامی جلد سے

جلد نافذ کرنے پر زور دیا، (۷) آپ نے حکومت کی سرد مہری کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے صاف الفاظ میں کہا کہ "حکومت اپنے ان وعدوں کو یاد کرے جنکی بنیاد پر تخلیقِ پاکستان عمل میں آئی۔ پاکستان بننے سے پہلے بار بار کہا گیا تھا کہ دستورِ پاکستان اور آئین ،قرآن اور نظامِ اسلامی کے مطابق ہوگا"۔ (۸) بالآخر ۲۲ر دسمبر ۱۹۵۲ء کو خواجہ ناظم الدین نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ پیش کردی، جس میں سفارش کی گئی تھی کہ مرکز میں دوایوانی مقننہ قائم کی جائے، علماء کا ایک بورڈ بنایا جائے جو یہ دیکھے کہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے بنائے ہوئے قوانین قرآن وسنت کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اور کابینہ صرف ایوان نمائندگان کے سامنے جوابدہ ہو (۹) اس رپورٹ پر غور کرنے کیلئے مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کی تحریک پر تمام مکاتبِ فکر کے علماء کو کراچی میں جمع کیا گیا جس میں مولانا ظفر احمد صاحب (بحیثیت صدر جمعیۃ علمائے اسلام، پاکستان) شریک ہوئے۔ (۱۰)

۱۷ر اپریل ۵۳ء کو ملک غلام محمد نے وزیرِ اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین کو برطرف کر کے محمد علی بوگرا کو بطور وزیر اعظم وزارت سازی کی دعوت دی۔ محمد علی بوگرا ایک کامیاب حکمراں ثابت نہیں ہوسکے۔ اور ملک داخلی وخارجی انتشار کا شکار ہو گیا اس لئے آئینِ اسلامی کی طرف پوری توجہ نہیں دے سکے۔ گورنر جنرل کی مداخلت سے بچنے کیلئے اگست ۱۹۵۲ء میں ایک مسودۂ قانون پیش کیا گیا، جس کی رو سے گورنر جنرل کے اختیارات میں کمی کردی گئی۔ اس کے بعد بنیادی اصولوں کی ترمیم شدہ رپورٹ منظور کی گئی اور اسے مسودۂ آئین کی شکل دینے کیلئے ماہرین کے پاس بھیج دیا گیا۔ عین اسی وقت جب اسمبلی دستور سازی کا کام ختم کر چکی تھی، ۲۴ر اکتوبر ۵۴ء کو ملک غلام محمد نے اپنے خصوصی اختیارات کے تحت اسے برطرف کردیا، (۱۱) اسکے بعد جولائی ۵۵ء میں انتخابات ہوئے جس میں چودھری محمد علی کو وزیر اعظم بنادیا گیا۔ انکے دور میں فروری ۱۹۵۶ء میں پاکستان کا دستور منظور ہوا جو ۲۳ر مارچ ۱۹۵۶ء کو نافذ کردیا گیا۔ یہ دستور جمہوری اور پارلیمانی طرز کا تھا اور اس میں ملک کو جمہوریۂ اسلامیہ پاکستان کا نام دیا گیا۔ (۱۲)

اس طریقہ پر مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد حسن امرتسری، سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبد الکریم گمتھلوی، پیر مانکی شریف، اور دیگر علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی وہ کوششیں کسی نہ کسی حد تک کامیاب ہوگئیں جو انہوں نے مطالبۂ پاکستان کیلئے گذشتہ دو دہائیوں سے کی تھیں۔

۵۶ء کے آئین میں اگرچہ قرار داد مقاصد کے مطابق یہ تسلیم کرلیا گیا تھا کہ پاکستان کا کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس آئین میں بھی کئی دفعات خلافِ اسلام پائی جاتی تھیں۔ اس پر مولانا ظفر احمد صاحب اور دیگر علمائے کرام نے غور وخوض کر کے قرآن وسنت کے موافق ایسی ترمیمات پیش کیں جن کے شامل کرنے سے ۵۶ء کا آئین مکمل طور پر اسلامی بن جاتا تھا۔ اس آئین میں کچھ ترمیمات اس طریقہ پر بھی کی گئی تھیں کہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں گہرا تعلق قائم رہے، لیکن پاکستان مخالف عناصر نے ۵۶ء کے آئین کی بحالی کے مطالبہ کی مخالفت کی اور نئے آئین کا مطالبہ کیا، جس کے نتیجہ میں ملی سالمیت جس طرح پارہ پارہ ہوئی وہ سب پر واضح ہے، اس کے نتائج ۷۱ء کی مغربی ومشرقی پاکستان کی تقسیم کی شکل میں دیکھنے کو ملے۔ [۱۳] اگر مولانا ظفر صاحب اور دیگر علمائے کرام کی ان ترمیمات کو قبول کرلیا جاتا جو انہوں نے ۵۶ء میں پیش کی تھیں تو شاید پاکستان کو تقسیم کے اس عمل سے نہ گذرنا پڑتا جس نے مشرق ومغرب کو جدا کردیا۔

مولانا ظفر صاحب بار بار اپنے خطوط کے ذریعہ اربابِ حکومت کو اس امر پر متنبہ کرتے رہے کہ اگر پاکستان میں اسلامی دستور نافذ نہیں کیا گیا تو پاکستان کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا اس سلسلے میں انہوں نے ستمبر ۵۵ء میں اس وقت کے وزیرِ اعظم، پاکستان چودھری محمد علی کو ایک خط لکھا جس میں ان کی توجہ اس طرف دلائی گئی کہ مشرقی پاکستان کے بعض غیر مسلم حضرات نے نصابِ تعلیم سے دینیات کو حذف کرنے اور مخلوط انتخابات کی جو تحریک چلائی ہے وہ اس دوقومی نظریہ کے بالکل مخالف ہے جس پر پاکستان کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ اس کا جواب وزیرِ اعظم کے سیکریٹری نے ان مطالبات کو تسلیم نہ

کرنے کی صورت میں دیا پھر دوسرا خط مولانا ظفر احمد صاحب نے ۱۰ را کتوبر ۵۵ء کو لکھا جس میں مولانا نے اپنے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ "پاکستان اسی وعدے پر اس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا کہ اس کو ایک مثالی مملکت بنایا جائے گا، مگر افسوس! یہ وعدہ اب تک ایفاء نہ ہوا"۔ آگے تحریر فرماتے ہیں کہ "پاکستان میں دستور اسلامی و قانون شرعی جلد نافذ ہو جائے تا کہ وہ صحیح معنوں میں ایک مثالی اسلام کی سلطنت بن جائے، (۱۴) چنانچہ چودھری محمد علی کی کوششوں کے نتیجہ میں ان کے پیش کردہ دستور کو ۲۹ر فروری ۱۹۵۶ء کو رات کے ۱۲ ربجے دستور ساز اسمبلی نے منظور کرلیا، کیوں کہ اس کے لئے قانونی کمیشن بننا ضروری تھا جو اسمبلی کو تدریجی طور پر اسلامی قوانین بنانے کیلئے سفارشات کرتا رہے۔ اس کی اعزازی ممبری کے لئے مولانا مرحوم کو بھی منتخب کیا گیا۔ (۱۵) اس طریقہ پر ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا مرحوم نے پاکستان بنانے کی تحریک میں جس مقصد کے تحت حمایت کی تھی اس سے انہوں نے کبھی منہ نہیں موڑا بلکہ اس کے لئے وہ مسلسل کوشاں رہے، قرار دادِ مقاصد کو اسمبلی میں منظور کرانے میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی مساعیٔ جمیلہ دستور اسلامی کا ایک سنہرا کارنامہ ہے۔

پاکستان بننے کے بعد یوں تو مولانا کے بہت سے تاریخی کارنامے ہیں جن کی تفصیل طوالت سے خالی نہیں تاہم کچھ ضروری چیزوں پر روشنی ڈالنی ضروری ہے تا کہ آپ کے علمی وسیاسی مقام کا تعین کیا جاسکے۔

خیر سگالی وفد برائے حج:

۱۹۴۹ء میں پاکستان کا پہلا خیر سگالی وفد برائے حج روانہ ہوا جس کی قیادت کے فرائض مولانا مرحوم نے انجام دیئے۔ جہاں آپ کے وفد کی دیگر اراکین کے ساتھ جلالۃ الملک سلطان عبد العزیز ابن سعود سے تفصیلی ملاقات ہوئی۔ فصیح عربی زبان میں آپ نے سلطان عبد العزیز سے وفدِ پاکستان کے حج پر آنے کا مقصد بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: "ہم پاکستان اور سعودی حکومت کے درمیان محبت کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں"۔ اس کے جواب میں سلطان عبد العزیز نے شکریہ کا اظہار

کیا۔[۱۶] پھر شاہ عبدالعزیز کی خواہش پر ۹/ذی الحجہ کو میدانِ عرفات میں امام کعبہ کے ساتھ مسلمانانِ عالم کو خطاب فرمایا اور ریڈیو جدہ سے بھی متعدد بار عربی اور اردو دونوں زبانوں میں خطاب کیا۔[۱۷] حجاز سے واپسی پر وفد پاکستان اور مملکتِ سعودیہ عربیہ کے متعلق مولانا مرحوم کے تاثرات وخیالات کراچی ریڈیو اسٹیشن سے تقریر کی شکل میں نشر ہوئے جس میں آپ نے سلطان عبدالعزیز کے تعلق سے فرمایا کہ ''وہ اس بات کی تاکید فرماتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت وطاقت اور فلاح وکامرانی کا تمام تر دارومدار دین کی قوت پر ہے مملکت پاکستان کو دنیا سے زیادہ دین کا اہتمام کرنا چاہئے تاکہ نصرتِ الٰہی اس کے ساتھ ہو''۔[۱۸] علاوہ ازیں آپ نے تمام ممالکِ اسلامیہ مثلاً عراق، شام، مصر، افریقہ، مراکش، انڈونیشیا وغیرہ کے خیر سگالی وفود سے ملاقات کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ وہ سب قرارداد مقاصد پاس ہونے سے بہت زیادہ خوش ہیں اور منتظر ہیں کہ پاکستان میں بہت جلد نظام شرعی نافذ ہو جائے''۔[۱۹]

مولانا کی اس تقریر سے واضح ہے کہ انہوں نے روزِ اول سے ہی پاکستان میں شرعی نظام نافذ کرنے کے لئے جو تحریک چلائی تھی اس میں دیگر ممالک اسلامیہ کے اسلام پسندوں کی تائید بھی شامل تھی۔

مشرقی پاکستان سے واپسی:

۱۹۵۴ء میں مشرقی پاکستان کے عوامی انتخابات میں مسلم لیگ، عوامی لیگ اور متحدہ محاذ سے الیکشن میں شکست سے دوچار ہوئی تو مولانا مرحوم کو اس کا بڑا قلق ہوا اور وہ مشرقی پاکستان سے دل برداشتہ ہو گئے، نتیجۃً وہ مشرقی پاکستان سے رخت سفر باندھ کر مغربی پاکستان روانہ ہو گئے، اور عوامی سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو کر علمی کاموں میں لگ گئے۔ یہاں آ کر وہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہیار کے عہدۂ شیخ الحدیث پر فائز ہو کر علمی کاموں میں منہمک ہو گئے اور تقریباً بیس سال تک قرآن وحدیث کی تعلیم ونشر واشاعت میں مصروف رہے۔[۲۰] غالباً ایسا آپ نے اس لئے کیا کہ آپ کسی مرکزی شہر میں رہتے ہوئے یکسوئی نہیں حاصل کر سکتے تھے، لیکن سیاسی خدمات کے لئے جب

کبھی بھی مولانا نے ضرورت محسوس کی تو شرعی حدود اور حفاظتِ اسلام اور خدمتِ پاکستان کے لئے میدان عمل میں موجود رہے۔

چنانچہ جب حسین شہید سہروردی کے دورِ وزارت میں ملکی قوانین کو اسلامی قوانین کی شکل میں ڈھالنے کے لئے ایک لاء کمیشن قائم ہوا تو اس میں علامہ علاء الدین صدیقی سابق وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی، مولانا امین احسن اصلاحی، اور شیعہ عالم حافظ کفایت حسین کے ساتھ مولانا ظفر احمد عثمانی نے بھی بحیثیت ممبر لاء کمیشن خدمات انجام دیں اور نہایت مفید و قابل عمل سفارشات پیش کیں، لیکن افسوس کہ دیگر سفارشات کی طرح ان سفارشات پر بھی عمل نہیں ہوسکا۔ (۲۱)

مولانا مرحوم نے تمام خدمات محض رضائے الٰہی کی خاطر انجام دیں۔ اور کوئی معاوضہ یا حق المحنت وصول نہیں کیا، پاکستان کے بننے میں مولانا نے جو خدمات انجام دیں وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں لیکن مولانا کی نظر کبھی کسبِ دنیا پر نہیں رہی۔ تقسیم کے فوراً بعد وہ اگر چاہتے تو اور حضرات کی طرح بڑی بڑی جائدادیں حاصل کر سکتے تھے لیکن مولانا نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے کسی جائداد کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھا اور حسبِ معمول کرایہ کے مکان میں رہائش پذیر رہے۔ مولانا کے منجھلے صاحبزادے مولانا قمر عثمانی نے جب ڈھاکہ کے مجسٹریٹ رحمت اللہ صاحب سے مل کر ایک مکان حاصل کرنا چاہا تو مولانا نے سخت مزاحمت کرتے ہوئے ریکوئزیشن آرڈر منسوخ کرادیا۔ جب مغربی پاکستان میں منتقل ہوئے تو نہ تو اپنے نام پر اور نہ ہی اپنی اولاد کے نام پر کوئی متروکہ جائداد حاصل کی۔ ان سب حضرات نے اپنی شبانہ روز کی محنت سے اپنے مستقر بنائے لیکن مولانا مرحوم نے قیامِ پاکستان کے سلسلے میں اپنی خدمات کا کوئی مادی صلہ کسی ذاتی مفاد کی صورت میں حاصل نہیں کیا۔ (۲۲)

تحریک برائے اردو:

مولانا ظفر صاحب نے اردو زبان کے تحفظ و بقاء کی خاطر بھی تحریک چلائی، یہاں تک کہ اپنی معرکۃ الآراء تصنیف اعلاء السنن کی بارہویں جلد میں اردو زبان کی شرعی

حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتلایا ہے کہ" اردو زبان کی حفاظت ہندوستان کے مسلمانوں پر شرعاً واجب ہے"۔ (۲۳) جب آپ مشرقی پاکستان میں تھے تو پاکستان میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ پاکستان کی سرکاری زبان کیا ہو۔ مغربی پاکستان والے تو اردو کو سرکاری زبان بنانا چاہتے تھے لیکن مشرقی پاکستان میں اس سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ چاٹگام کے کلکٹر نے بنگلہ حروف القرآن کی تحریک شروع کی جس کا مقصد یہ تھا کہ بنگلہ زبان کا رسم الخط عربی کر دیا جائے تا کہ بنگالیوں کو قرآن سیکھنے میں آسانی ہو اور وہ اردو سے قریب تر آجائیں۔ اس موقع پر مولانا مرحوم نے اس تحریک کی تائید و حمایت فرماتے ہوئے سمجھدار مسلمانوں کو اس پر آمادہ کرنا شروع کیا کہ پاکستان (بشمول مشرقی پاکستان) کی سرکاری زبان اردو ہو۔ اس کے لئے وہ ۱۹۴۸ء میں صدر جمیۃ علمائے اسلام مشرقی پاکستان کی حیثیت سے علماء کا ایک وفد لے کر کراچی پہونچے جہاں قایدِ اعظم اور لیاقت علی خاں سے ملاقات کی اور ایک لاکھ سے زیادہ افراد کے دستخط کیساتھ ان کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ مشرقی پاکستان والے بھی سرکاری زبان اردو ہی چاہتے ہیں، (۲۴) اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ۴۸ء میں جب قائد اعظم نے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا تو ایک لاکھ سے زائد مجمع میں صاف اعلان کر دیا کہ" پاکستان کی زبان اردو اور صرف اردو ہوگی"، (۲۵) اس طریقہ پر اردو زبان کے تئیں ان کی یہ خدمت ان کی اس زبان سے سچی لگن کا اظہار ہے جو ناقابلِ فراموش ہے۔

تحریکِ ردِّ قادیانیت:

پاکستان بننے کے کچھ ہی دنوں بعد جس مسئلہ نے حکومت اور اسلام پسندوں کے درمیان ٹکراؤ کی صورت پیدا کر دی وہ قادیانیوں کے تعلق سے تھا۔ تمام مسلم مکاتب فکر کا خیال تھا کہ چونکہ غلام احمد قادیانی (۱۸۳۵-۱۹۰۶ء) متفقہ طور پر خارج از اسلام تھے اسلئے ان کے پیروکاروں کو غیر مسلم تسلیم کرتے ہوئے انہیں اقلیت قرار دیا جائے اور اس فرقہ کے جو لوگ حکومت یا سرکاری عہدوں پر فائز ہیں انہیں معزول کر دیا جائے۔ انہیں اقلیت قرار دینا اسلئے ضروری تھا تا کہ ان کا شمار مسلمانوں کی فہرست میں نہ ہو سکے

اور مسلمانوں کے نام پر ملنے والی مراعات کا وہ ناجائز فائدہ حاصل نہ کر سکیں۔

یہ تحریک ۱۹۵۲ء میں اس وقت زور پکڑ گئی جب قومی اسمبلی کی بنیادی اصولوں کی کمیٹی پاکستان میں جداگانہ انتخابات کی سفارش کر رہی تھی۔ یہ دور خواجہ ناظم الدین کی وزارت عظمیٰ کا تھا جسمیں ظفر اللہ وزیر خارجہ تھے جو قادیانی تھے اور بسبب قادیانیت قائد اعظم کی نمازِ جنازہ تک میں شریک نہیں ہوئے تھے،(۲۶) اسی وجہ سے مسلمان یہ بھی مطالبہ کر رہے تھے کہ ظفر اللہ صاحب کو قادیانی ہونے کی بنا پر وزارت سے سبک دوش کر دیا جائے، مغربی پاکستان میں اس تحریک نے شدت اختیار کر لی، مشرقی پاکستان میں چونکہ قادیانی برائے نام ہی تھے اسلئے وہ شدت تو اختیار نہیں کی، البتہ وہاں کے علماء نے اس مطالبہ کی زبردست حمایت کی اور اس کیلئے باقاعدہ علماء کی ایک کمیٹی بنائی گئی جسمیں مولانا ظفر احمد صاحب نے قائدانہ رول ادا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مولانا ان معاملات میں بلا تفریق مسلک ارکان تحریک کیلئے حتی المقدور کوششیں کر رہے تھے جو الحمد للہ کامیاب ہوئیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ مولانا مشرقی پاکستان کے حالات سے دل برداشتہ ہو کر مغربی پاکستان کے گمنام شہر ٹنڈو الہیار میں منتقل ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی علمی خدمات کے لئے وقف کر دی تھی۔ اور سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے، کیونکہ ان جیسے مخلصین سیاست کے مکر و فریب کے تانے بانے کو ملت اسلامیہ کے لئے ضرر رساں تصور کرتے تھے۔ لیکن پھر ایک وقت ایسا آیا کہ وہ قوم کی خدمت کے لئے دوبارہ میدانِ عمل میں آئے۔ اس کا تعلق اگر چہ براہ راست سیاست سے نہیں بلکہ مذہب سے تھا، لیکن سیاسی حضرات نے چونکہ پاکستان میں سوشلزم، کمیونزم وغیرہ کو درآمد کر لیا تھا اور اس کے مبلغ بن گئے تھے۔ اس لئے ان نظریات کے خلاف علمائے اسلام کو متحدہ پلیٹ فارم دینے کے لئے ۱۹۶۹ء میں جمعیۃ علمائے اسلام کا احیاء کیا حالانکہ آپ اس وقت عمر کے اس حصہ میں تھے کہ آپ کو مستقل آرام کی ضرورت تھی لیکن محض سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ نے جمعیۃ علمائے اسلام کی امارت کو قبول کیا(۲۷) اس پلیٹ فارم پر آپ نے تمام علمائے کرام کو اکٹھا کیا جن میں مفتی محمد

شفیع، مولانا اطہر علی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا صدیق احمد، مولانا نور احمد اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہم جیسے جید علماء کرام شامل تھے۔ (۲۸)

سوشلزم کے خلاف محاذ:

سوشلزم نظریہ اسلامی نظریات سے متصادم تھا اور اس پر "اسلامی" لیبل لگا کر مسٹر بھٹو نے اسے دو آتشہ کر دیا تھا جو علمائے حق کے لئے نا قابل برداشت تھا۔ چنانچہ مولانا ظفر احمد صاحبؒ نے اس لادینی نظریہ کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی ضعیفی و پیرانہ سالی کے باوجود مقدور بھر کوشش کی۔ آپ نے ۲۲/اگست ۶۹ء کو کراچی میں مشرقی و مغربی پاکستان کے مقتدر علمائے کرام کا ایک اجلاس بلایا جس میں مرکزی جمعیۃ علمائے اسلام کا احیاء عمل میں آیا اور آپ کو جمعیۃ کا امیر منتخب کیا گیا۔ (۲۹) ۷-۸ ستمبر ۶۹ء کو آپ کو اور آپ کے رفقاء کو لاہور کے شہریوں کی طرف سے استقبالیہ دیا گیا جن میں آپ کے علاوہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا نور محمد، مفتی شفیع عثمانی، مولانا احتشام الحق تھانوی وغیرہم بھی موجود تھے (۳۰) یہ اجلاس سوشلزم کے خلاف جہاد کی ترغیب دینے کے لئے منعقد کیا گیا تھا، جس میں آپ نے عامۃ المسلمین کو سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کے خطرناک نتائج سے آگاہ فرمایا۔

علاوہ ازیں ۱۶/مئی ۷۰ء کو موچی دروازہ لاہور میں اسی عنوان پر اجلاس عام منعقد ہوا پھر پشاور، کوہاٹ، بنوں اور حیدر آباد میں اسی موضوع پر رائے عامہ بیدار کرنے کی خاطر اجلاس منعقد ہوئے جن میں آپ نے شرکت فرمائی۔ (۳۱)

اسی موضوع پر مشرقی پاکستان کے دارالسلطنت ڈھاکہ میں ۲۴/جنوری ۷۰ء کو مرکزی جمعیۃ علمائے اسلام کے بینر تلے عظیم الشان جلسۂ عام منعقد کیا گیا جس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد نے شرکت کی۔ یہ جلسہ بھی آپ ہی کی زیر صدارت منعقد ہوا (۳۲)، غرضیکہ مولانا نے سوشلزم کے خلاف لڑی جانے والی اس جنگ کو ملک کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک جنگی پیمانہ پر لڑا اور رائے عامہ کو اسلام کے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کی۔ اس کیلئے جلسوں میں بھی شرکت کی، علماء کے اجتماعات بھی کئے اور

تحریری فتاویٰ خود بھی دئے اور دوسرے علماء ومفتیان سے بھی دلوائے۔ ۱۱۳ علماء کا ایک فتویٰ جس میں موصوف بھی شامل تھے، سوشلزم اور نظامِ سرمایہ داری کے خلاف اسلام ہونے پر اخبارات میں شائع ہوا جس سے سوشلسٹوں اور نیشنلسٹوں میں ہنگامہ برپا ہوگیا اور وہ علمائے حق کے خلاف زہر افشانی کرنے لگے۔ سوشلسٹ عناصر نے یہ فریب دینے کی کوشش کی کہ ان کی معاشی مشکلات کا حل اسلام میں نہیں بلکہ سوشلزم میں ہے۔ جس کے مہلک اثرات نوجوان نسل پر زیادہ پڑ رہے تھے۔ علمائے حق نے اس کے جواب میں معاشی اصلاحات کا ۲۲ نکاتی مختصر خاکہ پیش کیا جس پر ۱۱۸ علمائے کرام کے دستخط ہیں اس پر بھی بحیثیت صدر مرکزی جمعیۃ علمائے اسلام مولانا ظفر احمد صاحب کے دستخط ہیں (۳۳)
اسی رسالے میں آپ نے ''اسلامی نظام'' کے بنیادی اصول سے متعلق ایک مختصر مضمون بھی تحریر فرمایا، جس میں آپ نے اسلامی مملکت میں اسلامی نظام کے بارے میں تفصیلی روشنی ڈالی، اور سوشلزم، کمیونزم، کیپٹل ازم، نیشنلزم وغیرہ اصطلاحات کے بطلان سے عوام کو روشناس کرایا۔ لیکن افسوس کہ پاکستانی مسلمانوں نے اس مدبر اسلام کی تجاویز، تحریروں اور تقریروں کا اتنا اثر نہ لیا جتنا ہونا چاہئے تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۷۰ء میں جمہوریت کے نام پر جو انتخابات ہوئے اس میں اس نظریہ کو شکست سے دوچار ہونا پڑا اور پاکستان جس نظریہ کے تحت بنا تھا اس کی بنیادیں منہدم ہوگئیں جس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے اور مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے جدا ہوکر بنگلہ دیش کی شکل میں دنیا کے نقشہ پر آ گیا۔ اس انتخاب میں شکست کی ایک اہم وجہ مخلوط انتخابی نظریہ بھی تھا جس کے حامی علما میں مفتی محمود، اور ہزاروی گروپ تھے۔ ان جماعتوں کے اتحاد سے چونکہ اسلامی نظریہ کے حامل افراد کو زبردست جھٹکا لگا تھا اسی لئے مولانا ظفر صاحب نے ان دونوں گروپوں کی مخالفت کی اور ان دونوں جماعتوں کو پاکستان کا بنیادی مخالف اور قیامِ پاکستان کے خلاف قرار دیا۔ (۳۴)

عملی سیاست سے کنارہ کشی:

اس کے بعد مولانا نے مرکزی جمعیت علمائے اسلام کو تبلیغی مشن پر لگادیا اور

اصل کام یہ قرار دیا کہ ”اسلام اور نظامِ اسلام پر قوم کو متحد کیا جائے، دوسرے کافرانہ نظاموں سے برأت کا اظہار کریں، معاشرہ کی اصلاح کریں، لوگوں کو نماز، جماعت اور شعائرِ اسلام کے احترام کی ترغیب دیں“۔ (۳۵) مولانا مرحوم پر اس انتخابی شکست کے اثرات بہت زیادہ مرتب ہوئے اور وہ عملی سیاست سے کنارہ کش ہو کر اپنے سابقہ علمی مشاغل اور رشد و ہدایت کے کاموں میں منہمک ہو گئے اور مدت العمر اسی فرض منصبی میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ مرض الوفات میں مبتلا ہو کر بغرضِ علاج کراچی تشریف لائے لیکن کوئی علاج کارگر نہ ہوا اور آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ۸ر دسمبر ۱۹۷۴ء کی صبح تخلیقِ پاکستان میں اہم کردار کا حامل، شہرت و نام آوری سے مبرا، نظام اسلامی کا مخلص ترین یہ خادم اللہ کے حضور میں حاضر ہو گیا، نمازِ جنازہ مفتی شفیع صاحب عثمانی نے پڑھائی اور مفتی صاحب ہی کی خواہش اور اعزاء کی رضامندی پر پاپوش نگر، ناظم آباد، کراچی کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ (۳۶) انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا شبیر احمد عثمانی و مولانا ظفر احمد عثمانی کا تقابلی جائزہ

مولانا کی قومی و سیاسی خدمات کا گذشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے لیکن اس کے باوجود یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا کی خدمات کو تاریخ پاکستان میں وہ مقام کیوں نہیں ملا جس کے وہ حامل تھے جب کہ ان کے دوسرے رفیق علامہ شبیر احمد عثمانی کی خدمات کو تاریخ پاکستان میں اہم مقام ملا۔ واضح رہے کہ یہ کوئی موازنہ نہیں بلکہ تحقیق کا طالب علمانہ جائزہ ہے۔

اسے اتفاق ہی قرار دیا جا سکتا ہے کہ نظریہ پاکستان کے حامل دونوں حضرات ہی اصلاً، نسلاً اور مسلکاً دیوبندی اور عثمانی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ دونوں کو تحریک پاکستان میں خدمات کے اعتراف کے طور پر یہ اعزاز حاصل ہوا کہ ایک کو سرکاری طور پر مغربی پاکستان کی اس وقت کی راجدھانی کراچی اور دوسرے کو مشرقی پاکستان کے دار السلطنت ڈھاکہ میں رسمِ پرچم کشائی اور چیف جسٹس پاکستان سے وفاداری کا حلف لینے کا اعزاز حاصل ہوا، تاہم یہ حقیقت ہے کہ تاریخ تحریک پاکستان میں جو مقام مولانا شبیر احمد

عثمانی کو ملا اسکے مقابلے میں مولانا ظفر احمد عثمانی کو وہ مقام حاصل نہیں ہوسکا، حالانکہ مولانا شبیر احمد عثمانی اس تحریک سے بہت بعد (۱۹۴۵ء) میں وابستہ ہوئے، اس سے قبل وہ جمعیۃ العلماء ہند کے سرگرم مجلس عاملہ کے ممبر تھے اور اسکے اجلاس میں مستقل شرکت کرتے تھے، جب کہ مولانا ظفر صاحب تحریکِ پاکستان سے ۱۹۳۷ء سے جڑے ہوئے تھے۔ (۳۷)

اسکی چند وجوہات ہیں جنکا اظہار اس مقالہ میں ظاہر کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

سب سے پہلی وجہ تو یہی ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانی تحریک اسلامی کے عظیم سر چشمہ دار العلوم، دیوبند سے بچپن سے ہی وابستہ تھے اور شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے براہ راست مایہ ناز شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ شیخ الہند علیہ الرحمہ تحریک آزادی ہند میں قائدانہ رول ادا کرچکے تھے۔ ریشمی رومال تحریک اگرچہ ناکام ہوگئی تھی لیکن اس کے اثرات آزادیٔ ہند پر ضرور مرتب ہوئے۔ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی تھیں۔ اور عمر عزیز کا بیشتر حصہ عملی سیاست میں گذارا تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی ان کے معتمد ترین شاگردوں میں سے تھے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جامع مسجد میں ۱۹۲۰ء میں جب جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا تھا، اس وقت شیخ الہند نے اپنی ضعیفی اور بیماری کے باوجود شرکت ضرور کی تھی لیکن ان کا تحریری خطبہ پڑھنے کی سعادت مولانا شبیر احمد عثمانی کو ہی حاصل ہوئی تھی۔ (۳۸) ایسے ہی جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے اجلاس بمقام دہلی کا خطبۂ صدارت بھی شیخ الہند کی ایماء پر مولانا شبیر احمد عثمانی نے ہی پڑھا تھا۔ (۳۹)

اس طریقہ پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا شبیر احمد عثمانی آغاز سے ہی عملی سیاست سے جڑے ہوئے تھے جب کہ مولانا ظفر احمد عثمانی بچپن میں ہی مختلف وجوہات کی بنا پر دیوبند کو خیر باد کہہ کر اپنے حقیقی ماموں مولانا اشرف علی تھانوی کی زیرِ تربیت پرورش پا رہے تھے جو شیخ الہند کے شاگرد ہونے کے باوجود اپنے کو عملی سیاست سے دور رکھتے ہوئے رشد و ہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، ان کے ذہنی رشتوں سے مسلم لیگ قریب ضرور تھی لیکن انہوں نے اپنی ذات کو ہنگامی زندگی سے دور رکھا اور اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں لگے رہے لیکن جب [illegible] میں کوئی سیاسی تحریک شروع ہوئی تو اس کے بارے

میں ایک ماہر شریعت عالمِ دین ہونے کے حیثیت سے اس کی شرعی حیثیت پر فقیہانہ نظر بصیرت ڈال کر اس کے نتائج وعواقب کو واضح کرنے اور ملت کی عملی اور دینی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنے میں کبھی دریغ نہیں فرمایا۔ (۴۰) یہی وجہ ہے کہ تحریک خلافت کو علامۃ المسلمین کی تائید ہونے اور اس کے اصل مقصد سے اتفاق کے باوجود حضرت تھانویؒ کو اس سے اصولی طور پر اختلاف رہا کیونکہ تحریک خلافت کو آزادی ہند کا زینہ بنایا جارہا تھا جس میں برادرانِ وطن کی تائید بھی حاصل تھی، اور مولانا تھانوی "ہندوؤں کی عددی اکثریت اور ان کی معاندانہ ذہنیت کی وجہ سے انکے ساتھ مسلمانوں کے اشتراکِ عمل کو مضر سمجھتے تھے، اور انکے ساتھ مل کر تحریک چلانا پسند نہیں کرتے تھے۔ (۴۱) تحریک پاکستان مولانا کے نظریہ سیاست سے قریب تر تھا کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ "ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو سارے قوانین تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو، بیت المال ہو، نظامِ زکوۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں ہوں وغیرہ وغیرہ، (۴۲) اسی نظریہ کے تحت انہوں نے مسلمانوں کو اپنی علیحدہ تنظیم بنانے کا مشورہ دیا اور چونکہ اس وقت ملک کی موجودہ مسلم جماعتوں میں مسلم لیگ کے سوا کوئی دوسری جماعت ملک میں ایسی نہیں تھی جس کو مسلمانوں کی جمہوری طاقت حاصل ہو اسی لئے مسلم لیگ میں شرکت اور اس کی حمایت کی رائے دی گئی (۴۳) اس کیلئے آپ نے اپنے شاگردوں کو سیاست کے عملی میدان میں تب بھیجا جب کہ آپ کو پوری طرح یہ باور کرادیا گیا تھا کہ مسلم لیگ انہیں نظریات کی حامل رہے گی۔ مسلم لیگ میں آپ نے اپنے جن معتمد ترین شاگردوں کو میدانِ عمل میں اتارا ان میں سرِ فہرست مولانا ظفر احمد عثمانی کا نام نامی آتا ہے۔ چونکہ مولانا ظفر احمد صاحب کی اب تک کی زندگی سیاست سے نامانوس تھی، آپ خالصۃً علمی کاموں میں منہمک درس وتدریس کی زندگی گذار رہے تھے اب ایکدم میدان سیاست میں آئے تھے، اسی لئے عوام الناس آپ کے نام سے ناآشنا تھے، پھر بھی بہت جلد آپ نے اپنی مخلصانہ خدمات کے سبب مسلم لیگ کی صف اول میں مقام بنالیا لیکن اسکے باوجود علامہ شبیر احمد عثمانی کی عوامی مقبولیت کے مقابلے آپ کو وہ مقام نہیں مل سکا جس کے آپ

حامل تھے۔ پھر یہ بات بھی ملاحظہ رہے کہ ان حضرات میں کوئی نام آوری کا جذبہ یا معاصرانہ چشمک یا مقابلہ کا رجحان تو تھا نہیں، وہ تو علامہ شبیر احمد عثمانی کی بزرگی اور اپنے پیرو مرشد کا ساتھی ہونے کے باعث انہیں اساتذہ میں شمار کرتے تھے اور ان کا احترام و عقیدت شاگردوں کی مانند کرتے تھے اسی لئے انہوں نے کبھی اپنے کو مقابلہ میں پیش ہی نہیں کیا بلکہ جب ۱۹۴۵ء میں جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ میں وجود میں آئی تو مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کی غیبوبت کے باوجود صدارتِ جمعیۃ کیلئے انکا نام آپ نے ہی پیش فرمایا۔ اور اسی صدارت کی قرارداد لے کر مولانا شبیر احمد عثمانی کی خدمت میں دیوبند پہونچے اور مولانا کے اس عہدۂ صدارت کو قبول کرنے سے منع فرمانے پر ان کو باصرار تیار کیا اور کام کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔ (۴۴)

دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کو تقریر و خطابت میں خداداد ملکہ حاصل تھا، جب کہ مولانا ظفر احمد عثمانی علمی جواہرات سے تو مالا مال تھے لیکن اس کے عوامی اظہار پر اتنی قوت نہیں رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے مولانا شبیر احمد صاحب عوامی حلقوں میں مولانا ظفر صاحب کی بہ نسبت زیادہ مقبول تھے۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ تقسیم کے وقت مولانا شبیر احمد عثمانی کونسل میں مسلم لیگ کے منتخبہ ممبر تھے اور تقسیم سے کچھ ہی روز قبل ہجرت کر کے کراچی تشریف لے گئے تھے اور مولانا ظفر احمد عثمانی ڈھاکہ میں درس و تدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ چونکہ پاکستان بننے کے بعد کراچی کو مرکزی شہر کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی اور پاکستان کا اصل دار السلطنت یہی مرکزی شہر تھا، اس لئے علامہ شبیر احمد عثمانی قدرتی طور پر کراچی کی مرکزی شخصیت جس کے وہ واقعی مستحق تھے، قرار پائے اور ان کی خدمات پاکستان کا بجا طور پر اعتراف کیا گیا۔ خود قایدِ اعظم محمد علی جناح ان سے سیاسی رہنمائی حاصل کرتے تھے، مولانا ظفر احمد عثمانی کو اگرچہ یہی مقام مشرقی پاکستان میں حاصل تھا، لیکن چونکہ انکا مزاج بچپن سے خانقاہی تھا اس لئے پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد وہ عملاً سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے اپنے کو الگ تھلگ کئے رہے۔ البتہ جب کبھی انہوں نے یہ ضرورت

محسوس کی کہ اب اگر خاموشی اختیار کی گئی تو قومی نقصان ہوگا، تو انہوں نے شرعی تقاضوں کے تحت مذہبی فریضہ کی ادائیگی کے طور پر سیاسی کاموں میں حصہ لیا لیکن اس میں بھی انہوں نے خاموش خدمات کو ترجیح دی۔

المختصر مولانا کی سیاسی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے اور تخلیقِ پاکستان میں وہ اہم کردار کے حامل ہیں۔ ہم اس گفتگو کو یہیں پر ختم کرتے ہوئے اب مولانا کی علمی اور ادبی خدمات کا جائزہ لیں گے۔
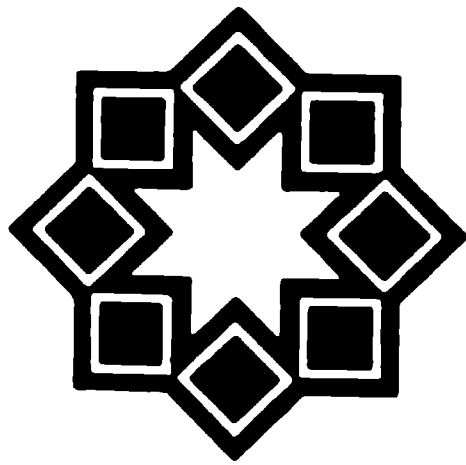
﴿حواشی﴾ تیسرا باب فصل سوم

(۱) ہندو پاک میں اسلامی جدیدیت / پروفیسر عزیز احمد (اردو ترجمہ جمیل جالبی) ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی ۱۹۹۰ء / ص: ۳۳۹

(۲) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۹٦

(۳/۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ / دانشگاہ پنجاب لاہور / ۱۹۷۱ء / ۵ / ۴۵۹

(۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ / دانشگاہ پنجاب لاہور / ۱۹۷۱ء / ۵ / ۴۰٦

(٦) اردو دائرہ معارف اسلامیہ / دانشگاہ پنجاب لاہور / ۱۹۷۱ء / ۵ / ۴۳۷

(۷) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۹۵

(۸) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۹٦

(۹) دائرہ معارف اسلامیہ / ۵ / ۴۳۸

(۱۰) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۹۴

(۱۱/۱۲) دائرہ معارف اسلامیہ / ۵ / ۴۳۹

(۱۳) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۹۸

(۱۴) تذکرۃ الظفر / ص: ۴۰۴ تا ۴۱۰

(۱۵) تذکرۃ الظفر / ص: ۴۱۳

(۱٦) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۹۲

(۱۷) عثمانی گھرانے کی خدمات (مولنا قمر عثمانی کا انٹرویو) ماہنامہ فیض الاسلام، لاہور، دسمبر ۹۷ء / ص: ۱۲

(۱۸) تذکرۃ الظفر / ص: ۱۲۳

(۱۹) تذکرالظفر / ص: ۱۲۹

(۲۰) دائرہ معارف اسلامیہ / ۵ / ۱۴٦

(۲۱/۲۲) ماہنامہ فیض الاسلام لاہور / دسمبر ۹۷ء / ص: ۱۲

(۲۳) اعلاء السنن / مولنا ظفر احمد عثمانی مع تعلیقات مولنا تقی عثمانی / دارالعلوم کراچی / ج: ۱۲ ص: ۱٤

(۲۴/۲۵) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۹۰

(۲۶) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۹۹

(۲۷) تذکرۃ الظفر / ص: ۴۰۰

(۲۸) تذکرۃ الظفر / ص: ۴۱۷

(۲۹) تذکرۃ الظفر / ص: ۴۷۱

(۳۰) ہفت روزہ ''زندگی'' لاہور / ۱۵ ستمبر ۶۹ء

(۳۱) تذکرۃ الظفر / ص: ۴۱۸

(۳۲) تذکرۃ الظفر / ص: ۴۱۹

(۳۳) ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور، ۱۲ / جون ۱۹۷۰ء

(۳۴) تذکرۃ الظفر / ص: ۴۲۹

(۳۵) تذکرۃ الظفر / ص: ۴۳۰

(۳۶) تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے تذکرۃ الظفر / ص: ۴۳۲ تا ص: ۴۵۵

(۳۷) تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے ''جمعیۃ العلماء ہند'' / پروین روزینہ / ادارہ تحقیق تاریخ وثقافت اسلامی اسلام آباد / ۱۹۸۰ء (اس میں جمعیۃ کے اجلاس کی تفصیلی روداد یں ہیں جسمیں جگہ جگہ مولانا شبیر احمد عثمانی کا نام ملتا ہے)

(۳۸) نقش حیات / مولانا حسین احمد مدنی / الجمعیۃ بکڈپو دہلی / ۱۹۵۳ء / ۲ / ۲۵۹

(۳۹) جمعیۃ العلماء ہند / پروین روزینہ / ۲ / ۸۵۸

(۴۰) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۵۰

(۴۱) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۵۱

(۴۲) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۵۲

(۴۳) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۶۴

(۴۴) تذکرۃ الظفر / ص: ۳۷۱

چوتھا باب

مولانا ظفر احمد عثمانی کی علمی وادبی خدمات

تمہید:

عموماً دیکھا گیا ہے کہ جو حضرات خواہ وہ علماء ہوں یا دانشور جب سیاست کے گلیاروں میں داخل ہو جاتے ہیں تو ان کی واپسی دشوار ہو جاتی ہے، ماضی میں ان کے رشتے علمی دنیا سے ہموار رہنے کے باوجود سیاست کی چاشنی ان کے لئے سدِّ راہ بن جاتی ہے؛ لیکن بہت ہی محدود تعداد میں رہنے کے باوجود ہمیشہ ایک طبقہ ایسا بھی رہا ہے جو حالات کی پرواہ کئے بغیر اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ ہر اس میدان میں رہنمائی کے فرائض انجام دیتا ہے، جس کی وہ ضرورت محسوس کرتا ہے۔ جب عملی قیادت کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ طبقہ عملی قیادت فراہم کرتا ہے، اور جب کبھی علمی رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی تو اس میدان میں بھی یہ حضرات آگے دکھائی دیئے۔ ایسے ہی مخلص حضرات میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ بھی ہیں، جنہوں نے ملکی وملی سیاست کے کارگزار میدان بھی جواں مردی کے ساتھ طے کئے، یہ علم کے بحرِ ذخار میں بھی مستقل غوطہ زن رہے، اور ان کے ذہن کی رسائی شعر و ادب سے بھی وابستہ رہی۔ اردو وعربی پر یکساں قدرت رکھنے والے موصوف نے ہمت سے علمی مضامین، تراجم، تالیفات وتصنیفات کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ اس باب میں ان چند مضامین وتصانیف کا مختصر تعارف کرایا جارہا ہے جو ہمیں موصول ہوئے ہیں۔

فصل اوّل

مطبوعہ اردو مضامین کا جائزہ

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت علمی دنیا میں خصوصاً علوم دینیہ و عربی ادب وفنون کے طلبہ کیلئے محتاجِ تعارف نہیں ہے، لیکن مولانا کی ہجرت مکانی، تقسیم ہند کا المیہ، تشکیل پاکستان اور مولانا مرحوم کا اس وقت مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں بغرض درس وتدریس مقیم ہونا وہ عوارض ہیں جنہوں نے مولانا کی تابناک شخصیت کو اہلِ ہند سے اوجھل کر دیا، اور باشندگان ہندوستان مولانا کے علوم وفنون سے مستفید نہیں ہو سکے۔ تاہم علمی حلقوں میں مولانا کے علمی کاموں کو سنجیدگی سے دیکھا گیا۔ اس وقت کے علمی رسائل وجرائد میں مولانا کے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ ان کی خاص بات یہ تھی کہ وہ بلاتفریق مسلک ومشرب ہر ایک کتاب یا مضمون کو قرآن وحدیث کے معیار پر ناپتے، اگر اُسے صحیح پاتے تو اس کی تائید میں کوئی جھجک نہ محسوس کرتے اور اگر مصنف یا مضمون نگار کا استدلال بے وزن ہوتا تو احترام کے دائرہ میں رہ کر صاحبِ مضمون کے جواب میں مضمون تحریر فرما کر عوام کو ان فروگذاشتوں پر توجہ دلاتے جو مضمون نگار سے سرزد ہوتی ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کا نام طبقۂ دیوبند میں ایک خاص علمی عقیدت سے لیا جاتا ہے۔ مولانا بھی بنیادی طور پر اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن کچھ مسائل میں مولانا مرحوم نے ان دونوں حضرات کی علمی خدمات کا تنقیدی جائزہ لیا۔(۱) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی مخصوص فکر کے باعث دیوبندی حلقہ کی تنقید کا شکار رہے، لیکن جب مولانا نے ان سے کسی علمی مسئلہ پر اختلاف کیا تو ان کی علمی حیثیت کا بھی اعتراف کیا اور ان سے اظہارِ محبت میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔(۲) اس طریقہ پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مولانا کے یہاں جانچنے کا معیار کسی کی اپنی ذات نہیں تھی،

بلکہ وہ علمی نکات تھے جنہیں صاحبِ مضمون نے بیان کیا اور وہ مولانا کی نظر میں کسی بھی وجہ سے محلِ کلام ہوئے۔ نہ تو وہ کسی کی بھاری بھر کم شخصیت سے بلاوجہ مرعوب ہی ہوئے اور نہ ہی انہوں نے اپنے مخالفین سے گفتگو کرتے وقت سنجیدگی اور متانت کو ہاتھ سے جانے دیا۔

مولانا نے بہت سی کتابیں عربی و اردو میں تالیف کیں۔ بے انتہاء علمی مضامین تحریر کئے۔ عربی شاعری میں دادِ تحسین وصول کی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، جیسے فنون میں اپنی علمی قابلیتوں کا لوہا منوایا۔ اگرچہ آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ علم حدیث میں فقہ حنفی کی تائید پر مشتمل ذخیرۂ احادیث کی کتاب ''اعلاء السنن'' ہے جو عربی زبان میں بیس ضخیم جلدوں میں پندرہ سال کی شبانہ روز محنت سے تیار ہوئی۔ اس پر گفتگو ہم بعد میں کریں گے۔ پہلے مولانا مرحوم کے ان خاص الخاص علمی مضامین کا جائزہ لیتے ہیں جنہوں نے مولانا مرحوم کے علمی جواہر کو آشکارا کیا۔

اسلامی معاشیات:

مولانا ''اعلاء السنن'' کی تصنیف کے باعث حنفی حلقوں میں بہت زیادہ قبولیت وشہرت رکھتے تھے اور امام ابوحنیفہؒ کے فقہ کی مستدل حدیثوں کے باعث اپنی حیثیت کو ثابت کر چکے تھے، لیکن وہ تقلید جامد کے قطعاً شکار نہیں تھے۔ اس کا واضح ثبوت ان کی وہ علمی بحث ہے جو انہوں نے ''اسلامی معاشیات کے چند فقہی اور قانونی ابواب'' نامی مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کے مضمون پر کی۔ (۳) بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس علمی بحث پر مختصر سی روشنی ڈال دی جائے تاکہ یہ بحث اور اس کا ماحصل واضح ہو سکے۔

ماہنامہ معارف میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی کا ایک تفصیلی مقالہ بہ عنوان ''اسلامی معاشیات کے چند فقہی اور قانونی ابواب'' شائع ہوا تھا۔ اس مقالہ میں مولانا گیلانی نے ہندوستانی مسلمانوں کے معاشی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے ایک عنوان ''غیر اسلامی ممالک میں سود وقمار وغیرہ کا حکم'' قائم کیا تھا، اس کے ایک ذیلی عنوان ''ہندوستان میں مسئلہ سُود کا حکم'' پر حالات کے تقاضوں کے تحت ہندوستان کی غیر مسلم رعایا کیساتھ ہندوستانی مسلمانوں کو لین دین پر ''سود'' لینے کے جواز میں امام ابوحنیفہ کے دلائل سے

استنباط کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ "غیر اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کا مال مسلمانوں کیلئے مباح ہے"۔ (۴) اور پھر اپنی یہ رائے بھی پیش کی تھی کہ "ہندوستان کی غیر مسلم رعایا کے اموال کے عدمِ اباحت کی دلیل پیش کرنا آسان نہیں ہے چہ جائے کہ ان کی حرمت کا دعویٰ"، (۵) اور پھر اس کے حاشیہ میں ان لوگوں سے (جو مسلک حنفی کے اس مسئلہ کا انکار کرنا چاہتے ہیں، مطالبہ کیا تھا کہ "شرعی دلائل سے حربی کے اموال کے عدمِ اباحت کا ثبوت پیش کر سکتے ہوں تو پیش کریں"۔ (۶) مولانا ظفر احمد صاحبؒ نے باوجودے کہ وہ حنفی اور دیوبندی تھے، مولانا مناظر صاحب کے اس چیلنج کو قبول کیا اور ایک مختصر مضمون "غیر اسلامی ممالک میں سود و قمار کا حکم" عنوان سے تحریر فرمایا۔ (۷) اس میں مولانا مرحوم نے مولانا گیلانی مرحوم کے اس چیلنج کے جواب میں قرآن پاک کی مختلف آیات کے حوالوں کو بنیاد قرار دے کر عقلی توجیہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ "شریعت نے زنا کو حرام کیا ہے تو وہ ہر جگہ حرام ہے"۔ یہی حال حرمتِ ربوٰ کا ہونا چاہئے"۔ مولانا مرحوم نے اس سلسلہ میں پیش کی جانے والی حدیث " لا ربوٰ بین المسلم و الحربی فی دار الحرب" کی سند پر کلام کرتے ہوئے اسے ضعیف اور خبرِ واحد قرار دیا اور پھر حنفیہ کے اصول کو بتایا کہ "نص قطعی کے اطلاق کو خبر واحد سے مقید یا مخصوص کرنا جائز نہیں"۔ (۸) اسی کیساتھ آپ نے اس مسئلہ کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرنے پر بھی شک کا اظہار کیا اور پھر اگر یقینی طور پر اس مسئلہ کو امام اعظم کا مسلک مان بھی لیا جائے تو بھی "جملہ ائمہ نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ حتیٰ کہ انکے سب سے بڑے شاگرد امام ابویوسف بھی اس مسئلہ میں ان کے ساتھ نہیں ہیں"۔ (۹) کہہ کر مولانا گیلانی کے دلائل کا بھرپور علمی انداز میں رد کیا۔ اور مولانا گیلانی کے دلائل کو "تقلیدی" قرار دیا نہ کہ "تحقیقی"۔ بہر حال آپ نے یہ مضمون بہت ہی جامع انداز میں قلمبند کرتے ہوئے مضبوط دلائل کی روشنی میں "ہندوستان میں سود کے لین دین، (خواہ کسی بھی طرح ہو) اس کی کتابت اور گواہی سب کو حرام قرار دیا۔ (۱۰)

مولانا مناظر صاحب نے مولانا کے ان دلائل سے مطمئن نہ ہونے کے باعث

اور ان شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے کی خاطر، جو مولانا عثمانی صاحب کے جواب سے پیدا ہوئے تھے، جواب الجواب کے بطور ایک اور مضمون بہ عنوان ''مسئلہ سود، مسلم وحربی میں'' تحریر فرمایا۔ (۱۱) اسی اثناء میں سید عروج قادری کا بھی ایک مضمون معارف میں شائع ہو چکا تھا۔ (۱۲) انہوں نے بھی مولانا مناظر صاحب کے مستدلات پر عدمِ تسلی کا اظہار کیا تھا۔

مولانا گیلانی کے جواب میں مولانا ظفر صاحب نے پھر ایک مضمون بہ عنوان ''مسئلہ سود وقمار وغیرہ'' تحریر فرمایا۔ (۱۳)

مولانا مناظر صاحب نے اپنے اس علمی مقالہ میں مولانا کی علمی قابلیتوں کے اعتراف کے ساتھ ان کی اس جسارت پر کہ ''غالی حنفی ہونے کے باوجود مولانا نے اپنے امام کی بے جا طرف داری نہیں فرمائی'' مسرت کا اظہار بھی فرمایا، (۱۴) اور پھر تفصیل کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے مسلک کی وضاحت فرماتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ ''جس چیز کو خواہ مخواہ ربٰوا قرار دے کر ہنگامہ کیا گیا ہے وہ سرے سے ربٰوا ہے ہی نہیں، بلکہ مسلمانوں کی ذیلی آمدنی ہے''۔ (۱۵) مولانا گیلانی نے اپنے دلائل میں مضبوط دلیل مانتے ہوئے شمس الائمہ امام سرخسی کی عبارات بھی پیش کی تھیں۔

مولانا ظفر صاحب نے اس کے جواب میں ربٰوا کی تاریخ اور اس کی صورتوں پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے ربٰوا کی اس شکل کو ''ربٰوا الفضل'' سے تعبیر کیا اور بتایا کہ اس کی حرمت وجواز میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اولاً اختلاف رہا لیکن جب ان کو حدیث پہونچی تو انہوں نے رجوع کیا (یعنی اس کی حرمت کے قائل ہو گئے) (۱۶) اسی کے ساتھ آپ نے قرآن کی روشنی میں ربٰوا کو ظلم اور تعدی سے تعبیر فرمایا جو اس کی حرمت کی دلیل ہے۔ مولانا نے اس باب میں حنفیہ کا مذہب امام ابو یوسف کے قول کو قرار دیتے ہوئے مولانا گیلانی سے اس اپیل کے ساتھ اس بحث کو ختم کرنا چاہا کہ وہ بھی بے تکلف اسی مذہب کو اختیار کریں، کیونکہ یہی ساری امت کا قول ہے اور طرفین کا قول مذہب نہیں بلکہ مذہب کی ایک ضعیف روایت ہے''۔ (۱۷) پھر مولانا عثمانی نے مبسوط

سرخسی سے مراجعت کر کے اپنے اقوال کی تائید میں مختصر سا مضمون تحریر کیا۔ (۱۸)

اس بحث پر اختتامی کلام کرتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب نے مولانا ظفر صاحب کے قول کی روشنی میں اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ "جب شریعت اسلامی ان اموال کو مسلمانوں کے لئے مباح کر چکی ہے، قانون بھی اس کے لینے کو جائز قرار دے رہا ہے تو پھر مولانا کس بنیاد پر مسلمانوں کے لئے غیر مسلم اقوام سے حاصل کی ہوئی ان رقوم کو لینے اور اپنی ملک بنانے کو ناجائز ٹھہرا رہے ہیں"۔ (۱۹)

اسکے جواب میں مولانا ظفر صاحب نے پھر ایک مضمون نہایت مختصر تحریر کیا جس میں اس بحث کو ختم کرنے کیلئے امام ابو یوسف کے قول کے قوی ہونے پر زور دیا۔ (۲۰)

المختصر معارف کے مختلف پندرہ شماروں پر پھیلی یہ بحث اگر چہ بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہوگئی اور فریقین ایک دوسرے کو نہ تو مطمئن کر سکے اور نہ ہی مطمئن ہو سکے، لیکن اتنا ضرور واضح ہوگیا کہ مولانا ظفر احمد صاحب کسی مسئلہ میں قرآن کی صریح ہدایت کے بعد پھر کسی کی تقلید کے پابند نہیں تھے۔ سود کی حرمت قرآن نے عمومی انداز میں بیان کی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حالات و واقعات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں اس مسئلہ پر اجتہاد سے کام لیتے ہوئے مخصوص حالات میں ربٰوا بین المسلم والحربی کو مختلف قیود کیساتھ کسی حد تک جائز قرار دیا، جس کی وضاحت مولانا مناظر صاحب نے ہندوستانی حالات کے تناظر میں اپنے دور کے مسلمانوں کے معاشی حالات کو پیشِ نظر رکھ کر اس جواز کو مسلمانوں میں عام کرنا چاہا تو باوجود ے کہ مولانا ظفر صاحب "غالی حنفی" تھے کسی بھی صورت میں اس کیلئے تیار نہیں ہوئے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے اس "جواز سود" اور مولانا گیلانی کی "تشریحات وتوضیحات" پر قرآن کی "تصریحات" کے مقابلے "تاویلات" کا سہارا لے کر خاموشی اختیار کر لیں، چنانچہ مولانا مرحوم نے امام ابوحنیفہ کے اس فتوے کے خلاف امام ابو یوسف کے محتاط فتوے کو بہر صورت ترجیح دی۔ اسی طریقہ پر آپ نے "اسلام میں نظام زمینداری و جاگیرداری" کے مسئلہ پر بھی مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب سے اتفاق نہیں کیا۔

نظام جاگیر داری:

مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ کا ایک مضمون ماہنامہ معارف میں دو قسطوں میں ''نظام جاگیرداری وزمینداری کی اسلام میں کیا گنجائش ہے'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔(۲۱) مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ اسی مسئلہ میں ہندوستان میں مروجہ زمیندارانہ وجاگیردارانہ نظام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک اور کچھ احادیث کی بنا پر غیر اسلامی تصور کرتے تھے۔ اور بطورِ استدلال آپ نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں آپ ﷺ جب بنی حارثہ کے خاندان میں ظُہیرؓ کے کھیتوں پر تشریف لے گئے اور لہلہاتی کھیتوں کو دیکھ کر فرمایا '' مااحسن زرع ظهير '' تو لوگوں نے عرض کیا '' یا رسول اللہ یہ ظہیر کی کاشت نہیں ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ '' کیا یہ زمین ظہیر کی نہیں ہے۔ تب آپ کو اطلاع دی گئی کہ '' زمین تو ظہیر کی ہی ہے لیکن اس میں کاشت فلاں شخص کی ہے''۔ جو ایک متعینہ رقم کے عوض ظہیر کی زمین میں کاشت فرماتے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت ظہیر کو (جو زمین کے مالک تھے) حکم دیا کہ کاشتکار کے مصارف ادا کر کے اپنی کھیتی واپس لے لو۔ حکم کی تعمیل اسی وقت کردی گئی۔(۲۲) اس کے بعد حضرت رافعؓ کا (جو حضرت ظہیر کے بھتیجے تھے) وہ بیان نقل کیا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ '' میں نے اپنے دونوں چچاؤں (ظہیر اور ضہیر) سے سنا، وہ محلہ والوں سے کہہ رہے تھے کہ '' زمین کو کرایہ پر بندوبست کرنے کی رسول اللہ نے ممانعت کردی ہے''۔(۲۳)۔ اسی طرح حضرت اسید بن ظہیرؓ کا یہ فرمان بھی '' مبسوط'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ '' کرایہ پر زمین کو بندوبست کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمادی ہے۔(۲۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کو آپ نے بخاری ومسلم کے حوالوں سے بھی مستدل فرمایا۔(۲۵) اور امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس استدلال پر نکیر فرمائی جو انہوں نے زمین کو کرایہ پر دینے کے لئے کئے تھے۔(۲۶)

اوران سب استدلالات سے آپ نے نتیجہ اخذ کیا کہ '' زائد ضرورت زمین کو بطور منیحہ (تحفہ) کے ضرورتمندوں کو جوتنے بونے کیلئے دیدے اور اس کے معاوضہ میں

بشکل نقد یا پیداوار کچھ نہ لے، جیسے قرض روپیہ میں کچھ نہیں لیا جاتا"۔ (۲۷) مولانا کا یہ مضمون فقہی و علمی حوالوں سے پر تھا۔ جو دلچسپ بھی ہے اور پر از معلومات بھی، لیکن مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب اس مضمون کے مستدلات اور ان سے اخذ کئے گئے نتائج سے متفق نہیں تھے، بلکہ اسے وہ اس حکومتی پروپیگنڈہ کا اثر مان رہے تھے جو حکومت ہند نے زمینداری کے خاتمہ کے لئے کیا تھا۔ مولانا کا اس مسئلہ پر سب سے پہلا منطقی اعتراض یہ تھا کہ "اگر واقعی اسلام میں یہ احکام پہلے سے موجود تھے تو ہمارے یہ علماء پہلے کیوں خاموش تھے؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ کھدر پرچار اور ولایتی مال کے بائیکاٹ، اور چرخہ کی تحریک کے بعد ہی یہ احکام علماء کو حدیثوں میں نظر آئے۔ اور جب تک بالشویزم اور کمیونزم نے زمین، اور ان کے اشتراک کا پروپیگنڈہ نہیں کیا، اس وقت تک ان کو اسلام میں جاگیرداری اور زمین داری کا الغاء (بیکار ہونا) نظر نہیں آیا"۔ (۲۸) اس کے بعد مولانا نے مولانا گیلانی علیہ الرحمہ کے مضمون کا علمی جائزہ لیتے ہوئے ان حوالوں کی چھان پھٹک کی جو مولانا گیلانی نے اپنے مضمون میں پیش کئے تھے۔

مولانا گیلانی صاحب کے جواب میں آپ نے رافع بن خدیجؓ کی اس مذکورہ حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام طحاویؒ کی تصریح کے حوالہ سے "اضطراب" قرار دیا۔ (۲۹) (یعنی وہ حدیث جس میں رواۃ مختلف ہوں کوئی کسی طرح روایت کرے اور کوئی دوسری طرح)"، (۳۰) یا (حدیث کی سند میں کمی زیادتی یا نام و عبارت اُلٹ پُلٹ گئے ہوں) (۳۱) اور دعویٰ کیا کہ "جسکو اس حدیث کا اضطراب دیکھنا ہو وہ جمع الفوائد ج:۱، ص: ۲۵ کی جانب مراجعت کرلے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے الفاظ کس قدر مختلف ہیں"۔ (۳۲) آپ نے بخاری کے حوالے سے اسی حدیث کو مختلف انداز سے نقل فرما کر اس کا اضطراب ثابت کر دیا۔ اور پھر صاحبِ عینی کی شرح کو نقل فرمایا کہ "عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رافع نے مطلقاً زمین کے اجارہ کی جو ممانعت کی تھی، ابن عمرؓ نے اس سے انکار کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس اجارہ سے منع فرمایا ہے، وہ وہ ہے جس میں کہ شرط فاسد ہو، وہ یہ کہ لوگ نالیوں کے پاس والی پیداوار کی شرط رکھتے

تھے اور کچھ بھوسہ کی، جس کی مقدار مجہول تھی، اور بعض دفعہ یہ قطعہ محفوظ رہتا اور دوسرے قطعہ میں پیداوار نہ ہوتی یا اس کے برعکس ہوتا تو اس صورت میں جھگڑا ہوتا اور مزارع یا مالک زمین بالکل کورا رہ جاتا، لیکن اگر قطعۂ زمین مخصوص نہ ہو بلکہ کل پیداوار کا تہائی یا چوتھائی مقرر کرلیا جائے تو اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی"۔ (۳۳)

احادیث مبارکہ کی روشنی میں مولانا عثمانی صاحب کا ماننا یہ تھا کہ زائد از زائد یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ زمینوں کو زمیندار کاشت پر نہ دے، لیکن اس سے زمین داری کا الغاء یا خاتمہ نہیں ہوتا، کیونکہ بخاری میں حضرت جابرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی اور "طحاوی" میں زبیر بن جابرؓ کی اور بخاری میں ہی ظہیر بن رافع کے حوالہ سے جو روایات ملتی ہیں انکا ماحصل یہ نکلتا ہے کہ "زمین دار کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنی زمین کو روک لے۔ نہ خود کاشت کرے، نہ کسی کو کاشت کرنے دے، اور جو لوگ زمین داری کا خاتمہ چاہتے ہیں وہ زمین دار کو یہ حق (حقِ ملکیت) کبھی نہیں دیتے"۔ (۳۴) پھر آپ نے ان احادیث کی وضاحت کرتے ہوئے ابن عباسؓ کے قول کو راجح قرار دیا جسکے مطابق "رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا تھا کہ کوئی اپنے بھائی کو ویسے ہی زمین زراعت کیلئے دیدے، یہ اس سے بہتر ہے کہ اس سے کچھ مقررہ لگان وصول کرے، اس کے بہتر ہونے میں کسے کلام ہے۔ پھر آپ نے "الکوکب الدری" کے حوالہ سے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرما کر اپنی دلیل کو مضبوط کیا کہ "جس مزارعت سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ ممانعت یا تو شرط فاسدہ کی وجہ سے تھی یا تنزیہہ کے طور پر ممانعت تھی، کیونکہ اس وقت مہاجرین مفلس تھے"۔ (۳۵)

مولانا ظفر احمد صاحب نے اس مسئلہ پر صرف احادیث مبارکہ پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ چاروں فقہاء کے زمین کو نقدین (سونا چاندی) کے عوض اجارہ پر دینے کے جواز کو متفقہ قرار دیا۔ (۳۶) اس مقالہ کی دوسری قسط میں ان تمام جزئی تفصیلات کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ (۳۷) ان تفصیلات کو پیش کرنے کے بعد مولانا عثمانی نے زمین کو بٹائی پر دینے کے شرعی طریقۂ کار پر تفصیلی بحث کی ہے۔ (۳۸)

پھر آپ نے اپنے مسلک پر (جواز زمین داری) فتح الباری کی طویل عبارتوں سے اپنے دعوے کو مدلل کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ "یقیناً کچھ صورتوں میں اسلام میں زمین داری اور جاگیرداری ممنوع ہی نہیں، بلکہ 'ظلم' حرام ہے۔ البتہ اسلام میں زمین داری کی ایسی صورتیں بھی بتلائی گئی ہیں جن سے کاشت کاروں پر ظلم نہ ہو اور زمین دار و کاشت کار دونوں اتفاق کے ساتھ کام کرتے رہیں"۔ (۳۹)

الغرض یہ علمی بحث ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ کے کئی شماروں میں چلی اور اس میں علمی نکات اور جواہر پارے پیش ہوئے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی دونوں ہی علم کے بلند مقام پر تھے اور دونوں ہی اپنے اپنے نظریات پر قائم تھے، لیکن غالب گمان یہ ہے کہ اس مسئلہ پر مولانا عثمانی اپنے خاندانی پس منظر کے پیشِ نظر قلم اٹھانے کیلئے مجبور ہوئے کیونکہ مولانا مرحوم دیوبند کے جس گھرانے سے تعلق رکھتے تھے وہ دیوبند کا مشہور و معروف زمین دار گھرانہ تھا اور ہندوستان کی آزادی کے بعد اگرچہ مولانا ہندوستان سے ہجرت کر گئے تھے، لیکن انکا خاندان خاتمۂ زمین داری کا شکار ہوکر کس مپرسی کی زندگی گذار رہا تھا۔ اسکو وہ شرعاً نامناسب، بلکہ ظلم سمجھتے تھے کہ وہ اس معاملہ میں خاتمۂ زمین داری کے خلاف احتجاج کرنے کے بجائے اس کیلئے شرعی جواز فراہم کرکے در پردہ حکومت ہند کے اس ظلم کو روا رکھنے کو جائز قرار دینگے۔ اسی وجہ سے مولانا عثمانی نے اپنے تفصیلی مقالہ میں مولانا مناظر احسن گیلانی پر تنقید کرتے ہوئے جارحانہ رویہ اختیار کیا ہے جس سے انکے ذہنی کرب کا اندازہ ہوتا ہے تاہم یہ مسلمات میں سے ہے کہ دونوں بزرگوں نے اس بحث میں اپنی علمی صلاحیت و قابلیت کا لوہا منوالیا ہے۔

مولانا سندھی اور شاہ ولی اللہ:

مولانا عبیداللہ سندھی، جماعت دیوبند میں اپنی ملکی و سیاسی خدمات کے باعث اہم مقام رکھتے ہیں، لیکن انکے نظریات کے مختلف ہونے کی وجہ سے وہ علمی تنقیدوں کا بھی شکار ہوئے۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ انکے نظریات میں تحریف کرکے مخالفینِ اسلام نے اپنے حق میں دلیل بنالیا۔ اور اس سے اپنے باطل نظریات کو ثابت کرنے کا جواز فراہم

کیا۔ لیکن علمائے حق نے کبھی ایسے نظریات کو تسلیم نہیں کیا اور مخالفین اسلام کو مسکت جواب دے کر اسلام کے تئیں اپنی خدمات پیش کیں۔ اور اس میں نہ تو جانب داری سے کام لیا اور نہ ہی بیجا الزام تراشیاں کیں۔ اس کا ثبوت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ کے مضمون بہ عنوان ''طلوعِ اسلام، مولانا سندھی اور شاہ ولی اللہ'' سے ملتا ہے جو ماہنامہ الفرقان، بریلی میں شائع ہوا ہے۔ بہتر ہے کہ ایک سرسری نظر اسکے پسِ منظر پر بھی ڈال لی جائے۔

ماہنامہ الفرقان، بریلی (جو بہت عرصہ پہلے لکھنؤ منتقل ہو چکا ہے) نے مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ کی زیر ادارت (۱۳۶۰ھ - ۱۹۴۱ء) میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خرجِ عقیدت پیش کرنیکی غرض سے ''شاہ ولی اللہ نمبر'' شائع کیا تھا، جس میں ایک طویل مقالہ ''امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف'' مولانا عبیداللہ سندھی کا شائع ہوا تھا۔ (۴۰) اس مقالہ میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفہ وحکمت کی روشنی میں انکا مقام متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مقالہ بجائے خود علم وحکمت کا جیتا جاگتا نمونہ ہے (اسوقت ہمارے زیرِ بحث اسکے علمی نکات پر گفتگو کرنا نہیں) منکرین حدیث کی جماعت کے رسالہ ''طلوعِ اسلام'' نے دسمبر ۴۱ء کے شمارے میں اس مقالہ کے کچھ اقتباسات کو سیاق وسباق سے علیحدہ کر کے انتہائی شاطرانہ و ماہرانہ چالاکی و ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ''جو مسلک ادارہ طلوع اسلام کا ہے اسکی دعوت شاہ ولی اللہ نے دی تھی اور مولانا سندھی آج اسی کی تبلیغ میں سرگرم ہیں''۔ (۴۱)

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف توجہ فرمائی اور نہایت علمی انداز میں قرآن وحدیث اور شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ کی تحریروں کی روشنی میں منکرینِ حدیث کے اس فتنہ کی بیخ کنی کر کے اہل السنت والجماعت کے عقائد کی صحت میں سیندھ لگانے والے منکرینِ حدیث کے سرگروہ غلام احمد پرویز کی ان فتنہ پرور کوششوں کو ناکام بنادیا جو اس نے سادہ لوح عوام کو بہکانے کی خاطر مولانا سندھی کے مضمون کے حوالے سے مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کی طرف منسوب کرنے کے لئے کی

تھیں۔ مولانا عثمانی نے اس مضمون میں جہاں کہیں ضرورت محسوس کی مولانا سندھی پر بھی تنقید کی، (۴۲) لیکن مولانا منظور نعمانی کا ماننا ہے کہ "مولانا عثمانی نے مولانا سندھی کے اصل مقالہ کا مطالعہ نہیں کیا، ورنہ یہ ضرورت پیش نہ آتی، بلکہ وہ منکرینِ حدیث کی عیارانہ کوششوں سے قطع و برید کئے گئے مولانا سندھی کے اقتباسات کو ہی کافی سمجھتے ہوئے تنقید کر گئے"۔ (۴۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے نہایت دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے "کتر بیونت" سے عوام کو گمراہ کرنا چاہا تھا، لیکن مولانا عثمانی صاحبؒ کی بروقت گرفت سے منکرینِ حدیث اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

تفسیر سورۃ الفیل:

غلام احمد پرویز جیسا کہ معلوم ہے کہ منکرینِ حدیث کے سردار تھے اور اپنے ذہن کے مطابق قرآن پاک کی سورتوں و آیات کی من گھڑت تفاسیر کرتے رہتے تھے۔ ایسا ہی ایک مضمون سورۃ الفیل کی تفسیر کے عنوان سے لکھا تھا، جس میں انہوں نے اپنا یہ خیال پیش کیا کہ "لشکر ابرہہ پر سنگباری "ابابیل" نامی پرندوں کے ذریعہ نہیں بلکہ قریش کے ذریعہ کرائی گئی تھی۔ (۴۴) یہ تفسیر مشہور احادیث اور تفاسیر کی تردید کرتی تھی اس لئے مولانا ظفر احمد صاحب نے اس کا علمی جواب دیا۔ پہلے مولانا نے اسی رسالہ کو بغرض اشاعت ارسال کیا تھا، لیکن اس نے اسے نہیں چھاپا تو مولانا نے یہ جواب ماہنامہ الفرقان کو ارسال کیا جو اس نے شائع کر دیا۔ اس مضمون میں مولانا نے غلام احمد پرویز کی مشہور و عام تفسیر کو غلط جامہ پہنانے کی کوششوں پر سخت گرفت کرتے ہوئے صرفی، نحوی، انشائی، اور تاریخی حقائق سے ثابت کیا کہ پرویز صاحب کی یہ رائے واقعات کے مطابق نہیں، بلکہ ان کی ذاتی رائے ہے جو منشائے قرآن و حدیث کے خلاف ہے اس لئے اس کو کسی بھی درجہ میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے منکرینِ حدیث کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ "روایات تاریخ میں تنقید کا تو ہر شخص کو حق ہے اگر خدا نے کسی کو تنقید کی قابلیت دی ہو۔ مگر اختراع اور تبدیلی کا کسی کو حق نہیں کہ ساڑھے تیرہ سو برس پیچھے کسی واقعہ کی صورت ہی اپنے قیاس سے بدل دے اور تاریخی روایات کو اپنی تنہا رائے سے یکسر

مسترد کردے"۔ (۴۵)

مولانا نے پرویز صاحب کے "تفسیری مضمون" پر جو اعتراضات واقع کئے تھے ان کا جواب پرویز صاحب اور ان کی جماعت سے مانگا تھا، لیکن انہوں نے اس کا جواب دیا یا نہیں اس کی تفصیل نہیں ملتی۔

اسی طریقہ پر منکرینِ حدیث کے اس رسالہ میں "روزہ کے فوائد اور فلسفہ پر قرآن کریم کے بیان سے کچھ روشنی ڈالی گئی تھی جس میں تقوے کی تفسیر کرتے ہوئے اس کا لازمی نتیجہ "تمکن فی الارض" قرار دیا تھا اور بتلایا گیا تھا کہ جس روزے سے یہ چیز حاصل نہ ہو وہ روزہ، نماز سب بیکار ہیں، (۴۶) اس کے جواب میں مولانا عثمانی صاحب نے ایک مضمون "تقویٰ کی حقیقت اور اسکے نتائج" کے عنوان سے لکھا جو ماہنامہ الفرقان، بریلی سے شائع ہوا۔ مولانا مرحوم نے اس مضمون میں منکرین حدیث کی اس اختراعی تفسیر کو باطل قرار دیتے ہوئے قرآن کریم کی مختلف آیات کی روشنی میں تقوے کی حقیقت کو اجاگر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ" تقوے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ متقی آخرت کے خوف و حزن سے مامون ہوجاتا ہے"۔ (۴۷) جہاں تک تمکن فی الارض کا سوال ہے تو یہ کوئی بری چیز نہیں ہے، یقیناً ایمان اور عمل صالح کے ساتھ وہ خدا کی بہت بڑی نعمت اور رحمت ہے، لیکن اس کو ایمان وتقوے کا لازمی اور غیر منفک نتیجہ قرار دینا غلط ہے"۔ (۴۸) کیونکہ اگر یہی نتیجہ لازمی قرار دیا جائے تو ہمیں فرعون، نمرود، شداد، ہٹلر مسولینی جیسے ظالموں کو بھی متقی ماننا پڑے گا۔ اسلئے اس کو تقوے کا لازمی نتیجہ قرار دینا عقیدے کے خلاف ہے۔

مولانا عثمانی کا یہ مضمون اگرچہ زیادہ طویل نہیں ہے لیکن قرآن کی آیات سے مستدل اور منکرین حدیث کا بھرپور جواب ہے۔ اس میں تقوے کی حقیقت اور اس کے اثرات پر جس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ پورے مضمون میں منکرین حدیث کے انکارِ حدیث کو سامنے رکھ کر صرف قرآنی آیات سے دلائل دے کر منکرین حدیث کو خاموش کیا گیا ہے۔

مولانا مودودی سے مراسلت:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) اپنے مختلف النوع نظریات کے باعث، انکی مسلمہ علمی قابلیت ولیاقت کے باوجود طبقۂ دیوبند میں متنازعہ شخصیت کے مالک رہے ہیں۔ مسائل جدیدہ میں ان کا ذوقِ اجتہاد، قدامت پسند علماء نے پسند نہیں کیا۔ بعض متشدد علماء کرام نے ان کو تمام ممکنہ گمراہ خطابات سے نوازنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی، مولانا عثمانی باوجودے کہ قدامت پسند علماء کے طبقۂ متشددین سے تعلق رکھتے تھے، لیکن انہوں نے مولانا مودودی سے جب کبھی گفتگو یا مراسلت کی تو اس میں سنجیدگی ومتانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ان سے علمی اختلاف ضرور کیا، لیکن ان کے احترام اور محبت میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔

تقسیم ہند کے بعد ہندو پاک کے مسلمانوں کے سامنے مختلف قسم کے مسائل جدید پیراہن میں آرہے تھے۔ عوام علماء سے رجوع کرتے اور وہ اپنی وسعت فکر، وعلمی لیاقت کے مطابق شریعت کے اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کرتے اور پھر مسئلہ کا جو حل نکلتا اسے عوام تک پہونچا دیتے تھے۔ ان مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ ہندوستان کی اس حیثیت کا تھا جو از روئے شرع پاکستان بن جانے کے بعد درپیش تھا وہ یہ تھا کہ ہندوستان کی شرعی حیثیت اسوقت دارالاسلام کی تو ہو ہی نہیں سکتی، تو اب یہ دارالامن ہے یا دارالحرب، کیونکہ بہت سے شرعی مسائل اس کی اس حیثیت پر ہی معلق تھے۔ دارالامن قرار دینے کی صورت میں مسائل کا نفاذ کسی دوسری طرح ہوتا تو دارالحرب ماننے کی صورت میں کسی اور طرح پاکستان ان حضرات کے نزدیک دارالاسلام تھا۔ دارالاسلام اور دارالحرب کے عوام کے مابین مسائل کس طرح حل کیے جائیں۔ یہ تفصیل طلب امور تھے۔ کیونکہ دونوں ملک کے باشندے اصلاً تو ایک تھے، لیکن اب حالات نے الگ الگ خانوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ انہیں مسائل میں سے ایک مسئلہ ''دارالاسلام'' اور ''دارالکفر'' کے مسلمانوں کے درمیان وراثت اور مناکحت کے تعلقات پر مشتمل تھا۔

ماہنامہ ترجمان القرآن (مولانا مودودی صاحب کی زیر ادارت شائع ہونے والا

مشہور علمی رسالہ) کے قارئین میں سے کسی قاری نے مسئلہ بالا سے متعلق سوال کیا۔ جسکے جواب میں مولانا مودودی نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ "ان دونوں ملکوں کے مسلمانوں کے درمیان وراثت اور شادی بیاہ کے تعلقات قائم نہیں ہو سکتے۔ (۴۹) مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب کی نظر سے ترجمان القرآن کا مذکورہ شمارہ (شعبان ۱۳۷۰ھ- جون ۱۹۵۱ء) گذرا تو آپ نے اس مسئلہ پر مولانا مودودی سے مراسلت کی جو رسائل ومسائل حصہ دوم میں شامل ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے مولانا مودودی کی علمی قابلیت کا اعتراف، ان سے اظہار محبت، اور کچھ علماء کیطرف سے انکی تحریروں پر تکفیری حملوں سے اظہارِ برأت کرتے ہوئے مسئلہ مذکورہ میں مولانا مودودی کے خیالات سے اختلاف کیا۔ آپ نے اس فتوے کو مذہب حنفی نیز مذاہب اربعہ کے خلاف بتاتے ہوئے تاریخی حوالوں سے یہ ثابت کیا کہ "آپ کی یہ رائے دونوں ملکوں کے حق میں نہیں"۔ اسی کیساتھ ساتھ آپ نے مولانا مودودی کو فقہی مسائل کے استنباط کے تعلق سے کچھ مشورے بھی دئے (۵۰)

مولانا مودودی نے اسکے جواب میں قرآن وحدیث سے براہِ راست استنباط کرنے اور عام فقہائے کرام کی آراء سے اختلاف کرنے کا اعتراف بھی کیا۔ (۵۱)

مولانا نے مولانا مودودی کو پھر مراسلہ لکھ کر مختلف قرآنی آیات واحادیث مبارکہ سے اپنے دعوے کو مدلل کرتے ہوئے فرمایا کہ "قرآن وحدیث سے براہِ راست استنباط کو میں منع نہیں کرتا مگر اس کے لئے جس قدر وسعتِ نظر فی الحدیث اور معرفت ناسخ ومنسوخ ومعرفت اقوال فقہاءِ سابقین کی ضرورت ہے، یہ شرط ہم میں اور آپ میں مفقود ہے"۔ (۵۲)

مولانا مودودی نے اس کے جوابی مراسلہ میں مولانا کے اعتراضات و اشکالات کو دور کرتے ہوئے یہ کہہ کر بحث ختم کی کہ "میری اس تقریر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دار الاسلام اور دار الکفر کے مسلمانوں کے درمیان مناکحت حرام ہے، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ جن زوجین کے درمیان اختلاف واقع ہو چکا ہے، ان کی طرف سے اگر فسخ نکاح

کی درخواست ہماری عدالت میں آئے تو وہ قابل لحاظ ہونی چاہئے اور آئندہ ایسے رشتوں سے پرہیز کرنا چاہئے"۔ (۵۳)

دیکھا جائے تو مولانا نے جتنے بھی مضامین (جو سینکڑوں سے متجاوز ہیں) تحریر کیے ہیں وہ تمام کے تمام علمی ہیں۔ مذکورہ بالا چند مضامین جو علمی بحث مباحثہ پر مشتمل ہیں انہیں خصوصی طور پر ذکر کرنے کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب جب بھی کسی کی تحریر میں کوئی بات خلاف شریعت محسوس کرتے یا قرآن وحدیث کے مطابق نہ پاتے تو اس کا نوٹس ضرور لیتے۔ خواہ وہ بات اپنے حلقوں سے کہی گئی ہو یا دوسرے حلقوں سے۔ اس بارے میں نہ تو وہ بلا وجہ کسی سے مرعوب ہوتے اور نہ ہی کسی کی توہین وتضحیک کے مرتکب ہوتے۔ سنجیدگی کے ساتھ اپنی بات فریقِ مخالف کے سامنے رکھتے اب یہ اس فریق پر منحصر تھا کہ وہ اس پر کیا ردعمل ظاہر کرتا ہے۔ ردعمل اگر قابل گرفت ہوتا تو وہ اس پر جوابی ردعمل ظاہر کرتے اور اگر نا قابل التفات ہوتا تو بات ختم کر دیتے۔ یہ ایک مثبت انداز فکر تھا جو مولانا کو علمی حلقوں میں ممتاز کئے ہوئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے یہاں علمی تحریروں کے تئیں جو جذبات مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبید اللہ سندھی وغیرہم (جو علمائے دیوبند میں امتیازی شان رکھتے تھے) کے متعلق ملتے ہیں وہی جذبات مولانا سید ابوالاعلی مودودی (جن کی فکر عام علمائے دیوبند کی روش سے ہٹ کر ہے) کے لئے بھی ملتے ہیں۔ آپ نے جس انداز سے مذکورہ بالا حضرات سے علمی بحث کی ہے اس میں افہام وتفہیم کے عناصر ہیں نہ کہ نزاع وجدال کے۔

مولانا عثمانی صاحب مرحوم کے متفرق مضامین کا جائزہ لینا اس باب کو بہت طویل کر دے گا، اس لئے ہم ان تمام مضامین سے صرف نظر کرتے ہوئے چند اہم مقالات کی فہرست کا اشاریہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اشاریہ مضامین مولانا ظفر احمد

مولانا ظفر احمد صاحب کے اہم علمی (اردو) مضامین کی فہرست

نمبر شمار	نام رسالہ	عنوان موضوع	تاریخ اشاعت
۱	ہفت روزہ شباب، لاہور	عیسائی مشنری	۲/اپریل ۱۹۶۱ء
۲	ایضاً	موسیقی اور اسلام (۲ قسط)	۱۸/جون و ۲۵/جون ۶۱ء
۳	ایضاً	علمائے شام سے انٹرویو	۲۳/جولائی ۱۹۶۱ء
۴	ایضاً	حضرت علی اور ابو جہل کی بیٹی کا نکاح	۱۴/اگست ۱۹۶۱ء
۵	ایضاً	علمائے مدینہ سے انٹرویو	۲۴/ستمبر ۶۱ء
۶	ایضاً	عیسائیوں سے سوالات	۴/فروری ۶۲ء
۷	ایضاً	میدانِ عرفات میں	۲۳/مئی ۶۲ء
۸	ماہنامہ البلاغ، کراچی	ذلت یہود اور عربوں کی شکست	جمادی الاولی ۱۳۸۷ھ
۹	ایضاً	مسلمانوں کے زوال کے اسباب	صفر المظفر ۱۳۸۸ھ
۱۰	ایضاً	سوالنامہ کا جواب	جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ
۱۱	ایضاً	محبوب نبی شبیر علی	شوال المکرم ۱۳۸۸ھ
۱۲	ایضاً	دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب	شوال المکرم ۱۳۹۱ھ
۱۳	ایضاً	عصر حاضر میں مسافت کی تحقیق	ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ
۱۴	بینات کراچی	نوٹ کی شرعی حیثیت	ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ
۱۵	فاران، کراچی	اسلام میں عورت کا عائلی مقام	
۱۶	ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ، لاہور	اشرف البیان فی معجزات القرآن	اپریل ۱۹۷۰ء

۱۷	صوت الاسلام، لاہور	اسلامی نظام کے بنیادی اصول	۱۲ر جون ۱۹۷۰ء
۱۸	ماہنامہ الصدیق، ملتان	خطیب بغدادی کے اعتراضات کے جوابات	اٹھارہ قسطوں پر مشتمل طویل مضمون
۱۹	ماہنامہ اشرف العلوم، سہارنپور	سفرنامۂ حجاز (حصۂ اول)(۵ قسط)	محرم تا جمادی الاول ۱۳۵۴ھ
۲۰	ماہنامہ ندائے حرم کراچی	سفرنامۂ حجاز (حصہ دوم)	
۲۱	ماہنامہ الرشاد، سہارنپور	ولادت محمدیہ کا راز (حصہ اول)	
۲۲	ماہنامہ النور، تھانہ بھون	ولادت محمدیہ کا راز (حصہ دوم)	جمادی الاولی ۳۹ھ تا ذی قعدہ ۵۲ھ
۲۳	ایضاً	حوائج بشریہ اور تعلیم نبوت (۳ قسط)	اواخر ۱۳۴۰ھ تا اوائل ۱۳۴۱ھ
۲۴	ایضاً	انکشاف الحقیقۃ عن استخلاف الطریقۃ (۲ قسط)	شعبان و رمضان ۱۳۴۱ھ
۲۵	ایضاً	القول المیسور فی تسہیل اثبات المستور	صفر المظفر ۱۳۴۷ھ ()

ماہنامہ النور، تھانہ بھون میں مولانا مرحوم کے علمی مضامین مستقل شائع ہوتے تھے، بہت سے مقالات بالاقساط شائع ہوئے اور بعد میں کتابی شکل اختیار کر گئے، اس لئے ان کے ذکر کی یہاں ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ علاوہ ازیں فتاویٰ میں بھی آپ کا اہم مقام رہا ہے۔ آپ کے فتوے اگرچہ منضبط شکل میں نہیں ملتے تاہم مولانا اشرف علی تھانوی کی امداد الفتاویٰ میں بہت سے فتوؤں پر آپ کی رائے لی گئی ہے، جن میں ''نہایۃ الادراک فی اقسام الاشراک'' اور'' دیوناگری و انگریزی رسم الخط میں قرآن پاک کی کتابت سے متعلق'' فتوؤں نے بہت شہرت حاصل کی۔ یہاں ہم نے مولانا کے صرف ان مضامین کا اشاریہ دیا ہے جو علمی دنیا میں بے حد مقبول ہوئے اس باب کو یہیں پر ختم کرتے ہوئے ہم دوسرے باب میں مولانا ظفر صاحب کی اردو کتب کا سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

﴿حواشی﴾ چوتھا باب فصل اول

(۱) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں ''سود'' اور ''اسلامی نظام زمینداری و جاگیرداری'' پر طویل بحث در بحث کا سلسلہ اس کا بین ثبوت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اپریل تا اگست ۴۴ء، مئی، نومبر، دسمبر ۴۵ء، جنوری، مارچ، جون، جولائی، ستمبر، دسمبر ۴۶ء اور جنوری ۴۷ء کے شمارے۔

(۲) ملاحظہ فرمائیے: رسائل و مسائل / مولنا سید ابوالاعلیٰ مودودی / مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، طبع دوم ۱۹۵۷ء / ج:۲، ص:۱۶۷

(۳) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، ۴/۵۳، ۵۔۶ و ۱/۵۴۔۲ پر مبسوط تفصیلی مضمون

(۴/۵/۶) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، ۴/۵۳، ۵۔۶ و ۱/۵۴۔۲ پر مبسوط تفصیلی مضمون ۶/۵۳ (جون ۱۹۴۴ء) ص:۴۳۷

(۷/۸/۹/۱۰) معارف ۵/۵۵، (نومبر ۴۵ء) ص:۱۰۷ تا ۱۱۳۔

(۱۱) معارف، ۵/۵۶۔۶ و ۱/۵۷ (مئی، جون و جولائی ۴۶ء)

(۱۲) معارف، ۳/۵۷ (ستمبر ۴۶ء)

(۱۳) معارف، ۶/۵۷ و ۱/۵۸ (دسمبر ۴۶ء، جنوری ۴۷ء

(۱۴) معارف، ۵/۵۶ (مئی ۴۶ء)

(۱۵) معارف، ۶/۵۶ (جون ۴۶ء)

(۱۶) معارف، ۶/۵۷ (دسمبر ۴۶ء)

(۱۷) معارف، ۱/۵۸ (جنوری ۴۷ء)

(۱۸) عارف، ۳/۵۸ (مارچ ۴۷ء)

(۱۹) معارف، ۶/۵۸ (جون ۴۷ء)

(۲۰) معارف، ۱/۵۹ (جولائی ۴۷ء)

(۲۱) معارف، ۶/۷۰ و ۱/۷۱ (جون ۵۳ء و جولائی ۵۳ء)

(۲۲/۲۳/۲۴/۲۵/۲۶) معارف، ۶/۷ (جون ۵۳ء)

(۲۷) معارف، ۱/۷۱ (جولائی ۵۳ء)

(۲۸/۲۹) معارف، ۴/۷۱ (اکتوبر ۵۳ء)

(۳۰) اردو ترجمہ ترمذی شریف / ربانی بکڈپو، دہلی، طبع دوم، جنوری ۸۷ء / ص: ۷
(۳۱) علم حدیث اور چند اہم محدثین / سالم قدوائی / مکتبہ جامعہ نئی دہلی / جون ۸۱ء / ص: ۵۵
(۳۲/۳۳/۳۴/۳۵) معارف، ۷۱ / ۴ (اکتوبر ۵۳ء)
(۳۶/۳۷) معارف، ۷۱ / ۵ (مئی ۵۳ء)
(۳۸) معارف، ۷۱ / ۶ (دسمبر ۵۳ء)
(۳۹) معارف، ۷۲ / ۱ (جنوری ۵۴ء)
(۴۰) ملاحظہ کیجئے ماہنامہ ''الفرقان'' بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر ۱۳۶۰ھ، ۱۹۴۱ء، ص: ۲۴۹ تا ۳۳۵
(۴۱) مولنا ظفر احمد صاحب کے مضمون پر مولنا منظور نعمانی کے خصوصی ادارتی نوٹ سے ماخوذ، الفرقان بریلی / ربیعین ۱۳۶۰ھ / ص: ۵۵
(۴۲/۴۳) الفرقان، ربیعین ۱۳۶۰ھ / ص: ۵۵ تا ۹۳
(۴۴) تفسیر سورۃ الفیل / غلام احمد پرویز / طلوع اسلام، دہلی / ستمبر ۴۱ء (پرویز صاحب کی رائے علامہ حمید الدین فراہی کی رائے سے ملتی جلتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے تفسیر نظام القرآن / علامہ حمید الدین فراہی / اردو ترجمہ: امین احسن اصلاحی / مطبوعہ دائرہ حمیدیہ، سرائے میر / ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۰ء / ص: ۳۸۷۔
(۴۵) پرویز صاحب کی تفسیر سورۃ الفیل پر ایک نظر / مولنا ظفر احمد عثانی، الفرقان بریلی، شوال ۱۳۶۰ھ / ص: ۱۹
(۴۶) طلوع اسلام دہلی / نومبر ۴۱ء
(۴۷/۴۸) الفرقان، بریلی / ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ ص: ۲۵ تا ص: ۲۸
(۴۹) رسائل و مسائل / مولنا ابوالاعلیٰ مودودی / مرکزی مکتبہ اسلامی اچھرہ، پاکستان / طبع دوم ۱۹۵۷ء / ج: ۲ ص: ۱۶۶
(۵۰/۵۱/۵۲/۵۳) رسائل و مسائل / مولنا ابوالاعلیٰ مودودی / مرکزی مکتبہ اسلامی اچھرہ، پاکستان / طبع دوم ۱۹۵۷ء / ج: ۲ ص: ۱۶۶ ص: ۱۷۲ تا ۲۰۱

فصل دوم

اردو تراجم وتصنیفات

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اگرچہ اپنی عربی زبان وادب سے دلچسپی کے باعث عربی زبان میں لکھتے تھے، اور شعروشاعری بھی عربی زبان میں ہی کرتے تھے۔ تاہم انہوں نے عوامی ضروریات اور اپنے شیخ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم کے مطابق اردو زبان میں بھی تصنیف وتالیف کا کام کیا۔ اسی طرح جب عربی زبان وادب کی کوئی ایسی چیز سامنے آتی جس کو اردو میں منتقل کرنا ضروری سمجھا جاتا تو مولانا مرحوم اس کام کو بھی بے تکلف کرتے۔ خصوصاً تصوف کے فن میں بہت سی ادق کتابوں کا آپ نے سہل اردو میں ترجمہ کر کے فن ترجمہ نگاری اور اردو زبان دونوں کی ہی خدمت کی اور عربی علوم و فنون کو آسان اردو میں منتقل کر کے اہل علم ودانش سے دادِ تحسین وصول کی۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں مولانا مرحوم کی کچھ اردو تصنیفات وتالیفات وتراجم کا مختصر ترین جائزہ لے لیا جائے تاکہ مولانا کی شخصیت کا یہ گوشہ بھی سامنے رہے۔ پہلے کچھ تراجم کا تذکرہ۔

(الف) اردو تراجم

۱-البنیان المشید

شیخ احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ (۵۱۲-۵۷۸ھ) مشہور ومعروف صاحب نسبت بزرگ گذرے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو رشد وہدایت کے راستہ پر چلنے کی ترغیب دی اور اپنے مواعظ سے مخلوق کو فیض پہونچایا (۱)، آپ کے مواعظ کا عربی مجموعہ ''البرھان المؤید'' کے نام سے معروف ہے۔ پیشِ نظر کتاب اسی کا اردو ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تقریظ بھی ہے۔ شروع میں مترجم مرحوم نے شیخ احمد کبیر رفاعیؒ کے مختصر حالات بیان کئے ہیں۔ اس کے بعد دیباچہ میں اس کتاب کے ترجمہ کی ضرورت وافادیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب میں چھوٹے چھوٹے مضامین مختلف عناوین کے تحت قلم بند کئے گئے ہیں جن کا لبِ لباب یہ ہے کہ عوام تصوف وسلوک کی ماہیت وحقیقت سے واقف ہو کر اپنے اندر اخلاقِ عالیہ پیدا کریں اور بری باتوں سے پرہیز کریں نیز تصوف کے بارے میں پیدا شدہ افراط وتفریط سے بچ کر اس کی صحیح جان کاری حاصل کر سکیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں تصوف کی اصلیت کیا ہے؟ کیا وہ ارکانِ اسلام کا پابند ہوئے بغیر قابلِ قبول ہے؟ بدعت سے بچنا کس لئے ضروری ہے۔ بندگی کی حقیقت کیا ہے؟ اولیاء اللہ اور اہل بیت کی محبت کے کیا فائدے ہیں؟ زندگی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ توحید خالص کس کو کہتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا کیوں ضروری ہے؟ وغیرہ وغیرہ چھوٹے بڑے تقریباً سو سے زائد عنوانات پر مشتمل یہ کتاب برِ صغیر میں شہرت ومقبولیت حاصل کر چکی ہے۔

شیخ رفاعی نے جگہ جگہ مناسب انداز میں اپنے شعری ذوق کا اظہار کیا ہے جسکا مترجم نے خاص لحاظ رکھا ہے۔ عربی اشعار دے کر نیچے الگ سے ان کا ترجمہ کر دیا ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ نے تقریباً ہر باب میں موقع محل کی مناسبت سے عارفانہ اشعار پیش کئے ہیں۔ اس طریقہ پر سید کبیر رفاعی علیہ الرحمۃ کی ''البرہان المؤید'' اگرچہ تصوف و سلوک کی منزلیں طے کرنے والوں کے لئے ایک راہ نما کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اس کی ادبی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا ظفر احمد عثمانی کے اردو ترجمہ ''البنیان المشید'' نے اس ذوق کو اور جلا بخشی ہے۔ آپ نے ترجمہ میں مناسب مواقع پر عربی اشعار کیساتھ ساتھ فارسی اور اردو اشعار کو اتنے دل کش انداز میں سمویا ہے کہ وہ ترجمہ نہیں بلکہ اصل تصنیف معلوم ہونے لگتی ہے، نیز ترجمہ کی سلاست وروانی، اور عبارت آرائی ورنگینی نے بھی اس ترجمہ کو تصنیف کی شکل دے دی ہے جس میں معرفت کے سربستہ رازوں کا افشاء بھی ہے اور تصوف وسلوک کی منازل طے کرنے کے طریقے بھی۔ عربی کے خوبصورت اشعار بھی ہیں اور اردو کی بیش قیمت مثالیں بھی۔

۲-روح تصوف مع عطر تصوف

یہ مختصر سا رسالہ ہے، جو مذکورہ بالا کتاب کے اخیر میں شامل اشاعت ہے (علاوہ ازیں الگ سے بھی شائع شدہ ہے)۔ درحقیقت اسے البیان المشید کی تلخیص کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ اس میں سالکین طریقت کو تصوف وسلوک کے وہ طریقے مختصر مگر جامع انداز میں بتلائے گئے ہیں جن پر چل کر معرفت وعرفان کے راستے آسان ہو جاتے ہیں۔

۳-مرام الخاص

سید احمد کبیر رفائی کے عربی رسالہ النظام الخاص کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ بھی با محاورہ، سلیس اور دل چسپ ہے، حاشیہ پر موقع بہ موقع حضرت مولانا تھانوی کی تحقیقات کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں حُسنِ معاشرت، تمدن، اور اخلاق کو بڑے عمدہ پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ (۲)

۴-الدر المنضود فی ترجمۃ البحر المورود

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۹۸-۹۷۳ھ) اپنے عہد کے تصوف کے امام کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ آپ کی پیدائش قلقشندہ (مصر) میں ہوئی جو آپ کی والدہ کا وطن تھا، چالیس دن بعد وہ ان کے آبائی وطن "شعران" واپس لوٹیں اس نسبت سے "شعرانی" مشہور ہوئے۔ (۳) آپ نے فن تصوف میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے ایک کا نام "البحر المورود" ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی خواہش پر مولانا ظفر صاحب نے "البحر المورود" کا اردو ترجمہ "الدر المنضود" کے نام سے کیا۔ البحر المورود میں علامہ شعرانی نے اپنے مشائخ کے ان معاہدوں کو جوان سے لئے گئے تھے اور ان وصیتوں کو جو ان کو کی گئی تھیں جمع فرمایا۔ مولانا نے اس کا ترجمہ تین حصوں میں کیا ہے۔ پہلا حصہ کتابی شکل میں چھیانوے صفحات پر مشتمل ہے، جس پر مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تقریظ بھی شامل ہے اس میں کتاب کی اہمیت وافادیت بھی اجاگر کی گئی ہے۔ یہ حصہ ۱۳۳۸ھ میں لکھا گیا۔ اس کے

1
2

بعد کے دونوں حصے ماہنامہ الامداد، تھانہ بھون میں بالاقساط شائع ہوئے، جنہوں نے بعد میں کتابی شکل اختیار کرلی، یہ کتاب فن تصوف میں ہے اور اس کے کچھ حصے ماہنامہ "النور" تھانہ بھون میں بھی شائع ہوئے۔ (۴)

۵- الاسباب المحمودیۃ فی ترجمۃ آداب العبودیۃ

علامہ شعرانی علیہ الرحمۃ کا ایک اور رسالہ "آداب العبودیۃ" کے نام سے ہے۔ یہ رسالہ بھی تصوف سے متعلق ہے۔ اس کا ترجمہ مولانا ظفر صاحب نے سلیس اور شگفتہ اردو میں کیا جو ماہنامہ "النور"، تھانہ بھون میں بالاقساط شائع ہوا۔ بعد میں اسے کتابی شکل دی گئی۔ کتابی شکل میں یہ ترجمہ مختلف اوقات میں طبع ہوتا رہا۔ اس کو مقبولیت حاصل ہوئی اس کی طباعت مکتبہ تھانوی، کراچی سے بھی ہوئی۔ (۵)

۶- رحمۃ القدوس فی ترجمۃ بہجۃ النفوس

علامہ ابو محمد عبداللہ ابن ابی حمزۃ مالکی کی تصنیف "بہجۃ النفوس" کا اردو ترجمہ مولانا نے مولانا تھانویؒ کے حکم سے کیا۔ یہ بھی فنِ تصوف سے متعلق ہے، لیکن اس کی خصوصیت یہ ہے کہ علامہ مالکی نے بخاری شریف سے تین سو احادیث کا انتخاب فرمایا اور پھر ان سے مسائلِ تصوف اور فقہی مسائل مستنبط فرمائے، نیز ان احادیث میں جو اشکالات آتے تھے ان کے جوابات بھی لکھ دئے۔

مولانا نے اپنے ترجمہ میں یہ لحاظ رکھا کہ ان تین سو احادیث میں سے صرف ایک سو احادیث کو منتخب کیا۔ پھر ان کی شرح و تحقیق لکھی جو مجموعی طور پر دو جلدوں میں ہے پہلی جلد تین سو چھیالیس اور دوسری جلد چار سو باون (۴۵۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ جلد ۲ کے بعد مولانا نے اس کام کو آگے بڑھاتے ہوئے حدیث ۱۰۱ سے کام شروع کیا۔ بعد میں یہ انتخاب بخاری شریف کے نام سے بھی شائع ہوا۔ (۶)

۷- الانوار المحمدیۃ فی ترجمۃ الترغیب والترہیب

الحافظ الکبیر شیخ الاسلام زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبداللہ بن

سلامۃ بن سعد بن سعید المنذری الشامی ثم المصری (۵۸۱-۶۵۶ھ/۱۱۸۶-۱۲۵۹ء) مشہور حافظ حدیث ہیں، (۷) آپ کی متعدد تصانیف نے شہرت و مقبولیت حاصل کی، لیکن جو مقبولیت آپ کی تصنیف ''الترغیب والترہیب'' کو حاصل ہوئی وہ دوسری تصانیف کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ (۸)

حافظ منذریؒ نے اس کتاب یعنی الترغیب والترہیب میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو نیک اعمال پر اجر و ثواب اور بدعملیوں پر سزا و عذاب کے مضمون سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے اقوال پر مشتمل ہیں۔ (۹) اس کتاب کی متعدد شروحات و تلخیصات و تراجم مختلف زبانوں میں شائع ہوئے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی فرمائش پر اس کے مختلف حضرات نے تراجم کئے جو ماہنامہ ''الہادی''، دہلی میں بالاقساط شائع ہوتے رہے۔ پہلا ترجمہ مولانا محمد اسحاق بن عبداللہ میرٹھی نے ''التادیب والتہذیب'' کے نام سے کتاب الصدقات تک کیا، اس کے بعد کا ترجمہ مولانا ظفر صاحب کا ہے جو ''الانوار المحمدیۃ'' کے نام سے شائع ہوا۔ مولانا نے صرف ترجمہ پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ اس کو مستقل تالیف کی حیثیت دے دی، اور جا بجا حدیث کی شرح و فوائد کا بھی اضافہ کر دیا۔ حضرت تھانویؒ علیہ الرحمۃ نے اس کے ہر حصہ کو انوار سے موسوم فرمایا۔ (۱۰) مثلاً انوار العلوم، انوار الجہاد، وغیرہ۔ مولانا مرحوم کا یہ ترجمہ انوار الدعاء کے آخیر تک ہے، یہ ترجمہ بامحاورہ ہے اور سابقہ ترجمہ کی بہ نسبت اس میں تشریحات بھی زیادہ ہیں۔ (۱۱)

۸- نزہۃ البساتین فی ترجمۃ روض الریاحین

حضرت امام یافعی علیہ الرحمۃ کی کتاب ''روض الریاحین'' کا ترجمہ آپ نے حضرت تھانویؒ علیہ الرحمہ کی ایماء پر ''نزہۃ البساتین'' کے نام سے کیا جو شائع شدہ ہے۔ اس ترجمہ کی خاصیت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کو مولانا تھانویؒ نے خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون کے درس میں داخلِ نصاب فرمایا تھا۔ (۱۲)

۹- لباب النعمۃ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۰ھ/۵۰۵ھ) بغداد کے طوس ضلع کے طاہران نامی قصبہ میں پیدا ہوئے۔ (۱۳) انہوں نے زندگی اور معاشرت کا اسلامی جائزہ لیتے ہوئے کلام و منطق، فلسفہ و حکمت وغیرہ کی حقیقتوں سے عوام کو روشناس کرایا۔ (۱۴) آپ کی تمام تصنیفات نے عالم گیر شہرت حاصل کی جن میں اکثر و بیشتر علوم و فنون کا سرچشمہ تصور کی جاتی ہیں۔ انہیں میں ایک کتاب "الحکمۃ" ہے جس کا ترجمہ مولانا نے حکیم الامت کے حکم پر "لباب النعمۃ" کے نام سے کیا۔

"الحکمة فی مخلوقات الله عز و جل" میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات مثلاً آسمان، دنیا، سورج، چاند، ستارے، دریا، پانی، آگ، انسان، پرندے، چوپائے، شہد کی مکھی، چیونٹی، مکڑی، مچھلی، و نباتات وغیرہ کی پیدائش کی حکمتیں آیاتِ قرآنی، احادیث مبارکہ و تفاسیر کی روشنی میں اپنے انداز میں بیان کی ہیں۔ امام غزالیؒ نے اس کا مقصدِ تالیف اللہ کی مخلوقات اور نعمتوں میں غور و فکر بتایا ہے۔ مولانا نے امام غزالی کی اس معرکۃ لآ راء تصنیف کا اردو ترجمہ نہایت عمدہ پیرایہ میں کیا جو بہت مقبول ہوا۔ (۱۵)

مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عربی کتاب کے مفید تراجم کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا۔ اردو زبان میں ان کی بہت سی کتابوں نے مقبولیت حاصل کی، جن کا مختصر تعارف ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

(ب) تصنیفات و تالیفات

۱- تلخیص البیان

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کے اردو ترجمہ کے علاوہ تفسیر بھی کی تھی، جو بیان القرآن کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ یہ تفسیر عوام و خواص میں آ[illegible] تک مقبول ہے۔ مولانا جب ۱۳۳۹ھ میں سفر حج سے واپس تشریف لائے تو مولانا تھانویؒ کے ارشاد کے مطابق خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں مقیم

ہو گئے۔ اس موقع پر مولانا تھانویؒ نے اپنے اس مایہ ناز شاگرد کے ذمہ بیان القرآن کی تلخیص کا کام کیا، جو آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ یہ تلخیص حمائل شریف کے حاشیہ پر اشرف المطابع، تھانہ بھون سے شائع ہوئی، لیکن اب نایاب ہے۔

۲-الشفاء

یہ تفسیری مضامین کا مجموعہ ہے جو سوال وجواب کی شکل میں مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیب دیا تھا۔ یہ مجموعہ پہلے ماہنامہ ''النور''، تھانہ بھون میں تقریباً دو سال تک بالاقساط شائع ہوتا رہا، بعد میں اس نے کتابی شکل اختیار کرلی۔ اس کتاب میں مولانا مرحوم نے ان اعتراضات وجوابات کو یکجا کیا ہے جو مختلف حلقوں کی طرف سے قرآن کریم پر مختلف اوقات میں کئے گئے۔ ان کے تشفی بخش جوابات مولانا مرحوم نے دئے۔ یہ جوابات زیادہ تر تفسیر بیان القرآن سے اخذ کئے گئے ہیں۔ مولانا نے ان مضامین کو بعد میں کتابی شکل دے دی۔

۳-امداد الاحکام فی مسائل الحلال والحرام

یہ مولانا ظفر احمد صاحب کے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو مولانا نے اپنے استاد ومربی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشاغل وعوارض کی بنا پر فتاویٰ کا سلسلہ بند کر دینے کے بعد حضرت کے حکم پر اس خدمت کو انجام دینے کے سلسلہ میں شروع کیا تھا۔ مولانا اشرف علیؒ کے بعد فتاویٰ نویسی کا کام آپ ہی کے سپرد کیا گیا تھا۔ آپ کی فتویٰ نویسی کے متعلق مولانا تھانوی نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''مولانا کے فتاویٰ پر مجھے تقریباً ایسا ہی اطمینان ہے جیسا کہ خود اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ پر''۔ مولانا کے ان فتاویٰ کا ایک ضخیم مجموعہ تیار ہو گیا تھا، جس کا نام حضرت تھانویؒ نے ''امداد الاحکام'' تجویز فرمایا۔ اس کا کچھ حصہ بالاقساط ماہنامہ ''الہادی'' دہلی میں شائع ہوا لیکن بعد میں تمام فتاویٰ کو مرتب کر کے کتاب کی صورت میں ''امداد الاحکام فی مسائل الحلال والحرام'' کے نام سے شائع کر دیا گیا۔ یہ کتاب خاصی ضخامت لئے ہوئے ہے۔ بعد میں اس کتاب کو جدید اور خوبصورت انداز

پر دار العلوم، کراچی سے شائع کیا گیا، جس پر مفتی محمد شفیع صاحب کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد رفیع صاحب کا مقدمہ ہے۔ (۱۶)

۴- فاتحۃ الکلام فی القرأۃ خلف الامام

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قرأت فاتحہ واجب نہیں۔ مولانا مرحوم چوں کہ متشدد قسم کے حنفی تھے، اس لئے انہوں نے اس مسئلہ میں مسلک حنفیہ کی توضیح و ترجمانی میں احادیث مبارکہ کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ احناف کا مسلک درست و مناسب ہے۔ (۱۷)

۵- سفر نامہ حجاز

مولانا جب دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے گئے تو اس مبارک سفر (یہ سفر مولانا کی تحریر کے مطابق ۳ رشوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۵ ر فروری ۱۹۳۴ء کو شروع ہوا۔) (۱۸) کی تمام تفصیلات علمی انداز میں جمع فرمائیں بعد میں اس کی اہمیت، افادیت اور مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اسے کتابی شکل دے دی گئی، جس میں اضافے بھی ہوئے۔ یہ کتاب بصیرت افروز معلومات کے ذخیرہ کے علاوہ عازمینِ حج کے لئے نہایت ہی مفید ہے، اس سفر میں مولانا نے عربی ادب کے دو بلند پایہ نعتیہ قصائد بھی موزوں کیے، جو ''نور علی نور'' کے نام سے طبع ہوئے۔ اس سفر نامہ کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ بعد میں یہ تین جلدوں میں ہوگئی، جس کی دوسری جلد ماہنامہ ''ندائے حرم'' میں قسط وار شائع ہوئی، (۱۹) اور مولانا نے اس کی تیسری جلد بھی ترتیب دی، جس کا مسودہ مولانا کی حیات تک محفوظ تھا، طبع ہوا یا نہیں، اس کی تحقیق نہیں ہوسکی۔

۶- اسلام میں پردہ کی حقیقت

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے پردہ کی تائید و حمایت میں ''ثبات الستور'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا۔ جو اپنی ادق اور مشکل عبارتوں کے باعث عوام کی رسائی سے باہر تھا۔ مولانا نے اس پر کام شروع کیا اور اسے عوام کو سمجھانے کی خاطر نہ صرف

آسان اردو میں منتقل کردیا، بلکہ جہاں کہیں اضافوں کی ضرورت محسوس ہوئی اضافے بھی کردئے، جس نے تالیف کی شکل اختیار کرلی، اس کا نام آپ نے "القول المیسور فی تسہیل ثبات المستور" رکھا، جو کتاب کی صورت میں "اسلام میں پردہ کی حقیقت" کے نام سے طبع کرایا، اور بہت زیادہ مقبول ہوا۔ (۲۰)

۷-القاء السکینۃ فی تحقیق ابداء الزینۃ

یہ رسالہ بھی پردہ کے سلسلہ کی ہی دوسری کڑی ہے۔ جو حجم کے اعتبار سے تو بہت مختصر، لیکن مضمون کے اعتبار سے بہت وقیع ہے۔ اس کتاب میں آپ نے پردہ کے متعلق تمام آیات قرآنیہ کی تفسیر اور ان کی بے مثل تحقیق پیش کی ہے، اور پردۂ مروجہ کو ثابت کیا ہے۔ یہ مختصر رسالہ اپنے موضوع کے اعتبار سے جامع اور مفید ہے۔ (۲۱)

۸-ولادت محمدیہ کا راز

یہ اسلامی تاریخ پر مولانا کا ایک طویل مضمون تھا، جس میں سیرت کے اہم اہم پہلوؤں پر خصوصی طور سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب مولانا نے سہارنپور کے زمانہ قیام میں ترتیب دی تھی، لیکن اسے شائع کرانے کی فرصت نہیں مل سکی تو ماہنامہ "النور"، تھانہ بھون اور ماہنامہ "الرشاد"، سہارنپور کے مدیران کی خواہش واصرار پر ان کے حوالے کردی، جنہوں نے ان کو مذکورہ بالا رسائل میں قسط وار شائع کیا۔ بعد میں یہ کتابی شکل میں شائع ہوئی یا نہیں، اس کی تحقیق نہیں ہوسکی۔

۹-انوار النظر فی آثار الظفر

مولانا علیہ الرحمہ کی خودنوشت سوانح ہے، جو دو حصوں میں ہے۔ پہلے حصہ میں تعلیم وتدریس سے لے کر قیام پاکستان تک کے واقعات اور دوسرے حصے میں اپنی زندگی کے بیش قیمت واقعات درج فرمائے ہیں۔

۱۰-القول المنصور فی ابن منصور

ابوالمغیث الحسین بن منصور بن محمی البیضاوی ۲۴۴ھ/ ۸۵۷ء میں صوبہ فارس

کے مشہور شہر ''البیضاء'' کے شمال مشرق میں ''الطور'' نامی مقام پر پیدا ہوئے۔ (۲۲)

حسین بن منصور نسلاً ایرانی تھے، ان کا دادا پارسی تھا، باپ اسلام لائے تھے۔ (۲۳)

اہل ہند آپ کو ابو المغیث، اہلِ چین ابو المعین، اہلِ خراسان ابو المغیر، اہلِ فارس ابو عبداللہ زاہد، اہلِ خورستان حلاج الاسرار، اہلِ بغداد مصطلم اور اہلِ بصرہ آپ کو محیَّر کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ (۲۴) حلاج کی شخصیت علماء کے درمیان متنازعہ رہی ہے۔ بہت سے علماء نے ان کے مختلف عقائد کی وجہ سے منصور حلاج کو خارج از اسلام قرار دیا، لیکن علمائے حق کا ایک خیر پسند طبقہ ان کے ان عقائد کو ''احوال'' کا عنوان دے کر انکی بزرگی کا قائل رہا۔ انہیں بزرگوں میں مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی تھے، جنہوں نے ایک رسالہ حسین بن منصور الحلاج کے اشعار کی شرح میں لکھا تھا۔ انکی شدید خواہش تھی کہ اگر کوئی شخص ابن منصور کے تاریخی حالات و واقعات کو قلم بند کر دیں تو زیادہ بہتر ہو، مولانا کے دل میں اس خواہش کو پورا کرنیکا داعیہ پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت تھانویؒ کی اجازت سے یہ تالیف شروع کر دی۔ اس تالیف کا مقصد علمائے متقدمین کی ان بدگمانیوں کو دور کرنا تھا جو اس دور میں منصور بن حلاج کے متعلق پیدا ہو گئی تھیں۔ (۲۵)

مولانا ظفر احمد صاحبؒ نے اس کتاب میں حلاج کی پیدائش، تعلیم و تربیت، ان کے عقائد وغیرہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس کی تالیف سے مولانا اس وقت فارغ ہوئے، جب کہ وہ بغرضِ ملازمت بنگلہ دیش میں مقیم تھے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ حسین بن منصور حلاج کے سلسلے میں افراط و تفریط سے پاک اور علمائے اہلِ سنت والجماعت کی فکر کے مطابق ہے۔ جس کا اظہار خود حضرت تھانویؒ نے اس پر لکھی ہوئی تقریظ میں کیا ہے۔ (۲۶)

حلاج کے تعلق سے قدیم زمانہ سے چلی آرہی غلط فہمیوں کو اس کتاب کے ذریعہ معتبر روایات اور بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور حلاج کی دعوت کا صحیح مقصد مثبت انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ وہ ہر آدمی کو اس قابل بنانا چاہتا تھا کہ آدمی اپنے ہی دل کے اندر اللہ تعالیٰ کو تلاش کر سکے۔ علمائے متقدمین و

متاخرین کو اس دعوت اور اس کے طریقے پر جو اعتراضات ہیں ان کا بھی جائزہ لیا گیا ہے، اوران کے ازالہ کی کوشش کی گئی ہے۔ علمائے کرام کے حلاج سے اختلاف کی اصل ان کی دعوت کا یہ طریق کار ہی تھا، کیوں کہ یہ اسرار و رموز کی باتیں تھیں، جنہیں ہر کس و ناکس کے سامنے پیش نہیں کیا جاسکتا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے اس کا ایک نام "حلاج الاسرار" (بھیدوں کا دُھننے والا) پڑا۔ (۲۷) المختصر حسین بن منصور المعروف بہ حلاج کی شخصیت کو سمجھنے اور اس کی دعوت کا تعارف مولانا نے مذکورہ کتاب میں بہت مناسب انداز میں افراط و تفریط سے مبرا ہو کر کرایا ہے۔ قدیم طرز طباعت کی معیاری کتابت و طباعت سے آراستہ تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل اس کتاب کو یونائیٹڈ پریس، لکھنؤ نے شائع کیا ہے۔ اگرچہ سن طباعت درج نہیں ہے، لیکن آخری صفحہ پر شائع شدہ دائمی جنتری سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب اکتوبر ۱۹۴۰ء میں طبع ہوئی ہوگی۔

۱۱- مسئلہ ترک موالاۃ

ہندوستان کے سیاسی حالات کے پسِ منظر میں یہ مولانا کا مختصر ترین رسالہ ہے، جس میں مسلمانوں کی کانگریس میں شمولیت پر علمی انداز میں تنقید کی گئی ہے۔ اس کا روئے سخن ان علمائے کرام کی طرف ہے جو کانگریس کی حمایت میں پیش پیش تھے۔ مولانا مرحوم چونکہ نظریاتی طور پر کانگریس کو مسلم دشمن تصور کرتے تھے، اسی وجہ سے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ "افسوس کہ لیڈرانِ قوم نے اس وقت اپنے سچے خیر خواہوں کو بدخواہ اور حقیقی دشمنوں کو خیر خواہ سمجھ لیا ہے"۔ (۲۸) اس رسالہ کی تالیف کی اہم وجہ یہ ہوئی کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کانگریس کی تحریک ترک موالات میں شامل مسلمانوں کو اس سے روکنے کے لئے شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں ایک استفتاء کے جواب میں فتویٰ دیا تھا، جو کانگریسی علمائے کرام اور کانگریس حامی مسلمانوں کو بہت زیادہ ناگوار گذرا۔ اس ناراضگی کے جواب میں مولانا مرحوم نے یہ مختصر رسالہ ترتیب دیا، جو چھوٹے سائز کے صرف بیس صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۳۳۹ھ کی مطبوعہ ہے۔

۱۲- تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین

یہ کتاب بھی اسی سیاسی پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ اسکا مقصد مسلمانوں کو ان فتنوں سے آگاہ کرنا ہے، جو کفار و مشرکین سے موالات اور دوستی کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں اور پھر ان تعلقات اور مودت و محبت کی وجہ سے اسلامی احکام، شرعی حدود اور مسلم تہذیب و ثقافت پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، انکا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی ۱۳۳۹ھ کی مطبوعہ ہے۔ اس پر تاریخِ تصنیف ۱۳ر محرم ۱۳۳۹ھ پڑی ہوئی ہے۔ غالبًا مذکورہ بالا دونوں کتابیں ایک ہی وقت میں (کچھ وقفہ کے فرق سے) لکھی گئی ہیں۔ (۲۹)

۱۳- فضائل جہاد

مسلمانوں میں اسلامی جہاد اور دینِ حق کے لئے ہر طریقہ کی کوششیں کرنے کے لئے نیز حق کی خاطر باطل قوتوں سے قتال کے جذبہ کو زندہ رکھنے کے لئے یہ مختصر سی تالیف ہے۔ چھیالیس احادیث مبارکہ جہاد کے تعلق سے جمع کی گئی ہیں۔ (۳۰)

۱۴- القول الماضی فی نصب القاضی

ممالک اسلامیہ میں مقدمات کو نمٹانے کی خاطر قاضیوں کا تقرر کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں بھی یہ سلسلہ جاری تھا جب اسے بند کرنے کی سازشیں اپنے اثرات دکھانے لگیں تو مولانا مرحوم نے مذکورہ کتاب لکھی۔ اس کتاب میں قاضی کے تقرر کی ضرورت کو شرعی طور پر ثابت کر کے اس کی ضرورت و اہمیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ (۳۱)

مولانا کی مذکورہ بالا کتب اردو کی وہ مشہور و مقبول تصنیفات و تالیفات ہیں جن کا مختصر تعارف کرانا ہم نے ضروری سمجھا۔ علاوہ ازیں مولانا کی بہت سی ایسی تصنیفات بھی ہیں جو یا تو منظر عام پر نہیں آئیں، یعنی ان کے شائع ہونے کی نوبت ہی نہیں آسکی، یا پھر وہ کسی وجہ سے اس درجہ پر نہیں پہونچ سکیں۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی اردو کاوشوں کا تذکرہ یہیں پر ختم کر کے مولانا کی عربی تصنیفات و تالیفات پر نظر ڈالی جائے، تا کہ مولانا کی عربی علوم و فنون سے دل چسپی کا اندازہ ہو سکے۔

﴿حواشی﴾ چوتھا باب فصل دوم۔

(۱) تفصیلات کے لئے دیکھئے: البیان المشید، (اردو ترجمہ البرہان المؤید) رمولنا ظفر احمد عثمانی ر صدیقی بکڈ پو لکھنؤ ۱۳۵۲ھ رص: ۶ تا ۱۰

(۲) علمائے مظاہر علوم اور انکی تصنیفی خدمات رص: ۱۷۱

(۳) الشعرانی، امام التصوف فی عصرہ، الدکتور توفیق الطویل / دائرہ معارف اسلامیہ مصر / ۱۹۴۵ء / ص: ۱۷

(۴) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: علمائے مظاہر علوم............ص: ۱۶۵

(۵) الاسباب المحمودیہ فی ترجمۃ آداب العبودیۃ رمولنا ظفر احمد عثمانی رمکتبہ تھانوی کراچی ربدون سن

(۶) انتخاب بخاری شریف رمولنا ظفر احمد عثمانی رادارہ اسلامیات لاہور ربدون سن

(۷/۸/۹) انتخاب الترغیب والترہیب رحافظ ذکی الدین المنذری راردو ترجمہ عبداللہ دہلوی رندوۃ المصنفین دہلی/ ۱۹۷۳ء ص: ۲۳ تا ۴۰

(۱۰) علمائے مظاہر علوم............رص: ۱۶۷

(۱۱) انتخاب الترغیب والترہیب رص: ۶۰

(۱۲) تذکرۃ الظفر ص: ۱۸۲

(۱۳) تاریخ دعوت وعزیمت رمولنا سید ابوالحسن علی ندوی رمطبوعہ لکھنؤ رج: ۱، ص: ۱۳۰

(۱۴) تاریخ دعوت وعزیمت رمولنا سید ابوالحسن علی ندوی رمطبوعہ لکھنؤ رج: ۱، ص: ۱۸۹

(۱۵) الحکمۃ فی مخلوقات اللہ عزوجل / للامام ابی حامد بن محمد الغزالی / مطبوعہ مصر / ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۴ء / ص: ۲

(۱۶) تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے، امداد الاحکام فی مسائل الحل والحرام / مولنا ظفر احمد عثمانی / مکتبہ دار العلوم کراچی / بدون سن

(۱۷) علمائے مظاہر علوم............رص: ۱۶۶

(۱۸) سفر نامہ حجاز وزیارت حرمین شریفین رمولنا ظفر احمد عثمانی رامداد الغرباء سہارن پور ر۱۹۵۴ء رص:۱
(۱۹) علمائے مظاہر علوم..................ص:۱۶۸
(۲۰) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں ''اسلام میں پردہ کی حقیقت'' (القول المیسور فی تسہیل ثبات المسور) رمولنا ظفر احمد عثمانی راشرف المطابع تھانہ بھون ر۱۹۴۷ء
(۲۱) علمائے مظاہر علوم..................رص:۱۶۷
(۲۲) دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) دانش گاہ پنجاب، لاہور ر۱۹۷۳ء رج:۸، ص:۵۲۹
(۲۳) ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ ر۲ر۴، (اکتوبر ۱۹۱۷ء)
(۲۴) انوار الاتقیاء رمحمد برکت اللہ رضا فرنگی محلی رمکتبہ رحیمیہ، دیو بند ر۱۳۹۱ھ رج:۲ رص:۶۵
(۲۵) القول المصور فی ابن منصور رمولنا ظفر احمد عثمانی ریونائیٹڈ پریس لکھنؤ ربدون سن رص:۵
(۲۶) القول المصور فی ابن منصور رمولنا ظفر احمد عثمانی ریونائیٹڈ پریس لکھنؤ ربدون سن رص:۲
(۲۷) دائرہ معارف اسلامیہ رج:۸، ص: ۵۳۰
(۲۸) مسئلہ ترک موالاۃ رمولنا ظفر احمد عثمانی رعلی گڑھ یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ ر۱۳۳۹ھ رص:۲۰
(۲۹) تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین رظفر احمد عثمانی راشرف المطابع تھانہ بھون ر۱۳۳۹ھ
(۳۰) فضائل جہاد رمولنا ظفر احمد عثمانی رمکتبہ دار العلوم کراچی ر۱۳۹۲ھ
(۳۱) القول الماضی فی نصب القاضی رمولنا ظفر احمد عثمانی راشرف المطابع تھانہ بھون ر۱۳۴۵ھ
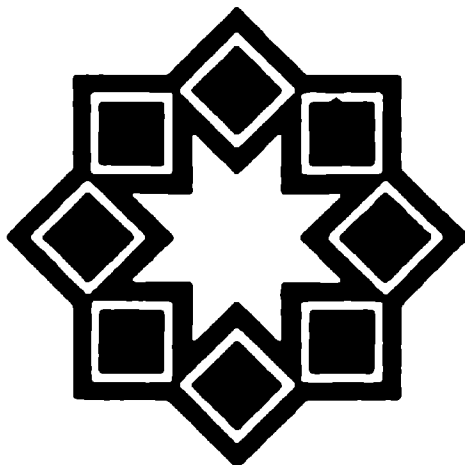
فصل سوم

عربی تصانیف وتالیفات

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ عربی شعروادب سے گہرا شغف رکھتے تھے، بلکہ وہ ایک عالمِ دین ہونے کی حیثیت سے قرآن وحدیث پر بھی کافی عبور رکھتے تھے، اور تفہیم وتشریح کی غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان موضوعات پر قابلِ قدر خدمات انجام دیں جو اپنے مضامین کے اعتبار سے نہایت پیچیدہ تھے۔ اسی بنا پر اگر یہ کہا جائے کہ انہیں اردو سے زیادہ عربی زبان میں اظہارِ خیال پر قدرت تھی تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ''اعلاء السنن'' (جو بیس ضخیم جلدوں میں ہے)، ''احکام القرآن بدلائل القرآن علی مسائل النعمان'' اور ان کے عربی نعتیہ قصائد، تقاریظ ومراثی کی شکل میں موجود ہیں، جو علمی حلقوں میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اخلاص وللّٰہیت کے جذبہ کے تحت تعریف وتوصیف سے بے نیاز ہوکر مولانا نے ان موضوعات کا حق اپنی حد تک پورا پورا ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس کا اعتراف اس وقت سے اب تک کیا جارہا ہے، لیکن بہرحال یہ انسانی کوشش ہے جس کو حرفِ آخر نہیں کہا جاسکتا۔ مولانا کی عربی زبان وادب کی خدمات کا جائزہ درج ذیل سطور میں قدرے تفصیل سے لیا جارہا ہے، تاکہ مولانا کی ان خدمات کا وضاحتی تعارف ہوسکے۔

اعلاء السنن

مولانا فقہ حنفی کے معتبر ترین عالم تھے، اور مسائل فقہیہ میں انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل کا بہت عمیق مطالعہ کیا تھا، جس کے نتیجہ میں انہوں نے اپنے مرشد ومربی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ایماء پر فقہ حنفی کے استدلال کے سلسلے میں احادیث کو جمع کیا۔ یہ کتاب معرکۃ الآراء مقدمہ ''انہاء السکن'' اور ''انجاء الوطن'' سمیت بیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تالیف کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ

حضرت تھانویؒ کی خواہش تھی کہ ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے جس میں صرف وہی احادیث ہوں جو حنفی مسلک کی تائید اور استدلال میں معاون ثابت ہوں، اور احناف ان احادیث کی تلاش و جستجو میں پریشان نہ ہوں۔ (۱) جب مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تو آپ نے ازخود "جامع الآثار" اور "تابع الآثار" نامی دو رسالے تصنیف فرمائے، جن میں ابواب الصلوٰۃ تک احناف کی قابلِ حجت احادیث جمع کر دی گئیں۔ پھر تمام ابواب کے دلائل کا استیعاب کرنا چاہا اور احیاء السنن کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمائی، جس میں ابواب الحج تک تمام ابواب کی حدیثوں کو جمع کر دیا گیا، لیکن جب اس پر نظرِ ثانی کرائی گئی تو اس میں اس قدر ترمیم و تنسیخ ہوگئی کہ وہ مولانا اشرف علی کی تصنیف باقی نہیں رہی، بلکہ مستقل کتاب ہوگئی، جس کی وجہ سے اس کی اشاعت ملتوی کر دی گئی۔ پھر آپ کی منشا کے مطابق مولانا تھانویؒ کے محبوب ترین شاگرد مولانا ظفر احمد صاحب، اس خدمت کے لئے منتخب ہوئے، جنہوں نے عرصۂ دراز کی محنت شاقہ کے بعد جملہ ابواب فقہیہ کے دلائل احکام حدیث سے جمع کر دیئے۔ (۲) جس کی وجہ سے یہ کتاب حدیث و فقہ کا اعلیٰ ترین شاہ کار تو ہو ہی گئی، سلیس، سادہ اور مقفّیٰ و مسجع عبارتوں کی وجہ سے ادبی حلقوں میں بھی اس کی پذیرائی ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا عثمانی کی یہ کتاب تحقیق کے معیار پر پوری اترتی ہے۔ اس کتاب کی تالیف سے پہلے ہندوستان کے بعض حلقوں کی طرف سے نامناسب انداز میں یہ بات پیش کی جارہی تھی کہ فقہِ حنفی کی بنیاد حدیثِ پاک پر نہیں ہے، اور اس میں قیاس سے کام لیا گیا ہے۔ اعلاء السنن کے ذریعہ مولانا نے علمی انداز میں بغیر کسی مجادلہ و تنازعہ کے فقہِ حنفی کے دلائل صحیح احادیث سے جمع کر کے ان معترضین کو خاموش جواب دیا ہے۔

اس کتاب کا تعلق تمام تر علمی تحقیقات سے ہے، جس کی وجہ سے اس میں ادبی چاشنی بہت کم نظر آتی ہے، تاہم اس کا اسلوب اتنا دل کش اور پُر اثر ہے کہ اس کی ادبی حیثیت بھی تسلیم کی جاسکتی ہے۔ یہ مولانا کا سب سے بڑا علمی کام ہے، جس نے ان کی محققانہ و عالمانہ حیثیت کو علمی حلقوں میں اجاگر کیا۔

مولانا نے اس کتاب کا مقدمہ ''انہاء السکن'' ایک جلد میں مکمل کیا جس میں محدثین کے تصحیح و تضعیف کے طریقوں کیساتھ حنفیہ کے تصحیح و تضعیف کے طریقوں کو بھی مدلل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ پھر ان طریقوں کو اپنی کتاب میں جگہ جگہ نمایاں طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ مقدمہ عرب وعجم میں مقبول ہوا، جسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مشہور شامی محدث شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ (۱۹۱۷ء-۱۹۹۷ء) نے اسے تعلیقات وتحشیہ کیساتھ ''قواعد فی علوم الحدیث'' کے نام سے مرتب کیا، جو حلب (شام)، بیروت اور پاکستان سے مختلف اوقات میں طبع ہوا، جس سے اسکی مقبولیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔(۴)

مولانا کا اندازِ تحقیق بہت منصفانہ ہے، جس کا اعتراف بعد کے سبھی علماء کو ہے، اس سے قبل حنفیہ کے مستدلات مختلف کتابوں مثلاً طحاوی، الجواہر النقیہ، احکام القرآن للجصاص، فتح القدیر، عمدۃ القاری، نہایہ، نصب الرأیہ وغیرہ میں منتشر تھے۔ آپ نے اعلاء السنن میں ان دلائل سے بہترین انتخاب کر کے فقہِ حنفی کو حدیثِ پاک سے مدلل کیا اور اختلافی مسائل میں نہایت منصفانہ انداز میں فریقین کے دلائل پیش کرنے کے بعد پوری احتیاط کے ساتھ راجح جانب کو مدلل کر کے پیش کیا ہے۔ اس میں جہاں ایک طرف آپ نے محدثانہ انداز پر گفتگو کی ہے، وہیں فقیہانہ بحثوں کو بھی پورے سلیقہ کے ساتھ پیش کیا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فقہِ حنفی کا کوئی بھی مسئلہ کتاب وسنت سے متعارض نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مولانا نے یہ التزام بھی کیا ہے کہ مناسب مواقع پر مقفٰی مسجع عبارتوں سے اپنی اس شاہ کار تالیف کو ادب کا بھی رنگ دے دیا ہے، مثلاً انہاء السکن کے سرِ ورق کی کتاب کو قرآن کریم کی آیت ''و أتو ا البیوت من ابوابھا و اتقوا اللہ لعلکم تفلحون'' سے استدلال کرتے ہوئے اپنی تالیف کے جواز کو ادبی اسلوب میں اس طرح پیش کیا ہے:

" لما دلت الآیة بعموم المجاز أو بالقیاس فی البیوت و الابواب علی تحصیل المقاصد بواسطة المبادئ و الأسباب، و کانت اصول الحدیث للحدیث عند التقاة

بمنزلة الابواب للابيات ، و كانت رسالة انهاء السكن كالمقدمة لما فی كتاب اعلاء السنن من احاديث خير اهل الزمن ما دامت المنن و المحن ، اعتنى باشاعتها خدام مدرسة امداد العلوم فی تهانه بهون ، و قال الله تعالى من الفتن ما ظهر منها و ما بطن، و بالطبع محمدشبير على مالك اشرف المطابع فی تهانه بهون"۔ (۴)

مذکورہ تحریر کتاب کے سرِ ورق پر ہے، لیکن مسجع اور مقفی ہونے کے باعث مولانا کے ادبی ذوق کی شہادت کے لئے کافی ہے، اندرونی اوراق میں اپنی کتاب کا تعارف کراتے ہوئے انہاء السکن (مقدمہ اعلاء السنن) کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان کی ہے:

" وسمى هذه المقدمة انهاء السكن الى من يطالع اعلاء السنن ، و هى تشتمل على مقدمة و فصول؛ و الله اسال التوفيق و القبول ، فهو خيرموفق و اكرم مسئول، ورضاه هو المطلوب ، و ارجى مأمول"۔ (۵)

اس کے بعد علم حدیث کی مبادیات کے سلسلے میں اقسام حدیث پر تفصیلی کلام کیا ہے، جس کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے۔

مولانا نے جس طریقہ پر مقدمہ کی مناسبت سے قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہوئے انہاء السکن کے سرورق پر عبارت درج کی تھی اسی طریقہ پر احیاء السنن اور اعلاء السنن کی ہر جلد کے سرورق پر حدیث سے استدلال کرتے ہوئے پہلے حدیث رسول بیان فرمائی اس کے بعد اسی مناسبت سے عبارت بیان کی۔ علم حدیث کی مناسبت سے آپ نے سرورق پر یہ حدیث تحریر فرمائی:

" من احيا سنة حسنة من سنتى قد اميتت بعدى كان له من الاجر مثل من عمل بها"

پھر اسی مناسبت سے مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمایئے جس سے اس کے ادبی اسلوب کا پتہ چلتا ہے، فرماتے ہیں:

" لما دلّ الحديث على فضل احياء السنن النبوية و اعلائها ،التى اميتت بالجهل و الطغيان ، و كان من فتن هذا الزمان ، سمى بعض المتشددين فى امانة السنن التى اصول الفروع للامام ابى حنيفة النعمان ، فلنيل فضل احياء هذه السنن و اطفاء الفتن،دُوِّن فى مدرسة امداد العلوم هذا الكتاب الملقب باعلاء السنن ، الذى احد اجزائها احياء السنن"۔(٦)

مقدمہ اعلاء السنن کی افتتاحی عبارت میں مولانا مرحوم کی سلاست بیانی ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں:

"و ليكن هذا مسك الختام ، و الحمد لله الملك العلام،على متواتر احسانه و انعامه على هذا العبد الغريق فى الآثام ، و ازكى الصلوة و ابهى السلام على سيد ولد آدم سيدنا النبى محمد على الدوام ، و على آله و اصحابه البررة الكرام الى يوم القيام ، بل الى بقاء دار السلام ، وقع الفراغ من تاليفه ضحوة يوم الاثنين لتسع خلون من شهر رجب سنة اربع و اربعين و ثلثمأة و الف من هجرة سيد الأنام"۔(۷)(۹ رجب المرجب ۱۳۴۴ھ بروز دوشنبہ)

اسی مقدمہ میں آگے چل کر بات اس طرح مکمل کرتے ہیں۔

"قد تمت المقدمة و الحمد لله الذى بعزته و جلاله تتم الصالحات ، و انا المفتقر الى رحمة ربه الصمد ، عبده ظفر احمد العثمانى التهانوى ، و فقه الله و اصحابه ، و صلى الله

تعالی علی سید نا النبی محمد و علی آله و اصحابه ابد الابد"۔ (۸)

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے حالات زندگی سے متعلق مقدمہ کا ایک پورا باب الگ سے کتابی شکل میں "انجاء الوطن عن الازدراء بامام الزمن" کے نام سے شائع شدہ ہے، جس میں امام صاحب علیہ الرحمہ کیساتھ ان کے ساتھیوں اور علم حدیث کی خدمت کرنے والی مشہور شخصیتوں کے حالات زندگی شامل ہیں۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے لئے ابتدائی کلمات سے بھی صاحب اعلاء السنن کے ادبی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

" الحمد لله الذی تفرد بالعزة و العظمة و البقاء و الكمال ، و قسم بين عباده الارزاق و الآجال ، و العلوم و الاعمال ، و جعلهم شعوبا و قبائل ليتعارفوا و ملوكا و سوقا ليتنافصوا ، و متبوعين و اتباعا ليتعادلوا ، و رؤساء و مرؤسين و فقهاء و مقلدين ليتكاملوا"۔ (۹)

استدراک الحسن کے آخر میں مولانا عثمانی نے اپنا ایک خواب بیان کیا ہے، جس سے کتاب کے عنداللہ مقبول ہونے کا اشارہ ملتا ہے، اس کی عبارت بھی ادبی رنگ لئے ہوئے ہے، فرماتے ہیں:

رأيت فی المنام قبل اتمام هذه الرسالة بأيام كأنی ذاهب الی الخانقاه الامدادية مع سيدی حكيم الامة دام بفيوضه الارشادية فلما وصلنا الی الباب اذا الشيخ قد اقبل من جانب بسمت حسن عليه الثياب ، و عليه من انوار الذكر و المعرفتو الجلال و الجمال جلباب ، فسلم علی الشيخ و علیّ و قال له مشيرا الی ان هذا رجل صالح جيد ذو عشق و معرفة "۔ (۱۰)

الغرض اعلاء السنن کے مختلف پہلوؤں سے مولانا کی ادبی حیثیت کا اندازہ

مشکل نہیں ہے، حالانکہ احادیث مبارکہ اور ان سے فقہی مسائل کا استنباط، نیز ان مسائل کے علمی دلائل کا میدان ادبی نہیں ہوتا، لیکن مولانا کی ادب سے فطری دل چسپی یہاں بھی مخفی نہ رہ سکی۔

اعلاء السنن کی اس تالیف کا علمی خصوصاً حنفی حلقوں میں جس قدر خیر مقدم کیا گیا، اس کا ذکر طوالت سے خالی نہیں، عرب وعجم ہر جگہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، ثبوت کے لئے یہی کافی ہے کہ مشہور شامی عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے اس کتاب کو دیکھنے کے بعد ہندوستان کا سفر کیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا، ان سے اجازت حدیث لی، اور صرف مقدمۂ اعلاء السنن میں مذکورہ احادیث کی تخریج کی اور ان پر حواشی تحریر کیے جسے علمی دنیا ''قواعد فی علوم الحدیث'' کے نام سے جانتی ہے۔ اسے علمی حلقوں میں حد درجہ مقبولیت حاصل ہے۔ (۱۱) مشہور مصری عالم علامہ زاہد الکوثری فرماتے ہیں:

و الحق يقال انى دهشت من هذا الجمع و من هذا الاستقصاء و من هذا الاستيفاء البالغ فى الكلام على كل حديث بما تقتضى به الصناعة متناً و سنداً فاغتبطت به غاية الاغتباط "۔ (۱۲)

جس وقت یہ کتاب مولانا نے اپنے پیر و مرشد حکیم الامت کی خدمت میں پیش فرمائی تو مولانا تھانوی نے اس پر جس قدر مسرت کا اظہار فرمایا اس کا اندازہ ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے: " لو لم يكن بالخانقاه الامدادية (تهانه بهون) الا تاليف اعلاء السنن لكفى به كرامة و فضلا فانه عديم النظير فى بابه ''۔ (۱۳)

حکیم الامت علیہ الرحمہ کی یہ خوشی اس وجہ سے بھی تھی کہ یہ کام ان کی خواہش کے عین مطابق کیا گیا تھا، اور اس وجہ سے بھی کہ ''احیاء السنن'' کا احیاء ہو گیا تھا۔ کیوں کہ ۱۳۳۱ھ میں مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے ایک شاگرد مولانا محمد حسن صاحب سنبھلی کو اس کام کے لئے مقرر کیا تھا، لیکن ان کے کام سے حکیم الامت کی تشفی نہیں ہوئی

تھی اور اس پر ''استدراک'' لکھوانے کے لئے حکیم الامت نے اپنے مایہ ناز شاگرد مولانا ظفر احمد عثمانی کا انتخاب کیا تھا، جنہوں نے بڑی عرق ریزی، وسعتِ نظر اور تحقیق و تنقید کے ساتھ اس کام کو انجام دینا شروع کیا اور سب سے پہلے احیاء السنن کے شائع شدہ حصہ پر نظر ثانی کر کے اس کو ''الاستدراک الحسن'' کے نام سے شائع کیا۔ اس کے بعد احیاء السنن کے نام کو بدل کر اعلاء السنن کے نام سے اس کام کو شروع کیا۔ (۱۴)

یہ کتاب فی الحقیقت مولانا ظفر احمد صاحب کا عظیم الشان علمی کارنامہ ہے۔ اس میں صرف حنفی دلائل سے متعلق متن کتاب میں وہ احادیث مذکور ہیں جن سے حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہے، حواشی میں بڑی تحقیق اور تفتیش سے جملہ احکام سے متعلقہ احادیث کے استیعاب کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر غایت انصاف کے ساتھ محدثانہ وفقیہانہ اصول سے جملہ احادیث پر کلام کیا گیا ہے۔ (۱۵) اس طریقہ پر آپ نے حنفی مسلک کے پیروکاروں پر بعض مخالفین کے اس الزام کو علمی و عملی طور پر مسترد کر دیا کہ طبقۂ احناف حدیثِ نبوی کو نہیں مانتا، اور یہ محض ایک قیاس ہے۔ (۱۶) اس علمی کاوش سے مؤلف کا مقصد دیگر ائمۂ مجتہدین کے موقف کو معاذ اللہ غلط اور باطل قرار دینا نہیں تھا، بلکہ صرف یہ دکھانا تھا کہ ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی پیروی میں حنفی مسلک کا قدم کسی سے پیچھے نہیں، بلکہ بہتوں سے آگے ہے، اسے خلافِ سنت کہنا صحیح نہیں، بلکہ وہ سنت کے زیادہ موافق ہے۔ (۱۷) اس کتاب کی اشاعت پر تمام علمی دنیا نے مولانا کی خدمات کا جس طریقہ پر اعتراف کیا اس کے اظہار کیلئے طوالت درکار ہے۔ علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ ''اگر ان کی (مولانا ظفر صاحب کی) تصانیف میں اعلاء السنن کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہیں ہوتی تو تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات، حدیث وفقہ، رجال کی قابلیت و مہارت اور بحث و تحقیق کے ذوق محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہانِ قاطع ہے''۔ (۱۸)

مولانا نے اپنی اس تالیف میں احناف کی تائید کے ساتھ ساتھ اعتدال کا دامن نہیں چھوڑا۔ جس مسئلہ پر دوسرے مذاہب کے دلائل قوی ہوئے اس کا برملا

اظہار کر دیا گیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ میں سے جس کا قول حدیث کے زیادہ موافق پایا، اسے اختیار کیا، بلکہ بعض مسائل میں امام شافعی کے قول کو حنفیہ کے قول پر ترجیح دی اور لکھ دیا کہ ''کتبِ احادیث موجودہ میں حنفیہ کی تائید میں کوئی حدیث نہیں ملی، ممکن ہے ہمارے ائمہ کے پاس کوئی حدیث ہو جو کتابوں میں ہم کو نہیں ملی، اس لئے بحالت موجودہ قول امام شافعی قوی ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے''۔ (۱۹)

اس طرح مولانا کی کوشش یہ رہی کہ اختلافی مسائل میں امام ابو حنیفہ کے تمام اقوال کو تلاش کیا جائے، پھر جو قول حدیث کے موافق ہو اسی کو مذہبِ حنفی قرار دے دیا جائے۔ مولاناؒ نے تحقیق کامل کے بعد پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ ''اعلاء السنن'' میں تقلید جامد سے کام نہیں لیا گیا، بلکہ تحقیق فی التقلید سے کام لیا گیا ہے، جس مسئلہ میں حنفیہ کی دلیل کمزور تھی وہاں صاف صاف ضعفِ دلیل کا اعتراف کیا گیا ہے اور دوسرے مذاہب کی قوت کو تسلیم کر لیا گیا ہے''۔ (۲۰)

اعلاء السنن کی تالیف میں مولانا ظفر احمد صاحب تقریباً بیس سال مشغول رہے۔ (۴) اٹھارہ جلدوں میں کتاب اور دو جلدوں میں مقدمہ (انہاء السکن اور انجاء الوطن) الگ سے شائع ہوئے۔ اس طرح اگر مقدمہ کو کتاب کا حصہ مانا جائے تو یہ بیس جلدوں میں مکمل ہوئی، جس کی گیارہ جلدیں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی زندگی میں طبع ہو گئی تھیں۔

مقدمہ اعلاء السنن (قواعد فی علوم الحدیث) کو مولانا محمد تقی عثانی نے تین جلدوں میں بہت ہی مرتب انداز میں پیش کیا۔ مولانا تقی صاحب نے مقدمہ اعلاء السنن میں اپنی تحقیق زیادہ تر شیخ ابو غدۃ کی تحقیق پر مرکوز رکھی۔ مکمل اعلاء السنن کا خلاصہ اگر ہم چند الفاظ میں کرنا چاہیں تو اس طرح کر سکتے ہیں:

(انہاء السکن الی من یطالع اعلاء السنن) یعنی مقدمہ اعلاء السنن میں اصولِ حدیث پر سیر حاصل اور محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اس کا ایک مقدمہ اور دس فصلیں ہیں۔

مقدمہ میں اصولِ حدیث کی تمام اصطلاحات خالص علمی و تحقیقی بنیادوں پر جمع کی گئی ہیں اور فصلوں میں اصولی احکام و مسائل ہیں۔ ہر مسئلہ میں محدثین کرام اور فقہاء کے ساتھ ساتھ احناف کا نقطۂ نظر بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس میں حدیث، اصولِ حدیث، اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کی ضخیم کتابوں سے اہم اقتباسات اور ان سے اخذ کردہ مفید نتائج جمع کر دیے گئے ہیں۔ بعد میں یہی مقدمہ شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ کی توجہ کا مرکز بنا اور ''قواعد فی علوم الحدیث'' کے نام سے جانا گیا، اس کے بعد مولانا تقی عثمانی صاحب ادھر متوجہ ہوئے۔ (۲۲) مولانا محمد تقی عثمانی نے نہ صرف یہ کہ مقدمہ تک ہی اپنے کو محدود رکھا، بلکہ مکمل اعلاء السنن پر تحقیق و تعلیق سے مولانا ظفر احمد عثمانی کی اس تالیف کو زندہ و جاوید بنا دیا۔ اس کی تمام جلدیں شائع ہو چکی ہیں، اور تا ہنوز مقبول ہیں۔

اعلاء السنن کی پہلی جلد کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے، جس میں وضو کی صفت و فضیلت سے لے کر آداب الاستنجاء تک کے تمام مباحث پر فقہ حنفی کے دلائل کو احادیثِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم، سے مدلل کیا گیا ہے۔

چوں کہ نماز کے فروعی مسائل میں احناف اور دیگر مسالک کے متبعین کے یہاں کافی اختلاف واقع ہوئے ہیں، اسلئے ان مسائل کو مولانا نے تمام جزئیات کیساتھ شرحِ صدر کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جلد نمبر '۲' میں اوقاتِ صلوٰۃ، آمین بالجہر و بالسر کی بحثیں ہیں، تیسری جلد میں رسول اللہ ﷺ کے رکوع میں جانے سے لے کر آدابِ دعا تک کے معمولات پیش کئے گئے ہیں، چوتھی جلد میں قرأت بالجہر اور قرأت بالسر سے ابواب الامامت تک کے مباحث، جلد نمبر ۵ میں حدث فی الصلوٰۃ، آدابِ دخولِ مسجد، چھٹی جلد میں وجوبِ وتر اور اس کے اوقات، نیز رکعتین بعد الوتر کی بحث، ساتویں جلد میں نوافل و سنن کے تعلق سے احادیث مبارکہ اور ان کے مطابق فقہِ حنفی کی تطبیق، نیز قصر فی الصلوٰۃ اور ابواب السفر اور جلد نمبر ۸ میں ابواب الجمعۃ سے لے کر ابواب الجنائز تک کے تمام مباحث کو شامل کیا گیا ہے۔ اسطرح مجموعی طور پر اعلاء السنن کی جلد ۲ تا ۸ یعنی کل سات جلدیں نماز اور متعلقاتِ نماز کے مباحث سے تعلق رکھتی ہیں۔ زکوٰۃ اور روزہ سے

متعلق مولانا نے تمام مسائل کا احاطہ صرف ایک جلد (جلد نمبر ۹) میں کردیا ہے۔

دسویں جلد میں کتاب الحج اور اس کے متعلقات سے بحث کی گئی ہے، جس میں زیارۃ قبر النبی ﷺ کا باب بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس طریقہ پر عبادات دس جلدوں میں مکمل ہوجاتی ہیں۔

معاملات کی ابتداء گیارہویں جلد سے ہوتی ہے۔ ترتیب کے مطابق عائلی زندگی کے اہم ترین شعبہ "نکاح" سے اس کا آغاز کیا گیا ہے۔ طلاق، ظہار، لعان کے بعد حدود و سرقہ کے ابواب بھی اس جلد میں شامل ہیں۔ اخیر میں تتمہ کی شکل میں کتاب الطلاق پر سیر حاصل تفصیلی بحث کی گئی ہے جس میں حنفی دلائل کو صحیح احادیث سے مدلل کیا گیا ہے۔

بارہویں جلد کتاب السیر پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز جہاد کے ابواب سے ہوتا ہے اور اختتام اس وقت کی مشہور و معروف بحث "متحدہ قومیت" پر ہوتا ہے۔ مولانا نے اس موضوع پر نہایت علمی و تحقیقی بحث کر کے کانگریس کے متحدہ قومیت کے نعرہ کو دلائل کیساتھ شریعتِ اسلامیہ سے متصادم قرار دیا ہے، اور ان علماء پر سخت تنقید کی ہے جو اس موضوع پر کانگریس کی ہم نوائی کررہے تھے۔

جلد ۱۳ میں لقیط (۲۳)، لقطہ، مفقود، شرکت اور وقف وغیرہ کے احکام سے متعلق حنفی دلائل کو احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

چودہویں جلد میں کتاب البیوع سے کتاب الربوٰ تک کی احادیث کا احاطہ ہے۔ ربوٰ کے تعلق سے مولانا ظفر احمد صاحب کا مشہور عربی رسالہ "کشف الدجی عن وجہ الربوا" بھی اس جلد میں شامل ہے، جس پر مشہور ادیب و مؤرخ مولانا سید سلیمان ندویؒ کی تقریظ بھی شامل ہے۔ یہ رسالہ کتابی صورت میں بھی شائع شدہ ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو اس کے ضمن میں کی جائے گی۔

کتاب القضاء، کتاب الشہادات، کتاب الوکالۃ، کتاب الدعویٰ، اور کتاب الاقرار جیسے اہم موضوعات پر پندرہویں جلد میں تفصیلی مباحث شامل ہیں۔

سولہویں جلد میں کتاب الصلح سے کتاب الغصب تک کی ان تمام احادیث

مبارکہ کو شامل کیا گیا ہے، جو ان فقہی مسائل میں احناف کے دلائل ہیں۔

سترہویں جلد میں کتاب الشفعة، مزارعت، ذبائح، اضاحی، اور اباحت کے مسائل ہیں نیز آخری جلد (۱۸) میں احیاء الموتی، کتاب الاشربة، کتاب الصید، کتاب الجنایات، کتاب الوصایا، کتاب الفرائض اور کتاب الادب والتصوف تک کے فقہی مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے، اور حنفی مسلک کے دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

اس طریقہ پر مقدمہ کی دو جلدیں اور کتاب کی اٹھارہ جلدوں کے ساتھ یہ کتاب تکمیل کو پہونچتی ہے۔ فی الحقیقت یہ ان کی اہم علمی تصنیف ہے، جس کے لئے علمائے احناف قیامت تک ان کے مرہونِ منت رہیں گے۔ (۲۴) مولانا کی یہ عظیم تالیف جہاں ایک طرف حدیث وفقہ اور حنفی مسلک کا علمی ذخیرہ ہے، وہیں اپنے اسلوبِ بیان کے اعتبار سے عربی زبان وادب کا بھی عظیم شاہ کار ہے۔

انجاء الوطن عن الازدراء بامام الزمن

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل یہ رسالہ اگرچہ مقدمہ اعلاء السنن میں شامل ہو چکا تھا، لیکن اس کی علمی وادبی اہمیت کے پیش نظر بعد میں اسے باقاعدہ کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ اس میں امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی محدثانہ شخصیت کو اجاگر کر کے ان کی فقیہانہ جلالتِ شان کو بیان کیا گیا ہے۔ (۲۵) (اس کا تذکرہ اعلاء السنن کے ضمن میں بھی آچکا ہے)۔

کشف الدجیٰ عن وجہ الربوٰ

ربوٰ (سود) اسلام میں نصِ صریح کے ذریعہ قطعاً حرام ہے۔ قرآن مجید میں صاف الفاظ میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿و احل الله البيع و حرم الربوٰ﴾ (۲۶) شریعتِ اسلامیہ میں ابتداء سے آج تک جب بھی اس سلسلے میں تاویلات کی راہیں نکالنے کی کوشش کی گئی تبھی علماء کی ایک جماعت اسکے رد کیلئے بھرپور انداز سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں مفتی عبداللطیف صاحب، مفتی ریاست حیدر

آباد دکن نے ایک رسالہ صدارتِ عالیہ اور محکمۂ شرعیہ، دولتِ آصفیہ سے الاستفتاء کے نام سے شائع فرمایا۔ اس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ربوٰ (سود) صرف بیع وشراء میں ہی ہوتا ہے، قرض کی صورت میں اس کا تحقق نہیں ہوتا۔ لہٰذا قرض میں نفع لینا جائز ہے، اور وہ ربوٰ نہیں۔ یہ رسالہ اصلاً عربی میں تھا، لیکن چوں کہ اس رسالہ سے عوام ہی نہیں، بلکہ بعض خواص اہلِ علم کی بھی گمراہی کا اندیشہ تھا، اس لئے مولانا اشرف علی تھانوی کے حکم کے بموجب مولانا ظفر احمد صاحب نے اس کا جواب عربی زبان میں ''کشف الدجی عن وجہ الربوٰ'' کے نام سے لکھا۔ (۲۷)

بعد میں حضرت تھانوی کی خواہش ہوئی کہ اسے کتابی شکل میں شائع کرنے سے پہلے علمائے کرام کو دکھا کر ان کی آراء بھی شاملِ اشاعت کردی جائیں۔ چنانچہ یہ مضمون مختلف علمائے کرام کو اس غرض سے بھیجا گیا۔ جن میں ایک نام مولانا سید سلیمان ندویؒ کا بھی تھا۔

(یہ اتفاق کی بات ہے کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے حلقۂ تھانویؒ میں داخل ہونے کا سبب یہی مضمون بنا اور یہ بھی اتفاقات میں سے ہی ہے کہ مولانا عبداللطیف صاحب مولانا سید سلیمان ندویؒ کے استاد تھے، اور انہوں نے اپنا متنازعہ مضمون مولانا سید سلیمان صاحب کو بھی دکھایا تھا، جس پر مولانا ندویؒ نے یہ کہہ کر واپس کردیا تھا کہ'' آپ جس کو مکروہ سمجھتے ہیں میں اس کو عینِ ربوٰ کہتا ہوں''۔ (۲۸)

مولانا ظفر احمد صاحب کے جوابی مضمون (کشف الدجی عن وجہ الربوٰ) کو مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے جہاں مذکورہ بالا حقیقت کا اظہار کیا وہیں اس کی عربیت اور سلاست سے متاثر ہونے کا اظہار ان الفاظ میں کیا: ''رسالہ کشف الدجی'' کے مطالعہ سے بہرہ مند ہوا، طرزِ عبارت اور انشاء کی سلاست اور جاذبیت نورٌ علیٰ نور ہے''۔ (۲۹)

پھر آپ نے اس پر عربی زبان میں بڑی عمدہ تقریظ بھی تحریر فرمائی، جو کتاب کا جزو بنی۔ اصل کتاب اگرچہ اس وقت نایاب ہے، تاہم اعلاء السنن کی جلد نمبر۱۴ میں مولانا نے اسے ضمنی ابحاث میں شامل کرکے ان تمام تقاریظ اور اصل کتاب کو محفوظ کردیا ہے۔

بعد میں اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا۔ (۴۰) یہ ترجمہ علیحدہ رسالہ کی صورت میں شائع ہوا، لیکن اب یہ بھی نایاب ہو چکا ہے، البتہ مفتی محمد شفیع عثمانیؒ نے امداد الفتاویٰ مرتب کرتے وقت اس کی تیسری جلد میں اس اردو ترجمہ کو شائع کر کے اسے محفوظ کر دیا ہے، جس سے اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کتاب پر جن دوسرے مستند علمائے کرام کی تقاریظ شامل ہیں ان میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کے علاوہ مفتی محمد شفیع عثمانی، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا سید شاہ محمد قادریؒ، مولانا سید مختار اللہ صاحبؒ، مولانا سید عبداللطیف سہارنپوریؒ، مولانا عبدالحئیؒ سہارنپوریؒ مولانا محمد یعقوبؒ مدرسہ نظامیہ، حیدرآباد اور مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ علیہم الرحمہ کی تقاریظ شامل ہیں۔ علاوہ ازیں علمائے جالندھر، علمائے کانپور و علمائے لاہور کی بھی اس مسئلہ پر تقاریظ شامل کر کے مسئلۂ ربوٰ کی حرمت پر امت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے حیدرآباد کے مفتی عبداللطیف صاحب کے اس فتوے کو باطل قرار دیا کہ ''ربوٰ (سود) صرف بیع و شرا میں ہی ہوتا ہے، قرض میں اس کا تحقق نہیں ہوتا''۔

مولانا نے اس رسالہ کے اخیر میں جن علمائے کرام کی تقاریظ کا سہارا لے کر اس کی ادبی حیثیت بھی بنا دی ہے۔ ان تقاریظ کے تعارف کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس لئے ان سے احتراز کرتے ہوئے مولانا کی دیگر تصانیف کا تعارف کرایا جاتا ہے۔

احکام القرآن الملقب بدلائل القرآن علی مسائل النعمان

فقہ حنفی، قرآن کریم کی کن کن آیات سے ماخوذ ہے حنفی علماء نے کون کون سی آیات سے کن کن مسائل فقہیہ کا استنباط کیا ہے؟ ان کو اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ علم تفسیر میں مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ قرآن کریم سے فقہِ حنفی کے دلائل کا ایک بہت عمدہ اور مستند مجموعہ عربی زبان میں یکجا ہو گیا ہے۔ لیکن یہ کام تنہا مولانا عثمانی صاحبؒ نے نہیں کیا ہے۔ کیوں کہ ان کے تذکروں میں اس کی صرف دو جلدوں کی تفصیل ملتی ہے جو سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء

تک شامل ہے۔ (۳۱)

غالباً اس عظیم کام میں ان کے ساتھ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (متوفی: ۱۹۷۴ء) بھی شامل تھے۔ ان دونوں حضرات نے مولانا اشرف علی تھانوی کے حکم سے اس کام کو کیا کیوں کہ مولانا شاہد صاحب سہارنپوری نے مولانا ظفر احمد صاحب کی تصنیفات کے تذکرے میں ''احکام القرآن'' کے ذیل میں مولانا ادریس کاندھلوی کا تذکرہ کیا ہے۔ (۳۲) لیکن صاحب تذکرۃ الظفر کا یہ کہنا کہ ''اس پیرانہ سالی اور ضعفِ عمر کے زمانہ میں بھی مولانا نے سورۃ المائدہ سے آگے لکھنا شروع فرمادیا تھا مگر تکمیل نہیں ہوسکی''۔ (۳۳) اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ کتاب مکمل نہیں ہوسکی۔

''علمائے مظاہر کی تصنیفی خدمات'' میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے تذکرے کے ضمن میں مولانا شاہد صاحبؒ نے تحریر کیا ہے کہ ''یہ کام چونکہ طویل تھا اور بڑی محنت و عرق ریزی کا طالب تھا اس لئے حضرت تھانویؒ نے یہ کام چار افراد کے سپرد فرمایا پہلی دو منزلیں (اختتامِ سورۂ توبہ تک) مولانا ظفر صاحب کے سپرد ہوئیں اس کے بعد دو منزلیں (تا اختتام سورۃ الفرقان) مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ اور دوسرا حصہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ (متوفی: ۱۹۷۷ء) اور آخری حصہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے سپرد فرمائیں''۔ (۳۴) اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس خدمت میں سب سے بڑا حصہ مولانا ظفر صاحبؒ کے ہی حصہ میں آیا۔

الغرض ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا عربی زبان کے بلند پایہ نثر نگار تھے، جنہیں اظہارِ خیال پر پوری قدرت حاصل تھی۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس زبان کے ذریعہ فقہِ حنفی کی عظیم خدمت کی، بلکہ علم تفسیر وحدیث، اور عربی نثر و انشاء پردازی میں بھی اپنی صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ اسکے ساتھ ساتھ ہی آپ نے عربی شعر وادب میں بھی زندہ جاوید قصائد ومراثی کے ذریعہ زبانِ نبویؐ کے تئیں اپنی سچی محبت اور تعلق کا ثبوت فراہم کیا۔

اسی لئے اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی عربی شاعری پر بھی ایک نظر ڈال کر اس پر گفتگو کرلی جائے۔

﴿حواشی﴾ چوتھا باب فصل سوم:

(۱) علمائے مظاہر علوم اوران کی تصنیفی خدمات/ص:۱۶۱
(۲) "سلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمات حدیث" /مولنا ظفر احمد عثمانی /معارف، اعظم گڑھ/۵۳/۶ (دسمبر ۴۳ء)
(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے "قواعد فی علوم الحدیث "/ شیخ عبد الفتاح ابو غده / مطبوعه حلب (شام)
(۴/۵) انهاء السكن الىٰ من يطالع السنن/ مولنٰاظفراحمد عثمانی / اشرف المطابع،امداد العلوم تهانه بهون / ۱۳٤٤ھ/ص: ۱وص: ٤
(٦) احياء السنن (جلد اول اعلاء السنن) اشرف المطابع تهانه بهون/ ۱۳٤۱ھ/ ص: ۱
(۷/۸) مقدمه اعلاء السنن ، ص: ۱۱۲، نیز مقدمه اعلاء السنن مع تعليقات مولنٰا تقی عثمانی / دارالعلوم كراچی / ج: ۱/ص: ۲و۳
(۹) انجاء الوطن عن الازدراء بامام الزمن/ ظفراحمد عثمانی (مع تعليقات تقی عثمانی) / دارالعلوم کراچی/ص:۱
(۱۰) الاستدراك الحسن (مقدمه اعلاء السنن) ظفراحمد عثمانی / مطبوعه تهانه بهون/ ۱۳٤٤ھ/ ص: ۸٦
(۱۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے قواعد فی علوم الحديث/ عبد الفتاح ابو غده
(۱۲) مقالات الكوثری/ الشيخ محمد زاهد الكوثری/ مرتبه محمد اظهری/ مطبعه الانوار قاهره/ ۱۳۷۳ھ/ص:۷۵-۷٦
(۱۳) علمائے مظاہر علوم............./ص:۱٦۷
(۱۴) حکیم الامت کے آثار علمیہ/سید سلیمان ندوی/معارف اعظم گڑھ/۵۳/۲ (اگست ۴۳ء) ص:۱۰۲
(۱۵) حکیم الامت کے آثار علمیہ ص:۴۱۴

(۱۶/ ۱۷) ماہنامہ بینات کراچی/ رجب ۱۳۸۸ھ/ ص: ۶۱ وص: ۶۲

(۱۸) ماہنامہ بینات کراچی/ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ جنوری ۱۹۷۵ء/ ص: ۳۳

(۱۹) تذکرۃ الظفر/ ص: ۱۷۲

(۲۰) معارف اعظم گڑھ ۶/۵۳

(۲۱) مقالات الکوثری/ ص: ۷۵

(۲۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے "قواعد فی علوم الحدیث" (مع تعلیقات مولنا تقی عثمانی) مطبوعہ دارالعلوم کراچی/ ۱۳۹۶ھ، ۱۹۷۶ء

(۲۳) لقیط بمعنی اٹھایا ہوا، نو مولود بچہ جو پھینک دیا جائے۔ ملاحظہ کیجئے مصباح اللغات/ ص: ۷۷۵

(۲۴) تبصرہ ماہنامہ بینات کراچی، ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ/ ص: ۴

(۲۵) انجاء الوطن عن الازدراء بامام الزمن / مولنا ظفر احمد عثمانی / اشرف المطابع تھانہ بھون ۱۳۴۱ھ۔

(۲۶) القرآن الکریم سورہ ۲ الآیہ ۲۷۵

(۲۷/ ۲۸/ ۲۹) تذکرہ سلیمان/ غلام محمد بی۔ اے/ مجلس علمی کراچی/ ۱۹۶۰ء/ ص: ۸۴ و ۸۵

(۳۰) ماہنامہ النور تھانہ بھون، ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ ستمبر ۱۹۳۹ء

(۳۱) تذکرۃ الظفر/ ص: ۱۶۴

(۳۲) علمائے مظاہر علوم ..../ ص: ۱۶۵

(۳۴) تذکرۃ الظفر/ ص: ۱۶۴

(۳۵) علمائے مظاہر علوم ..../ ج: ۱/ ص: ۴۲۳

پانچواں باب

مولانا ظفر احمد عثمانی کی عربی شاعری

تمہید:

شعر وادب انسان کا وہ سرمایہ ہے جس کے ذریعہ وہ خود تو ذہنی تسکین حاصل کرتا ہی ہے، دوسروں کو بھی سکون فراہم کرتا ہے۔ مختصر ترین الفاظ میں بڑے بڑے واقعات کو سمو دینا شاعر کا ہی کام ہے۔ دنیا کی ہر زبان اس سرمایہ سے اپنا دامن بھرے ہوئے ہے، لیکن عربی زبان وادب میں اس کو ابتداء سے ہی قدر و قیمت کی نظروں سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاہلی دور کی شاعری آج تک زندہ جاوید ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد عربی شاعری کو ایک نئی جہت ملی۔ اور اس میں تفاخر و تکبر کا وہ جاہلی انداز نہ رہا جو عربوں کا شعار سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اس میں شائستگی، وشیفتگی آئی۔

عربی زبان سے چونکہ مسلمانوں کا مذہبی رشتہ ہے جس کی وجہ سے وہ جس ملک میں بھی گئی اس ملک کے باشندوں نے اسے عقیدت واحترام کے ساتھ لیا۔ اسلامی علوم و فنون کا ماخذ عربی زبان ہی ہے اس وجہ سے بھی مسلمانوں کا علمی تعلق اس زبان سے قائم رہا، آج تک ہے اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ عربی زبان ہندوستان میں داخل ہوئی تو یہاں کے باشندوں نے نہ صرف یہ کہ اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا، بلکہ علوم وفنون اور شعر وادب میں اپنی خداداد صلاحیتوں وشبانہ روز محنتوں سے نت نئے اضافے کئے اور اس طریقے پر پہلی صدی ہجری سے ہی عربی شعر وادب کے میدان میں مسلمانانِ برِصغیر (ہندو پاک و بنگلہ دیش) مسلسل نظر آتے ہیں۔ جن کا تذکرہ ہم نے گذشتہ صفحات میں تفصیل سے کر دیا ہے۔ اس وقت ان تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے ہمیں مولانا کی عربی شعر وادب کی خدمات کا جائزہ لینا ہے۔

مولانا عربی شعر وادب سے فطری تعلق رکھتے تھے۔ بچپن سے ہی ان کا رجحان عربی شعر و شاعری کی طرف تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ جب آپ عربی کی ابتدائی کتابیں نحو میر وغیرہ پڑھ رہے تھے (جس وقت آپ کی عمر بھی بارہ تیرہ سال سے زائد نہ ہوگی) تو آپ نے اپنے کسی متعلق کو خط لکھتے ہوئے اپنی عدمِ ملاقات کا شکوہ شعری زبان میں اس طرح پیش کیا تھا:

انا مارأیتك من زمن ☆ فازدادفی قلبی الشجن [۱]

اس شعر کو اگر ہم مولانا کا پہلا شعر مان لیں تو اس کم عمری اور بالکل ابتدائی کتب کے طالب علم کا یہ شعر مستقبل کے اچھے شاعر کی نشان دہی کرتا ہے۔ چنانچہ ان میں یہ شعری جذبات پروان چڑھنے لگے اور انہوں نے عمر کے سولہویں سال (۱۳۲۶ھ) میں قدم رکھا، جب کہ وہ جلالین، مشکوٰۃ وغیرہ کے طالب علم تھے اور ان کے والد کی وفات کا واقعہ پیش آیا تو ایسے غمگین ماحول میں بھی شاعری سے آپ کا تعلق قائم رہا اور آپ نے منظوم طریقہ پر استاد سے رخصت چاہی۔ درخواست رخصت میں آپ نے مندرجۂ ذیل اشعار فی البدیہہ نظم فرمائے:

الی این ابکی و احدا بعد واحد ☆ فلیس امرؤ منا هناك بخالد

و اول من قد ذاب قلبی لفقده ☆ و طاریلی موته موت والدی [۲]

ان اشعار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اپنے والد کے انتقال سے کچھ ہی پہلے کسی ایک اور صدمہ سے بھی دوچار ہو چکے تھے (''واحدا بعد واحد'' اور دوسرے شعر کی ضمائر اسی طرف اشارہ کر رہی ہیں)۔ لیکن یہ کس صدمے کی طرف اشارہ ہے اس کا پتہ تحقیق بسیار کے بعد بھی نہیں چلا۔ ان تحقیقات سے اجتناب کرتے ہوئے ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ مولانا مرحوم میں عربی اشعار نظم کرنے کی صلاحیت ابتدائے عمر سے ہی تھی، اور اگر اس صلاحیت کو فطری کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، جب بھی انہیں وقت ملتا یا کوئی موقع ہوتا تو وہ اس صلاحیت کا مظاہرہ کرتے۔ مولانا مرحوم کا عربی زبان کا شعری سرمایہ کسی منظم دیوان کی شکل میں نہ ہونے کے باعث عوام وخواص کی نظروں میں وہ مقبولیت حاصل نہ کر سکا جسکے وہ مستحق تھے۔ لیکن ان کے جو قصائد یا مراثی طبع ہوئے انہوں نے علمی حلقوں میں دادِ تحسین وصول کی۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کا اصل شعری سرمایہ بڑی وافر مقدار میں ہوگا، لیکن مولانا مرحوم شہرت وتشہیر سے کنارہ کش طبیعت اور منکسر المزاجی کے باعث اپنے کو اس میدان میں پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے، البتہ جب جب پیمانہ لبریز ہوا تو اس کلام کو عوام تک پہونچانے کی خاطر انہوں نے

بغرضِ اشاعت مختلف رسائل و جرائد کو ارسال کیا جو سنجیدہ حلقوں میں قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھا گیا۔

ان کے نعتیہ قصائد ''نورٌ علیٰ نور'' و ''وسیلۃ الظفر'' مختصر کتابچے کی شکل میں طبع ہو کر مقبول خواص عوام ہو چکے ہیں، ثانی الذکر کے بارے میں اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ اس وقت کے انتہائی سنجیدہ علمی ادارے مطبع معارف اعظم گڑھ سے اس کی اشاعت اس کے علمی و ادبی ہونے کی دلیل ہے۔ (۳) اس طریقہ پر مولانا کے مختلف مراثی و قصائد متعدد علمی مجلات میں شائع ہوئے جو وقت کی نذر ہو کر اس وقت کاغذوں کی تہوں میں ''متاعِ گم شدہ'' کی مانند ہو گئے۔ تاہم کچھ چیزیں تلاشِ بسیار کے بعد دستیاب ہو سکی ہیں، جنہیں پیمانہ مانتے ہوئے مولانا مرحوم کی شاعری کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس حقیقت کے اظہار کے ساتھ کہ یہ تحقیق کی طالب علمانہ کوشش ہے۔

مولانا کا جو شعری سرمایہ ہم کو دستیاب ہوا ہے، ان میں کچھ نعتیہ قصائد کچھ عمومی قصائد، کچھ کتابوں کی منظوم تقاریظ اور کچھ معاصر علماء سے متعلق مراثی ہیں۔ اس سلسلہ میں جو ترتیب ہم نے اختیار کی ہے اس کے مطابق سب سے پہلے مولانا مرحوم کے نعتیہ قصائد کا ناقدانہ مطالعہ ہمارے پیشِ نظر ہے۔

مولانا کی نعتیہ شاعری کا عمومی جائزہ لینے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس صنف کے تعلق سے ہندوستانی شعراء کے سرسری تذکرہ کیساتھ اس پر تمہیدی گفتگو کی جائے اور پھر اسکے ضمن میں مولانا مرحوم کی شاعری کو دیکھا جائے تا کہ مولانا کی شاعری کے ان مضامین کا (جو انہوں نے قلم بند کئے ہیں) فنی جائزہ لینے میں بھی آسانی ہو۔

نعت گوئی کا سلسلہ حضورِ اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ سب سے پہلے نعتیہ کلام کہنے کا سہرا حضور اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب کے سر بندھتا ہے۔ تحقیق کے مطابق ابو طالب کے قصیدے سے پہلے کوئی ایسا کلام نہیں ملتا جس میں نبی اکرم ﷺ کی مدح ہو۔ (۴) حضرت حسانؓ بن ثابت نے حضورِ اکرم ﷺ کے دفاع میں مدحیہ شاعری کا سرمایہ جمع کیا، جس کی وجہ سے انہیں شاعر رسالت مآب ﷺ کا

قابلِ فخر خطاب زمانہ نے دیا۔(۵) اس طریقہ پر نعت گوئی کا سلسلہ چودہ صدی سے زیادہ عرصہ پر مشتمل ہے اور مسلسل جاری ہے۔ محققین کی تحقیق کے مطابق دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں پر رسول اللہ ﷺ کی نعت نہ کہی گئی ہو، اور نہ ہی کوئی زبان ایسی ہے جو اس صفت سے خالی ہو، اور نہ ہی کوئی ایسا وقت ہے جس میں یہ سلسلہ جاری نہ ہو۔

عربوں کی ہندوستان آمد اور باشندگانِ ہند کے اسلام سے متعارف ہونے اور اسے قبول کرنے کے بعد عربی سے دینی تعلق قائم ہونے کے باعث عربی زبان وادب کی دیگر اصنافِ سخن کی طرح اس صنف میں بھی باشندگانِ ہند نے دادِ تحسین وصول کی۔

برصغیر ہندو پاک و بنگلہ دیش میں شعروسخن کا ذوق رکھنے والے فضلاء بارگاہِ نبوت میں گلہائے عقیدت پیش کرنے میں کسی سے بھی پیچھے نہیں رہے۔ شروع ہی سے ہندوستانی شعراء نے اس صنف میں طبع آزمائی کو سعادت دارین تصور کرتے ہوئے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کو قابلِ فخر مانا ہے۔ چنانچہ ابتدائی عہد کے ہندوستانی شعراء ہارون بن موسیٰ ملتانی (متوفی: ۱۴۰ھ) افلح بن یسار المعروف بہ حسین مرزوق بن یسار المتخلص بہ ابوعطاء السندی (متوفی: ۱۸۰ھ) ابو الضلع سندی (متوفی: ۲۴۰ھ) ابو الفتح محمود بن حسین المعروف بہ کشاجم السندی (متوفی: ۳۳۰ھ) ابو محمد الحسن بن حامد الأدیب الدیبلی البغدادی (التوفی: ۴۰۷ھ)، عطاء بن یعقوب بن ناکل الغزنوی (متوفی: ۴۹۱ھ) سعد بن سعد بن سلمان لاہوری (متوفی: ۵۱۵ھ) رضی الدین صاغانی (متوفی: ۶۵۰ھ) وغیرہم جیسے قدیم ہندوستانی عربی شعراء کے کلام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے کلام میں نعت کا رنگ کا خاصی مقدار میں پایا جاتا ہے۔(۶) عہد تیموری میں اس وقت کے بلند پایہ ہندوستانی ادیب احمد التھانیسری (متوفی: ۸۲۰ھ) کے بھی بہت سے قصائد ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں شاہ ولی اللہ دہلویؒ (متوفی: ۱۱۷۶ھ) کی نعت ''اطیب النغم'' جس کا مطلع:

کأن نجوما او مضت فی الغیاھب ☆ عیون الافاعی اور رؤس العقارب

ہے نہ صرف اپنے عہد میں بلکہ آج تک زندۂ وجاوید ادبی شاہ کار ہے۔ اسی طریقہ پر غلام

علی آزاد بلگرامی (متوفی: ۱۲۰۰ھ) نے اس صنف میں بہت شہرت حاصل کی۔ مشہور عارف عبدالنبی شامی کا ایک قصیدہ آں حضور ﷺ سے ان کی گہری محبت وعقیدت کا آئینہ دار ہے۔ (۷)

ماضی قریب میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مولانا حبیب الرحمان عثمانی رحمہم اللہ کے نعتیہ قصائد نے کافی شہرت حاصل کی۔ خصوصاً مؤخر الذکر کا قصیدہ ''لامیۃ المعجزات'' سلاستِ زبان اور وضاحتِ بیان کا بہترین نمونہ ہے۔ (۸)

اسی سلسلہ کی کڑی مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جنھوں نے جذبۂ حب رسول ﷺ سے سرشار ہو کر خلوص وعقیدت کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں نعتیہ شاعری کے گلدستہ پیش کئے۔ انشاء اللہ العزیز یہ نعتیں عند اللہ وعند الرسول تو مقبول ہوئیں ہوں گی ہی عوام الناس میں بھی اپنی نادر تشبیہات واستعارات اور متنوع مضامین کے سبب بہت مشہور ہوئیں۔
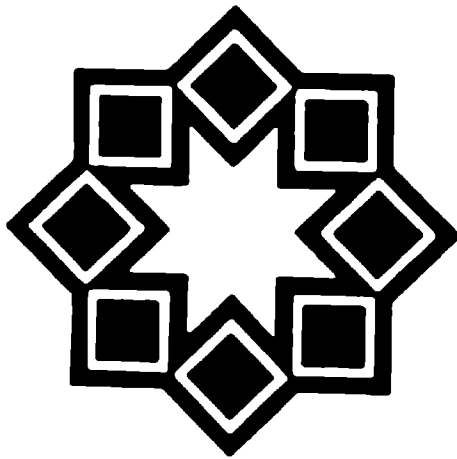
فصل اوّل

نعتیہ شاعری

آپکی نعتیہ شاعری کا پہلا مجموعۂ قصائد ''نورٌ علیٰ نور'' ہے [۹] اسکا دوسرا نام ''رطب العرب'' بھی ہے۔ علاوہ ازیں یہ حجاز کے مقدس سفر کے دوران لکھے جانے کے باعث ''سفر نامۂ حجاز'' کا بھی جزو ہے۔ اس کا پہلا قصیدہ ''رائیہ'' اور دوسرا قصیدہ ''قافیہ'' ہے۔ [۱۰]

پہلا قصیدہ رائیہ

یہ قصیدہ اٹھاسی اشعار پر مشتمل ہے انمیں جن مضامین کو ذکر کیا گیا ہے، انمیں آپ ﷺ کی رسالت، دنیا و آخرت کیلئے آپ ﷺ کی ذات بابرکات کی رحمتیں، نورِ محمدی، آپ ﷺ کی محبوبیت بنی نوع انسان سے آپ کی رافت ومحبت، آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات، آپ ﷺ کی فضیلت، معجزات نیز آپ ﷺ کے جاں نثار ساتھیوں کا آپ ﷺ کیساتھ جاں نثارانہ تعلق کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے۔ اوران تمام مضامین کا مرکزی موضوع آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کا صدق وصفا سے معمور ہونا ہے [۱۱]

اهذی سلیمی فی جمال منور ☆ تلوح علی بعد کبدر مدور

کیا یہ روشن جمال سلیمی ہے۔ جو دور سے گول چاند کی طرح چمک رہی ہے

ام النجم فی أفق من الشرق طالع ☆ ام الزهراء لاحت بمشتری

یا جانب شرق سے ستارہ ثریا طلوع ہو رہا ہے؟ یا روشن ستارہ زہرہ مشتری کے ساتھ چمکا ہے؟

ام البرق فی جنح من اللیل لامع ☆ ینم علی غیث من الله منشر

یا رات کی تاریکی میں بجلی چمک رہی ہے؟ جو اللہ کی طرف سے زندگی بخش بارش کی خبر دے رہی ہے

ام الرأیة البیضاء فی ارض طیبة ☆ قد اضطربت لیلا بجند مظفر

یا سرزمین طیبہ میں رات کے وقت سفید جھنڈا ایک مظفر و منصور لشکر کو ساتھ لئے ہوئے لہرا رہا ہے

ان اشعار میں قصیدہ کی ہیئت ترکیبی کے مطابق رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جمال اور خوبصورتی کی تعریف مختلف روشن مثالوں سے کی گئی ہے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کا نام وضاحت سے نہیں لیا گیا ہے تاہم تمام اشارات اتنے واضح ہیں کہ ان کی تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ شاعری کے قدیم قاعدوں کے مطابق ' سلیمیٰ " کے خیالی نام سے ابتداء کر کے مختلف مثالیں دے کر عمدہ تشبیہات مذکورہ بالا اشعار میں ملتی ہیں۔ اس کے بعد سات اشعار میں آپ کے اخلاق عالیہ اور بلند اوصاف کے باعث آپ کے ان جاں نثار ساتھیوں کا بڑے خوبصورت انداز سے ذکر کیا گیا ہے جو آپؐ کے اشارہ چشم کے منتظر رہتے تھے۔ اور آپؐ کے ایک اشارے پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کو سعادت تصور کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے یہ اشعار:

یلوذ بها الأقبال من آل هاشم ☆ و من آل عدنان و من آل حمیر

جس کی جلو میں آل ہاشم و آل عدنان ☆ و آل حمیر قبیلوں کے سردار چل رہے ہیں

ابو بکر ن الصدیق اول مؤمن ☆ و خیر رفیق بالمغار المحجر

(جسمیں) ابوبکر صدیقؓ سب سے پہلے ایمان لانے والے اور اس ☆ غار میں جسکے گرد (کافروں کا) حلقہ تھا بہترین رفیق تھے

ابو حفص ن الفاروق خیر خلیفة ☆ اعز به الاسلام فی کل محضر

اور حضرت ابو حفص فاروق بہترین خلیفہ تھے ☆ جن کے سبب سے ہر مقام پر اسلام کو عزت حاصل ہوئی

و عثمان ذو النورین افضل صابر ☆ علی المو ت ظلماً بالقضیب المشهر

اور حضرت عثمان ذوالنورین مظلومی کی حالت میں تیغ ہوئی ☆ تلوار کے نیچے جان دینے پر سب سے بڑھکر صبر کرنیوالے تھے

علی فتی الفتیان بطل محرب ☆ و ما ابصرت عینا شجاع کحیدر

اور جوانوں کے جوان حضرت علی آزمودہ کار بہادر ہیں ☆ کہ کسی بہادر کی آنکھوں نے بھی حیدر جیسا نہیں دیکھا

و حمزة اسد الله اسد رسوله ☆ کابن اخیه ذی الجناحین جعفر

اور حضرت حمزہ اللہ کے شیر اور رسول اللہ کے شیر ہیں ☆ اسی طرح ان کے بھتیجے ذوالجناحین جعفر بھی

وسعد بن وقاص وعمر و و عامر ☆ و سیف الاله خالد کالغضنفر

اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور عمرو بن العاص اور ابو عبیدہ ☆ عامر بن الجراح اور سیف اللہ حضرت خالد بھی جو شیروں کے مثل ہیں

مذکورہ بالا اشعار میں آپ نے حضور اکرم ﷺ کی شخصیت کے عظیم الشان و صف اور آپ کی جاذبیت نیز آپ کے معزز و مکرم ہونے کو بڑے اچھے انداز میں نظم کیا ہے۔ کیوں کہ آپ کے معزز و مکرم ہونے کے باعث نہ صرف یہ کہ آپ کی ذات ستودہ صفات بلکہ آپ کا قبیلہ، آپ کا خاندان اور آپ کے رفقاء بھی ان اوصاف میں آپ کو مقتدا و پیشوا ماننے کی وجہ سے اعزاز و اکرام سے نوازے گئے۔

پھر یہ آپ کی ذات مبارکہ ہی تو تھی کہ عرب کے مشہور و معروف دو متحارب قبیلے اوس و خزرج جو میدانِ جنگ میں لوہے کی زرہ پہن کر اور ہاتھوں میں یمنی تلوار لے کر بلا تکلف گھس جاتے تھے اور کشتوں کے پشتے لگا دیتے تھے وہ قبیلے بھی آپ کی صدائے حق پر حق کے حامی اور دینِ الٰہی کے مددگار ہو گئے۔

اسود الوغا ابطال اوس و خزرج ☆ و لم یلعبوا الا بسیف و خنجر
اور میدان جنگ کے شیر اوس و خزرج کے بہادر بھی جو تلوار و خنجر ہی سے کھیلتے ہیں

مقادیم سباق الی کل غایة ☆ بصبر و ایمان و رأی مدبر
یہ حضرات ہر مقصد کی طرف صبر و ایمان اور پختہ ارادہ کیساتھ پیشقدمی اور سبقت کرنے والے ہیں

بھالیل خواضون فی کل غمرة ☆ و سیف یمان فی حدید مسمر
یہ معزز سردار ہر دشوار میدان میں یمنی تلوار اور لوہے کی زرہ سے آراستہ ہو کر گھس جانیوالے ہیں

حماة لحق الله انصار دینه ☆ و من ینصر الاسلام و الحق ینصر
حق کے حامی اور دین الٰہی کے مددگار ہیں اور جو اسلام اور حق کی مدد کرتا ہے اسکی غیب سے مدد کی جاتی ہے

اوس و خزرج کے تذکرے کے بعد شاعر پھر گریز سے کام لیتے ہوئے حضورِ اکرم ﷺ کے جاں نثار ساتھیوں کی جاں نثاری کی زندۂ جاوید مثالوں کی غزوات بدر، حنین، خندق اور خیبر کے تذکروں کی تجدید کرتے ہیں۔ جس طریقہ پر آپ کے ساتھیوں نے ان غزوات میں اپنے آپ کو پیش کیا ان کی مثال شاذ و نادر ہی ملے گی۔ فرماتے ہیں:

ھم جبل الاسلام فی کل موطن ☆ ھم شھداء الله فی کل منحر
وہ ہر موقعہ پر اسلام کے پہاڑ تھے۔ اور ہر قربان گاہ میں اللہ کے نام پر شہید ہونے والے تھے

فسل عنهم بدراً حنينا و خندقا ☆ و سل احداً عنهم و اطلال خيبر

ان کی حالت کو بدر حنین اور خندق سے پوچھ لو اور ☆ جبل احد اور خیبر کے کھنڈروں سے دریافت کرلو

و سل عنهم شاما و مصرا و فارسا ☆ دمشقا و يرموكا ديار التنصر

(انکے بارے میں) شام اور مصر وفارس سے پوچھو اور دمشق ☆ ویرموک سے بھی جو نصرانیت کے گہوارے تھے

قد اقتحموا الحوض المنايا بعزمة ☆ تخر لها شم الجبال بمنخر

یہ حضرات موت کے دریا میں ایسے (بلند) حوصلہ کیساتھ گھسے ☆ تھے جسکے سامنے بلند پہاڑ بھی ناک کے بل گر جاتے تھے

لقد جاهدوا في الله حق جهاده ☆ صلوا في لهيب الحرب ذات التسعر

انہوں نے اللہ کے راستہ میں جہاد کا حق ادا کردیا ☆ بھڑکتی ہوئی جنگ کے شعلوں میں کود پڑے

غداة مضوا مثل الليوث يقودهم ☆ الى الموت حب الله من غير مضجر

صبح کیوقت شیروں کیطرح بڑھتے ہوئے چلے انکو اللہ کی ☆ محبت بغیر کسی پس وپیش کے موت کیطرف کشاں کشاں لئے جاری ہے

فلما تلاقوا غادروا كل فاجر ☆ عليه العوافي كالضواري بعثر

جب لشکروں کا مقابلہ ہوا تو انہوں نے ہر بدکار کو اس حالت میں چھوڑا کہ مردار ☆ خور جانور اس پر ایسے گر رہے تھے جیسے گرنے والے جنگل میں شیر حملہ کرتے ہیں

فلم تبق الا اثره بعد عينها ☆ و الاحاديث مفترى عند مفتر

حقیقت ظاہر ہونے کے بعد دشمن کا صرف ایک معمولی سا نشان ☆ رہ گیا اور افسانہ تراشوں کے پاس محض افسانہ

تزلزل اركان الضلال بعزمهم ☆ و هدت جبال الكفر بالله اكبر

انکے حوصلے سے گمراہی کے ستونوں میں زلزلہ آ گیا ☆ اور نعرہ اللہ اکبر سے کفر کے پہاڑ ٹوٹ پڑے

اولئك اقمار الهدى و نجومه ☆ بهم يهتدى في كل امر محير

یہ ہیں ہدایت کے چاند اور تارے کہ ہر پریشان ☆ کن معاملہ میں انہی کے ذریعہ راہ ملتی ہے

ولن تبتغي الا لديهم هداية ☆ و ما حاد عنهم غير غمر مزور

انکے سوا کسی کے پاس ہدایت نہیں مل سکتی اور بجز بیوقوف ☆ جھوٹ بنانیوالے کے کوئی بھی ان سے بیرخی نہیں کرسکتا

و من يبتغي المعروف من غير اهله ☆ يجازى جزاء النادم المتحسر

اور جو کوئی نا اہلوں سے بھلائی کا طالب ہوگا اس کو ☆ بجز حسرت وندامت کے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا

اولئك خير الناس بعد نبيهم ☆ و من يعتصم بالله يسعد و يظفر

یہ حضرات اپنے نبی کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں — جو اللہ کا ہو جاتا ہے وہ کامیاب اور فتحمند ہوتا ہے

اولئك اصحاب النبی و حزبه ☆ كفاهم به فخرا علی كل مفخر

یہ حضرات نبی کے اصحاب اور رسول کی جماعت ہیں — ان کو ہر فخر کے مقابلہ میں یہی فخر بہت کافی ہے

اس کے بعد کے اشعار میں مولانا نے بہت ہی برجستگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تاریخی طور پر ان تاریک حالات کا مجملاً ذکر کیا ہے۔ جن میں عرب آپ کی آمد سے پہلے پھنسے ہوئے تھے۔ پھر آپ کی آمد سے حق اور ہدایت کا جو نور پھیلا، اس نے نہ صرف یہ کہ آپ کی ذاتِ پرانوار کو منور کیا بلکہ آپ کے متبعین کو بھی منور بنادیا۔ اور یہ کام صرف صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کے دور تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ اس پیغام حق و صداقت کو نسل درنسل منتقل کرنے کیلئے ہمیشہ مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی رہی ہے، جو اللہ کے بندوں تک اس پیغام کو پہونچاتی رہی۔

و يتلو هم من كل بطن عصابة ☆ علی نصرة الداعی النبی المطهر

اور انکے پیچھے پیچھے ہر زمانہ میں ایک جماعت اللہ کیطرف — بلانیوالے پاکیزہ پیغمبر کی نصرت پر تیار رہتی ہے

نبی اتی و الناس فی فحمة الدجی ☆ من الظلم فی شر من الجهل منكر

آپ ایسی حالت میں تشریف لائے کہ لوگ ظلم کی سخت — تاریکی میں اور جہالت کی غیر معمولی بدی میں پھنسے ہوئے تھے

فلاً لأ نور الحق و الرشد سباطعا ☆ بطلعة ميمون النقيبة ازهر

پس حق اور ہدایت کا نور مبارک طبیعت روشن — چہرہ والے نبی کے چہرہ سے چمکتا ہوا بلند ہوا

محمد ن المبعوث للناس رحمة ☆ بو جه منير مستنير منور

یعنی محمد ﷺ لوگوں کیواسطے رحمت بنکر ایسے چہرہ کیساتھ مبعوث ہوئے — جو خود بھی روشن ہے اور دوسروں کو بھی روشن کرنیوالا ہے

یہاں تک پہونچنے کے بعد آپ کا ذہن پھر آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور پھر وہ ان اشعار کو قلم بند کرتے ہیں جن میں آپ کے خاندانی طور پر معزز و مکرم ہونے کے تذکرے کیساتھ ساتھ آپ کے سراپا نور ہونے، آپ کے ذریعہ ایسی روشن آیات (قرآن) کے آنے کو علم و ہدایت کی مستحکم دلیل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان

اشعار میں آپ کی سخاوت، پریشان و غمزدہ لوگوں کی پریشانیاں دور کرنے، ذلیل و خوار لوگوں کو عزت بخشنے، گمراہوں کیلئے ہدایت کا ذریعہ بننے، غریبوں پر رحم کرنے، دشمنوں کو معاف کرنے، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے جیسے اوصاف کا تذکرہ بھی ہے، اور مخاطب سے آپؐ کی حسن و ملاحت کی تعریف و توصیف نادر تشبیہات کے ذریعہ کرتے ہوئے معجزۂ شق القمر کو بھی بڑے ہی خوبصورت اور بلیغ انداز میں نظم کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

بالفضل بیت کان من آل ہاشم ☆ و اکرم قوم کان فی خیر معشر

خاندان بنی ہاشم کے بہترین گھرانے میں اور بہترین جماعت کی معزز قوم میں

سلالة امجاد کرام ذوی العلی ☆ ذوی نسب من خندف مثل نیر

آپ بلند معزز شریف لوگوں کی اولاد ہیں، جنکا نسب خندف سے ملتا ہے جو آفتاب کیطرح روشن ہے

اتانا بنور لن تری العین مثله ☆ و لم تر حقا مثله من مخبر

آپ ہمارے پاس ایسا نور لیکر تشریف لائے جس کی نظیر آنکھ کبھی نہ دیکھ سکیگی اور حقیقت میں آپ جیسا پیغمبر کسی نے پہلے بھی نہیں دیکھا

اتا نا بآیات کشمس منیرة ☆ تحلت علی الاقطار فی خیر منظر

ہمارے پاس ایسی آیات لائے جو روشن آفتاب کی طرح چاردانگ عالم میں بہترین منظر کیساتھ جلوہ نما ہیں

اتا نا ببرھان من العلم و الھدی ☆ فیا خیر مورود و یا خیر مصدر

ہمارے پاس علم وہدایت کی مستحکم دلیل لیکر آئے سبحان اللہ آپ کیسے سیراب کرنیوالے اور کیسے پیاس بجھانیوالے ہیں

جواد اذا ما افقر الدھر اھله ☆ و ما مثله فی الجود من متبکر

جسوقت زمانہ مخلوق کی کمر توڑدے آپ سخاوت کرنیوالے ہیں اور آپکی برابر سخاوت میں کوئی پیشقدمی کرنیوالا نہیں

ھو الغیث جودا بل ھو البحر زاخرا ☆ بلی فوق بحر زاخر متزخر

رسولؐ سخاوت کی بارش کی مانند ہیں بلکہ لبریز و پرجوش سمندر سے بھی بڑھ کر ہیں

غیاث لملھوف ملاذ لخائف ☆ مغیث لمحروق الحوی متصور

پریشان، غمزدہ کے فریادرس، ڈرنیوالوں کے جائے پناہ سوختہ باطن بیتاب کے مددگار

مجیر لمن لا یاخذ الناس کفه ☆ معز لمقھور ذلیل مصغر

جسکا کوئی بھی دستگیر نہ ہو اس کو پناہ دینے والے مظلوم ذلیل و خوار کو عزت بخشنے والے

نظام لحق بل قیام لأهله ☆ نکال لباغی الشر للحق منکر

حق کا انتظام کرنیوالے بلکہ اہل حق کیلئے سہارا اور بدی ڈھونڈھنے والے منکر حق کو سخت سزا دینے والے

حیوۃ لمن قد مات بالجهل قلبه ☆ نجاۃ لاسری فی ضلال محوّر

جسکا دل جہل سے مردہ ہو چکا ہو اس کیلئے حیات بخش اور تباہ کن گمراہی میں گرفتار ہونیوالوں کیلئے نجات ہیں

رحیم علی الادنی عفو عن العدی ☆ و ما لکسیر مثله من مجبر

غریب پر رحم کرنیوالے دشمنوں کو معاف کرنیوالے ٹوٹے ہوؤں کو آپکی برابر کوئی جوڑنے والا نہیں

تراه اذا ما جئته متهللا ☆ فاحبب به من ازهر اللون انور

تو جب بھی آپکے پاس آئے آپکو ہنستا ہوا کھلا ہوا پائیگا سبحان اللہ یہ کھلے ہوئے چمکدار رنگ والے کیسے محبوب ہیں

ملیح ملاح الدهر سکری بحسنه ☆ و کم من قتیل باللحاظ مقطر

ایسے ملیح ہیں کہ زمانہ بھر کے ملیح آپکے حسن پر فریفتہ ہیں آپکی نگاہ سے کتنے ہی کشتہ پچھاڑے ہوئے ہیں

قد انشق صدر اللیل حبا لوجهه ☆ طوبی لقلب بالهوی متفطر

چاند کا سینہ آپکے چہرہ مبارک کی محبت میں شق ہو گیا اور مبارک ہے وہ دل جو محبت سے پھٹ جائے

پھر آپ ﷺ کی ان جلیل القدر داعیانہ خدمات کا تذکرہ ہے جن کے تحت آپؐ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی امانت وصداقت پر ان کی گواہی لینے کے بعد انہیں توحید کی دعوت دی اور اسے قبول کرنے والوں کو جنت کی خوش خبری اور نہ ماننے والوں کو ہلاکت وعذاب سے ڈرایا، جسے سن کر وہ لوگ حیران وششدر رہ گئے ۔ سعید لوگوں نے اس پیغام کو قبول کیا، لیکن بدبختوں نے جن میں آپ کا چچا ابو لہب بھی شامل تھا، اس کا مضحکہ اڑایا۔ ابولہب نے آپ کو برا بھلا کہا، جس کے جواب میں قرآن کریم کی سورۃ ''اللھب'' نازل ہوئی۔

لقد انذر الاقوام سراً و جهرة ☆ و ما مثله لله من متشمر

آپنے جملہ اقوام کو خفیہ وعلانیہ خدا سے ڈرایا آپکی برابر اللہ کے راستوں میں کوشش کرنیوالا کوئی نہیں ہوا

فصار ینادیهم خلال بیوتهم ☆ و طورا ینادیهم بجمع و مشعر

پس کبھی تو آپ انکے گھروں کے اندر پہنچکر تبلیغ فرماتے تھے اور کبھی منیٰ ومزدلفہ میں منادی کرتے تھے

دعا هم الی التوحید و البر والتقی ☆ و ترك المعاصی و الاذی و التجبر
آپ نے انکو توحید اور نیکی و پرہیزگاری اختیار کرنے اور سرکشی ایذارسانی اور تکبر کے چھوڑنے کی دعوت دی

و قام بامر الله یوما علی الصفا ☆ فنادی الاهل من سمیع و مبصر
ایک دن آپ نے اللہ کے حکم سے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر لوگوں کو ندا دی کہ تم میں کوئی سننے والا دیکھنے والا ہے؟

الا خبروا عنی بما تعلمونه ☆ فقد عشت فیکم مدة بین اظهر
اے لوگو میرے متعلق تم جو کچھ جانتے ہو بیان کرو کیونکہ میں ایک مدت تک اپنی زندگی کے دن تمہارے درمیان گزار چکا ہوں

فقالوا امین صادق غیر کاذب ☆ و ما قلت زوراً قط یا ابن المخیر
سب نے (باتفاق) جواب دیا کہ آپ صادق امین ہیں جھوٹے نہیں ہو اے برگزیدہ باپ کے بیٹے آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا

فنادی بصوت زلزل الارض مرة ☆ الا فاقبلوا قول النذیر المذکر
اپر آپ نے ایک بلند آواز سے جسنے ایک بار زمین میں زلزلہ ڈالدیا فرمایا کہ ہوشیار ہو کر ڈرانیوالے ناصح کی بات مان لو

الا فاهجروا ما تنحتون و سارعوا ☆ الی ربکم قبل العذاب المدمر
خبردار اپنے تراشے ہوئے بتوں کو چھوڑ کر جلدی اپنے رب کیطرف دوڑو اس سے پہلے کہ برباد کرنیوالا عذاب آجائے

اقروا بان الله لا رب غیره ☆ و انی رسول من ملیك مقدر
اس بات کا اقرار کرلو کہ اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں اور یہ کہ میں اس بادشاہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جو ہر چیز کا اندازہ کرنیوالا ہے

ففتح آذانا بحق مصدع ☆ و بصر عمیانا بنطق مفسر
پس فیصلہ کن پیغام حق سے آپ نے بہروں کے کان کھولدیئے اور بلیغ کلام سے اندھوں کو سوانکھا بنادیا

فصاروا کأن الطیر فوق رؤسهم ☆ حیاری جمیعا للکلام المؤثر
اب وہ ایسے ہوگئے جیسے انکے سر پر پرندے بیٹھے ہوں سب کے سب اس موثر بیان سے حیران ہوگئے

و نادی شقی القوم تبا لمن دعا ☆ فتبت یداه فی لهیب مسعر
اس قوم میں سے ایک بدبخت چلا کر کہنے لگا کہ جسنے ہمکو بلا کر جمع کیا اسکے ہاتھ ٹوٹیں تو بھڑکتی ہوئی آگ میں اسی کے ہاتھ ٹوٹ گئے

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے سفرِ طائف اور وہاں پر آپ کو پیش آمدہ پریشانیوں اور ان پر آپ ﷺ کے استقلال اور ثابت قدمی کے تذکرہ کے ساتھ آپ ﷺ کی صفتِ رحم کو بھی اجاگر کیا گیا ہے کہ ان حالات میں بھی آپ ﷺ نے اپنی قوم کو بددعا کے بجائے اللہ سے ہدایت کی دعاء مانگی، جو آپ ﷺ کی اولوالعزمی کے ساتھ

ساتھ "رحمۃ اللعالمین" ہونے کا بھی ثبوت ہے، کیوں کہ یہ وقت وہ وقت تھا جبکہ پہاڑوں کے فرشتہ نے خود آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر ان گستاخوں کو پہاڑوں کے درمیان نیست و نابود کرنے کی تجویز رکھی تھی، لیکن رحمت و رافت کے پُتلے اس اللہ کے بندے نے ان کی ہلاکت کے بجائے اللہ سے ان کی ہدایت کی دعا مانگی تھی۔ فرماتے ہیں:

و لما رأى من اهل مكة جفوة ☆ اتى طائفا يرجو لنصر مؤزّر

جب آپ نے مکہ والوں کا برتاؤ سخت دیکھا تو طائف والوں کے پاس قومی مدد کی امید میں تشریف لے گئے

فلم يستجيبوا للرسول و اغلظلوا ☆ له القول سبًّا ثم ضربا باحجر

انہوں نے بھی رسول کی بات نہ مانی اور سخت گفتگو، دشنام دہی، سنگ باری سے پیش آئے

فباء بقلب مطمئن بربه ☆ حزين على اعمال قوم متبّر

تو آپ ایسے دل کیساتھ واپس ہوئے جو اپنے پروردگار پر مطمئن تھا اور تباہ کار قوم کے اعمال پر غمگین تھا

فلو شاء ان يدعو عليهم لطبّقت ☆ عليهم جبال فى نكال منكّر

اگر آپ بددعا کرنا چاہتے ہیں تو پہاڑ ان کے اوپر گر پڑتے اور سخت عذاب کا سامنا ہوتا

و لكن دعا رب اهد قومى فانهم ☆ سكارى بجهل فى القلوب محبّر

لیکن آپ نے یہ دعا کی کہ اے پروردگار میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ لوگ جہالت میں مست ہیں جو انکے دلوں میں آراستہ ہے

ان تاریخی واقعات کو نظم کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حلم و بردباری، صبر و ثبات، عفو و درگذر جیسے بلند اخلاق کے حوالوں سے شاعر مخاطب سے مختلف سوالات کرتے ہوئے خود ہی جواب دیتا ہے کہ ایسا شریف عرب و عجم (بلکہ بساطِ عالم پر) نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا۔ ملاحظہ فرمایئے:

فهل نظرت عين كمثل محمد ☆ رؤوفا على الاعداء بعد التبصّر

تو (اے مخاطب) کیا کسی آنکھ نے محمد ﷺ جیسا دشمنوں پر رحم کرنے والا تلاش بسیار کے بعد بھی دیکھا ہے؟

و هل مثله فى الناس من متحلم ☆ و هل مثله فى الخلق من متصبّر

اور کیا آپ کی برابر لوگوں میں کوئی حلیم، بردبار اور مخلوق میں کوئی صبر کرنے والا ہے؟

و هل مثله فى العرب و العجم ماجد ☆ و هل مثله فى البيض و السود من جرى

اور کیا عرب و عجم میں آپ جیسا کوئی شریف اور کالے گوروں میں کوئی بہادر ہے؟

فمن کان او من قد یکون کاحمد ☆ عفوا عن الزلات للمتعثر

پس محمد ﷺ جیسا، خطا کار کی لغزشوں معاف کرنے والا کون ہوا یا کون ہوگا؟

ھو الرحمۃ المھداۃ من عند ربنا ☆ تحلی علی الاقوام فی خیر مأثر

آپ سراپا رحمت ہیں اللہ کی طرف سے ہدیہ کے طور پر بھیجے ہوئے آپ بہترین فضائل کیساتھ اقوام عالم پر جلوہ فرما ہوئے ہیں

آپ ﷺ کی افضلیت، عظمت، اور جلالت کا ثبوت واقعۂ معراج النبی ﷺ ہے، جب کہ آپ ﷺ کو تمام انبیاء کرام کی سرداری کا شرف حاصل ہوا اور آپ ﷺ اللہ کے مقرب فرشتے حضرت جبرئیلِ امین علیہ السلام کی رفعتوں کو بھی پار کر گئے، اور دیدارِ الٰہی سے مستفیض ہوئے۔ واقعۂ معراج کا ذکر بہت ہی خوبصورت انداز میں مندرجہ ذیل اشعار میں ملتا ہے:

دعاہ الہ العرش لیلا الی العلی ☆ و عزرہ وا ھا لہ من معزر

ایک رات خداوند عرش نے آپکو آسمان پر بلایا اور آپکی ایسی عظمت ظاہر کی کہ اس عظمت پر آپ کیلئے سرجائیے

فسار یلاقی واحدا بعد واحد ☆ من الرسل فی عز منیع موقر

پس آپ یکے بعد دیگرے رسولوں سے ملتے ہوئے چلے عظیم الشان عزت کے ساتھ

و یخترق السبع السموٰت کلھا ☆ طِباقا و یعلو مظھرا فوق مظھر

آپ ساتوں آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے فرماتے جاتے اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر بلند ہوتے جاتے تھے

و جبریل یمشی آخذا برکابہ ☆ فواھا لہ من راکب اللیل اقمر

جبرئیل امین آپکی رکاب تھامے ہوئے چل رہے تھے سبحان اللہ آپ کس شان سے رات کو سوار تھے کہ چاندکی مانند آپکا چہرہ چمک رہا تھا

فکان لہ ما کان من فضل ربہ ☆ و نال مکانا قد علا عن تصور

پھر آپ پر خدا کا فضل ہوا جو کچھ بھی ہوا۔ اور آپ نے ایسا رتبہ پایا جو کسی کے گمان میں نہیں آسکتا

ھو الاول العالی و ان جاء آخرا ☆ فاعجب بہ من عاقب متصدر

آپ ہی سب سے مقدم اور بلند ہیں اگرچہ سب رسولوں کے بعد تشریف لائے پس آپکی شان بھی کس قدر عجیب ہے کہ پیچھے آئے اور آگے بڑھ گئے

اس کے بعد ہجرتِ مدینہ کے اہم واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے اسے اہلِ مدینہ کی خوش بختی اور سعادت اور مدینہ منورہ کے تقدس و پاکیزگی کی وجہ آپ ؐ کی آمد کو قرار دیا ہے۔ اسی کیساتھ

آپ کے روضۂ مبارک کا تذکرہ ہے کہ جس کی موجودگی دنیا بھر کو معطر کئے ہوئے ہے۔ یہ اشعار بھی بلند پایہ ادب کا نمونہ ہیں، فرماتے ہیں:

و لما تمادی القوم فی الغیّ و الاذی ☆ ترحّل عنهم رحلة المتضجّر

جب قوم گمراہی اور ایذا رسانی میں حد سے بڑھ گئی تو آپ — نے تنگ دل ہو کر ان کے پاس سے کوچ کیا

ترحل عن قوم فمالت جدودهم ☆ و حل علی قوم بخیر مفجّر

جس قوم سے آپ نے کوچ کیا اس کا بخت سرنگوں ہو گیا — اور جس قوم پر نزول کیا وہاں بھلائی کے دریا بہنے لگے

و قد نزلت منه علی اهل طیبة ☆ شآبیب فضل فی سناء مشهر

آپکی وجہ سے مدینہ والوں پر فضل و کرم کی بارش — نازل ہو گئی اور ان کی عزت بلند ہو گئی

هنیئا لانصار النبی سعادة ☆ أبتها فئام من ضلال التفکر

رسول اللہ ﷺ کے انصار کو یہ سعادت مبارک ہو جس سے — دوسری قوموں نے اپنی رائے کی غلطی سے انکار کر دیا تھا

فطیبة طابت و اشمخرّت الی العلی ☆ و قد لألأت اقطارها بالتنوّر

پس مدینہ پاکیزہ بن کر بلندی کی طرف سر بلند ہو گیا — اور اسکے تمام اطراف نورانیت سے چمکنے لگے

بها قبة خضراء زهراء بهجة ☆ یحل بها قبر الحبیب المعطّر

مدینہ میں ایک قبہ خضراء ہے جو رونق و چمکدار ہے اسی میں — اس محبوب کی قبر ہے جو (دنیا بھر کو) معطر کئے ہوئے ہے

یہاں تک پہونچ کر مولانا نے فدایانہ انداز اختیار کیا ہے اور بتایا ہے کہ آپؐ کا ذکر بھی حیات افزا ہے، اس کو حیات نصیب ہو جاتی ہے جو آپؐ کے ذکر میں سرشار رہتا ہے میری جان اس زندہ کے قربان جو چند قبروں کے درمیان آرام فرما ہیں:

و ما مات من تحیی القلوب بذکره ☆ بنفسی حی راقد بین اقبر

اور جسکے ذکر سے دلوں کو حیات نصیب ہوئی ہو وہ مرا نہیں — سکا میری جان اس زندہ کے قربان جو چند قبروں کے درمیان آرام فرما ہے

فدته نفوس العالمین فانه ☆ هو الروح فی هذا الوجود المصوّر

آپ پر تمام جہاں والوں کی جانیں فدا ہوں کیونکہ روح — آپ ہی ہیں باقی تمام عالم صورت ہی صورت ہے

مولانا مرحوم اپنے اس شعری سرمایہ میں اس تمنا کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ کاش آنکھوں کے بل چلنا ممکن ہوتا تو میں تیز رو گھوڑے کی طرح دوڑ کر آپ تک پہونچ جاتا۔

میں، میری جان، میرے آباؤ اجداد اور میرا سب کچھ اس ذاتِ اقدس پر قربان:

و لو کان یمشی بالعیون محبۃ ☆ عدوت لہ بالعین عدو المضمر

اگر محبت میں آنکھوں کے بل چلنا ممکن ہوتا تو میں آنکھوں کے بل تیز رو گھوڑے کی طرح دوڑ کر آپ تک پہنچتا

فدی لرسول اللہ نفسی و مھجتی ☆ و اُمی و آبائی اقلی و اکثری

رسول اللہ ﷺ پر میری جان و دل میرے ماں باپ میرا تھوڑا بہت سب کچھ قربان

اخیر میں حسبِ معمول آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے تمام صحابہ اور تمام آل و اولاد پر سلام کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے قصیدہ مکمل ہو جاتا ہے:

علیہ صلوٰۃ اللہ ثم سلامہ ☆ و اصحابہ اھل التقی و التبرر

آپ ﷺ پر اللہ کا صلوٰۃ و سلام نازل ہو اور انکے اصحاب پر بھی جو پرہیزگار اور وفادار تھے

و آل رسول اللہ فی کل ساعۃ ☆ سلاما کمسک اطیب الریح اذفر

اور رسول اللہ ﷺ کے خاندان پر بھی ایسا سلام جو پاکیزہ خوشبو خوب مہکنے والے مشک کی مانند معطر ہو

اس قصیدہ کا مطالعہ کرنے سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ کہ مولانا مرحوم کی شاعری کا بنیادی محور قرآن اور اسلامی تعلیمات رہا ہے۔ ان کے فکر و ادب پر قرآن و حدیث کے گہرے اثرات نمایاں ہیں۔ شعر و ادب سے دل چسپی رکھنے کے باوجود انہوں نے قرآن و حدیث کی بنیادی تعلیمات کو شعر و ادب میں ڈھالنے کی پوری کوشش کی۔ اور اس میں ایک ماہر ادیب کی مانند کامیابی بھی حاصل کی۔ فنی ہیئت کے اعتبار سے یہ نعت اگرچہ قصیدہ کی صنف میں آتی ہے، کیوں کہ اس میں تشبیب بھی ہے، گریز بھی، مدح بھی ہے طلب بھی اور خاتمہ بھی۔ لیکن شاعر نے اس فنی ترتیب کا باقاعدہ التزام نہیں کیا، بلکہ وقت اور موقع کی مناسبت سے جہاں جس مضمون کو چاہا قلم بند کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ تشبیب کے بعد گریز اور پھر تشبیب کے اشعار ملتے ہیں۔ البتہ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ پوری نعت کا کوئی بھی شعر بلاوجہ محض لفاظی کے لئے نہیں کہا، بلکہ اس میں خلوص و عقیدت کے ساتھ ساتھ اسلامی آداب اور تعلیمات کا خیال رکھا گیا ہے۔

جاں نثار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر جس شان کیساتھ خوبصورت انداز میں مناسب موقع پر کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مشہور و معروف عرب قبائل اوس و خزرج

کے اسلام کی بدولت خوں ریز لڑائیوں سے اجتناب اور انکے جوانوں کی غزوات میں شرکت اور مجاہدانہ کارناموں کے پیچھے جو شخصیت کارفرما ہی اسکی تعریف وتوصیف کی گئی ہے۔

اس طریقہ پر ہم دیکھتے ہیں کہ اس نعت کا ایک تہائی جزو تشبیب اور گریز کے بعد پھر مدح محمد ﷺ کی طرف رجوع کرتا ہے، اور پھر ان کے اوصاف کے تذکروں میں کوہِ صفا پر آپ کا مکہ کے قبیلوں کو جمع کر کے اپنی صداقت وامانت کی گواہی لینا پھر تکلیف دہ واقعات کے پیش آنے کے ساتھ ساتھ سورۂ لہب کے شانِ نزول کو جتنے جامع انداز میں شعری لباس پہنایا گیا ہے وہ بہت ہی دل کش ہے فرماتے ہیں:

و نادی شقی القوم تبا لمن دعا ☆ فتبت یداہ فی لھیب مسعر

ایسے ہی جب طائف کے سفر میں آپؐ کے ساتھ کچھ بدبختوں نے ناروا اور نازیبا سلوک کئے اور پہاڑوں کے فرشتے نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی ہلاکت کی اجازت چاہی، لیکن آپ ﷺ نے رحمۃ للعالمین ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے ہدایت کی دعا مانگی اسے بھی بہت بلیغ انداز میں نظم کیا ہے:

و لکن دعا رب اھد قومی فانھم ☆ سکاری بجھل فی القلوب محبر

واقعۂ معراج اور ہجرت مدینہ کے تاریخی واقعات کو چند اشعار میں سمو کر ''دریا کو کوزہ میں بند کرنے کا'' محاورہ صادق کر دیا ہے۔ مدینہ کے تذکرہ میں یہ شعر مولانا مرحوم کے شوق، تڑپ اور جذبہ کو نمایاں کرنے کو کافی ہے:

و لو کان یمشی بالعیون محبة ☆ عدوت له بالعین علو المضمر

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر اپنے جذبات پر قابو نہیں پا رہا ہے اور وہ اس جذبۂ صادق میں تمام ناممکنات کو ممکن کر دینا چاہتا ہے اور جب کچھ بس نہیں چلتا تو وہ درود وصلوٰۃ کے ساتھ قصیدے خاتمہ کا اعلان کر دیتا ہے۔

الغرض یہ نعتیہ قصیدہ عشق ومحبت کے اظہار کے علاوہ خلوص وعقیدت کا آئینہ دار بھی ہے، جس میں مستند تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کی تعلیمات بھی نمایاں ہیں، اور سیرت مبارکہ کے اہم واقعات بھی۔

دوسرا قصیدہ قافیہ

یہ قصیدہ تریسٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ حسب روایت اس کی ابتداء ان خوش نما مناظر سے ہوتی ہے کہ جب حضورِ اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وجودِ پاک نے اس دنیا کو زینت ورونق بخشی۔ آپ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے دنیا پر گھٹاٹوپ تاریکی سی چھائی ہوئی تھی، لیکن آپ ﷺ کی آمد نے اسے منور وروشن کر دیا اور وہ روشنی ایسی تھی جیسے گھٹاٹوپ اندھیرے میں بجلی کی چمک۔ یا طور کی بجلی یا مکہ کی پہاڑیوں پر نکلا ہوا چاند:

زال الظلام و لاح النور فی الافق ☆ برق تألق فی داج من الغسق (۱۲)

تاریکی چھٹ گئی اور آفاق میں روشنی چمکنے لگی ☆ گھٹاٹوپ تاریکی میں ایک بجلی سی کوندرہی ہے

برق من الطور؟ أو بدر علی جبل ☆ ببطن مکة منشق علی فلق

یہ برق طور ہے؟ یا مکہ کی بستی کے ایک پہاڑ پر ☆ چاند ہے جو ٹکڑے ہو کر پھٹ گیا ہے

چاند کی مناسبت سے شاعر کا ذہن معجزۂ شق القمر کی طرف چلا جاتا ہے اس واقعہ کو بہت ہی خوبصورت انداز میں ایسی نادر تشبیہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جو نا قابلِ مثال ہے، فرماتے ہیں:

باصبع من ید کانت اشارتها ☆ فی البدر انکی من الصمصام فی العنق

ایک مبارک ہاتھ کی انگلی کے اشارہ سے جس نے ☆ چاند میں وہ کام کیا جو گردن میں تلوار بھی نہیں کر سکتی

اسکے بعد مولانا نے اپنے تجاہلِ عارفانہ کو دور کرتے ہوئے اس روشنی اور نور کی موجودگی کو حضور اکرم ﷺ کی آمد پر خوشی کے اظہار سے تعبیر کیا ہے:

و اها له من نبی لا مثال له ☆ فاق الخلائق فی خلق و فی خلق

سبحان اللہ یہ تو بے مثال نبی ہیں جو صورت ☆ اور سیرت میں ہر طرح تمام مخلوق سے بڑھ گئے

محمد خاتم الانبیاء سیدهم ☆ حامی الحقیقة مفتاح لمنغلق

محمد (ﷺ) خاتم الانبیاء سردار انبیاء ☆ حق کے حامی اور ہر بند دروازہ کو کھولنے والے ہیں

شاعر یہیں سے اپنا رخ مدحِ نبی ﷺ کیطرف موڑ دیتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ

کے اوصاف عظمیٰ اور اخلاق عالیہ کو نظم کرتا چلا جاتا ہے۔

درمیان میں مولانا اس وقت کے ماحول اور حضور اکرم ﷺ کی آمد سے اس ماحول کے بدلے ہوئے اثرات کو بہت دل چسپ انداز میں اس طرح نظم کرتے ہیں:

اتقی الانام و ازکاهم و اعلمهم ☆ بالله احلمهم فی الرتق و الفتق

تمام مخلوق سے زیادہ متقی سب سے زیادہ پاکیزہ اور سب سے زیادہ خدا کو پہچاننے والے صلح اور جنگ میں سب سے بڑھکر حلیم

زاکی النجار جمیل الوجه انوره ☆ یمحو الظلام کبدر التم فی الافق

پاکیزہ سرشت خوبصورت منور چہرہ، تاریکی کو اس طرح مٹاتے ہیں جیسے آفاق میں ماہ کامل

قد جاء و الناس فی هرج و فی مرج ☆ و الظلم عم بسیط الارض بالقلق

آپ ایسے وقت تشریف لائے کہ لوگوں میں فساد مچا ہوا تھا اور ظلم نے تمام زمین کو ہلا ڈالا تھا

و الجهل کاللیل قد أرخی ذوائبه ☆ فی غیم کفر علی الآفاق منطبق

جہالت نے رات کی طرح اپنی زلفیں بکھیر رکھی تھیں اور کفر کا بادل تمام آفاق پر چھایا ہوا تھا

فانشق صبح الهدی من نور طلعته ☆ یجلو غیاهب لیل الجهل و الحمق

پس آپ کے مبارک چہرہ کے نور سے ہدایت کی صبح نمودار ہوئی جہالت اور حماقت کی رات کا اندھیارا مٹاتی ہوئی

فاصبح الناس فی علم و فی حکم ☆ بنعمة الله بعد الضل و الخرق

اب اللہ کے فضل سے لوگوں نے گمراہی اور حماقت کی بجائے علم اور حکمت کی روشنی میں صبح کی

و اصبحت امة امية عرفت ☆ بالجهل سابقة الاقوام و الفرق

اور وہ جاہل قوم جو جہالت میں مشہور عالم تھی اب تمام قوموں اور تمام فرقوں سے (علم میں) سبقت لے گئی

فالعلم و العدل سارا تحت رأیتها ☆ و الفتح و النصر و الاقبال فی الطرق

علم اور عدل اس کے جھنڈے کے نیچے چلنے لگے اور فتح و نصرت اور اقبال اس کے راستہ میں تھے

و الصبر و الصدق و الاخلاص حلتها ☆ و رأية العز فی الآفاق بالخفق

صبر و صدق اور اخلاص اسکا لباس تھا اور اسکی عزت کا پرچم چار دانگ عالم میں لہرا رہا تھا

حب النبی و تقوی الله شیمتها ☆ و الیمن و السعد مثل العقد فی العنق

حب رسول اور خوف خدا اس کا شیوہ تھا اور برکت و سعادت اور کامیابی گلے کا ہار

یا اکرم الناس عند الله منزلة ☆ و افضل الخلق من جمع و مفترق

اے وہ جو خدا کے نزدیک مرتبہ میں سب سے زیادہ معزز اور افضل ترین مخلوق ہے خواہ اجتماعی صورت میں ہو یا انفرادی حالت میں

پھر شاعر کا ذہن واقعۂ معراج کیطرف منتقل ہو جاتا ہے، اور وہاں آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے جن خصوصی انعامات سے نوازا ان کا تذکرہ چند اشعار میں اسطرح کیا گیا ہے:

قد خصك الله بالاسراء ليلة اذ ☆ ترقى السموات من طبق الى طبق

آپ کو اللہ تعالیٰ نے معراج سے مخصوص و ممتاز فرمایا ہے جس رات کہ آپ تمام آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے فرما رہے تھے

حتى بلغت من العلياء ذروتها ☆ و غاية لم تدع شأوا لمستبق

یہانتک کہ بلندی کی چوٹی پر اور ایسا انتہائی مقام پر پہنچ گئے جسنے کسی آگے بڑھنے والے کیلئے ایک قدم کی بھی گنجائش نہ چھوڑی

آتاك ربك ما لم يؤته احدا ☆ من الجمال كمثل اللؤلؤ الفلق

آپکو پروردگار عالم نے موتی کیطرح چمکنے والا ایسا جمال عطا فرمایا ہے جو کسی کو نصیب نہیں ہوا

اوتيت علما و حلما زانه خلق ☆ و حكمة انت فيها حائز السبق

آپکو وہ علم و حلم دیا گیا جسکو خلق عظیم نے زینت بخشی اور ایسی حکمت دی گئی جسمیں آپ ہی سب سے آگے ہیں

جودا يعم الورى نيلاو مرحمة ☆ على الاعادى و عدلا غير ذى رنق

ایسی سخاوت دی گئی جسکی عطا تمام مخلوق کو عام ہے اور دشمنوں پر رحم اور ایسا انصاف دیا گیا جس میں ذرا میل نہیں

امانة صلة للرحم مكرمة ☆ فصل الخطاب و وحيا غير مختلق

امانت، صلہ رحمی، کرم فرمائی، اور فیصلہ کن گفتگو اور ایسی وحی دی گئی جو مبالغہ سے بالکل پاک ہے

بلاغة اخجلت من رامها و رمت ☆ مبارزيها بذل الابكم الخرق

بلاغت ایسی کہ جسنے اسکے مقابلہ کا ارادہ کیا شرمندہ ہوکر رہ گیا اور جسنے مقابلہ کیا وہ گونگے بیوقوف کیطرح ذلیل ورسوا ہوگیا

و باهرات من الآيات معجزة ☆ تبدو لناظرها بالليل كالشفق

اور کھلی کھلی نشانیاں بطور اعجاز کے دی گئیں جو رات کو بھی دیکھنے والوں کے سامنے شفق کی طرح چمکتی ہیں

شجاعة و اصطبارا يوم ملحمة ☆ اذا تطيش يد الرعديدة الفرق

میدان جنگ میں شجاعت و استقلال آپ ہی کا حصہ ہے جبکہ بزدل ڈرپوکوں کے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں

ان انعامات کے تذکرے کے بعد شاعر پھر اوصافِ نبی ﷺ کا ذکر فرماتے ہیں:

کنت الغیاث لایتام و ارملة ☆ امست من الجوع کالبالی من الورق
آپ یتیموں بیواؤں کیلئے فریادرس تھے جو فاقہ کیوجہ سے پرانے پتے کی طرح سکڑ کررہ گئے تھے

کنت الملاذ لمضطر و مضطرب ☆ من المساکین للآفات معتنق
آپ ہر مسکین مضطر و پریشان کیلئے جائے پناہ تھے جو آفات سے گلوگیر ہو چکا تھا

حصنا حصینا و مأوی کل ذی شرف ☆ عزیز قوم رماہ الدھر من حلق
ہر شریف اور معزز کیلئے جسکو زمانہ نے اوپر سے پھینک مارا تھا۔ مضبوط قلعہ اور پناہ تھے

کنت المجیر لمظلوم تقلبه ☆ ایدی الزمان کریش فی الھوا قلق
آپ ہی ایسے مظلوموں کو (ظلم سے) بچانیوالے تھے جنکو زمانہ نے ایسا چکر دے رکھا تھا جیسے ہوا میں پر اڑتا ہے

پھر ہجرت نبوی ﷺ کا تذکرہ ہے جس کے اثرات یہ مرتب ہوئے کہ مدینہ منورہ بارونق ہو گیا اور پھر جہاد و غزوات کا سلسلہ شروع ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینِ حق کا بول بالا ہوا اور ان غزوات میں بھی آپؐ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ بدسلوکی گوارا نہیں کی بلکہ انتہائی حلم و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی ہدایت کی دعائیں کیں:

ھاجرت من وطن قد کنت تألفه ☆ لظلم قوم بشر الکفر ملتزق
آپ نے اپنے وطن مالوف سے ہجرت کی اس قوم کے ظلم کی وجہ سے جو کفر پر جمی ہوئی تھی

طابت بغرتك المیمون طلعتھا ☆ مدینة احدقت بالبیض و الدرق
آپکے مبارک چہرہ کی روشنی سے وہ مدینہ بارونق ہو گیا جس کو (دشمنوں کی) تلواروں اور ڈھالوں نے گھیر لیا تھا

جاھدت کل کفور قد عصی و طغی ☆ و زادہ غیه رھقا علی رھق
تو آپنے ہر اس کافر سے جہاد کیا جو نافرمانی میں حد سے گزر گیا اور گمراہی نے اس کو ظلم پر کمربستہ کر دیا تھا

فاصبحوا لایری الا مساکنھم ☆ و ادخلوا فی سعیر دائم الحرق
پس صبح تک انکی یہ حالت ہوگئی کہ مکانات کے سوا انکا کچھ نشان باقی نہ رہا اور جہنم میں جھونک دیئے گئے جو ہمیشہ جلتی رہیگی

و اظھر الله دینا قد اتیت به ☆ و تم نورك رغم الحاسد الحنق
اور اللہ نے اس دین کا بول بالا کر دیا جو آپ ساتھ لیکر تشریف لائے تھے اور حاسدوں ہٹ دھرموں کی ناک رگڑ کر آپکا نور کامل ہو گیا

و ما دعوت علی الاعداء اذظلموا ☆ بشدۃ البأس من خسف و من غرق

مگر دشمنوں کے حق میں باوجود انکے ظلم کے بھی آپ نے سخت عذاب کی بددعا نہیں کی کہ زمین میں دھنس جائیں یا پانی میں ڈوب جائیں

بل قد دعوت لھم بالرشد اذ جھلوا ☆ ما قد تبین عند الراشد الحذق

بلکہ آپ نے ان کیلئے ہدایت ہی کی دعا کی۔ کیونکہ وہ اس چیز سے ناواقف تھے جو ہوشیار سمجھدار کیلئے بالکل واضح تھی

مولانا اس تذکرہ کے ضمن میں پھر محبت وعقیدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتے اور رسول اکرم ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے اپنی عقیدت کا اظہار اس انداز میں کرتے ہیں گویا کہ آپ، رسول اکرم ﷺ کے سامنے دوزانو ہو کر گفتگو کر رہے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ ان اشعار کو بہ نفسِ نفیس سماعت فرما رہے ہیں:

یا خیر مقتتل یا خیر مصطلح ☆ باللہ مفترق ، للہ متفق

اے سب مجاہدوں سے بہتر مجاہد اور سب صلح پسندوں سے بہتر صلح پسند اللہ کی وجہ سے جدا ہونے والے اللہ کیواسطے ملنے والے

احییت جامدۃ ، اشعلت خامدۃ ☆ بمنطق کنظام الدر متسق

آپ نے بے حس قوم کو زندہ اور بجھی ہوئی طبیعتوں کو مشتعل کر دیا ایسی گفتگو سے جو موتی کی لڑی کی طرح منظم تھی

انت النذیر لخلق اللہ قاطبۃ ☆ و انت ایاہ من حر الجحیم تقی

آپ ہی تمام خلق اللہ کو ڈرانیوالے ہیں اور آپ ہی انکو جہنم کی آگ سے بچانیوالے ہیں

انت البشیر من طابت سریرتہ ☆ بجنۃ یالھامن خیر مرتفق

جسکا دل (کفر کی ناپاکی) سے پاک ہو چکا ہو آپ اسکو ایسی جنت کی بشارت دینیوالے ہیں جو بہترین آرامگاہ ہے

انت الحبیب لمن حلّت سعادتہ ☆ و لیس یرغب عنھا غیر کل شقی

جس شخص کی سعادت کا وقت آ گیا آپ اسکے محبوب ہیں اور اس سعادت سے بجز بدبخت کے کوئی بھی منہ نہیں موڑ سکتا

انت العماد لقوم لا عماد لہ ☆ انت الرشاد لمن قد ضل فی طرق

جس قوم کا کوئی سہارا نہ ہو آپ ہی اس کیلئے سہارا ہیں جو ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہو آپ ہی اس کیلئے رہنما ہیں

انت الحیاۃ لمن ماتت عزیمتہ ☆ انت الربیع لاھل الحدب و الرمق

جنکی ہمتیں مر چکیں ان کیلئے آپ ہی حیات ہیں قحط زدہ اور نیم جانوں کیلئے آپ ہی موسم بہار ہیں

انت النجاة لمن امسی بمرتکم ☆ من الظلام ببحر زاخر عمق

جو شخص (گمراہی کے) سخت تاریکی کے اندر پھنسا ہوا اس کیلئے آپ ہی نجات ہیں بحر زخار بے پایاں میں

یا خاتم الرسل حب الله صفوته ☆ یا بکر آمنة الزهراء کالفلق

اے خاتم رسل اللہ کے محبوب اللہ کے پسندیدہ اے آمنہ کے لال! جو کہ صبح کیطرح روشن تھیں

ارجو رضاك فلا تحرم نوالك من ☆ یدعی باسمك فی البلدان و الرفق

یہ ناچیز آپکی رضا کا امیدوار ہے اپنی بخشش سے اس غلام کو محروم نہ فرمایئے جو تمام بلاد اور احباب میں آپکے نام کیساتھ ہی پکارا جاتا ہے

فانت اکرم من اوفی بذمته ☆ و انت ارحم من یرثی لمرتبق

جو لوگ اپنی ذمہ داری کو پورا کرنیوالے ہیں آپ ان میں سب سے زیادہ کریم اور مبتلائے مصیبت پر ترس کھانیوالوں میں سب سے زیادہ رحیم ہیں

و انت اشرفهم بیتا و منزلة ☆ و انت ذو نسب کالشمس مؤتلق

گھرانے اور خاندان میں آپ سب سے زیادہ شریف ہیں آپکا نسب آفتاب کیطرح چمکنے والا ہے

و انت اجمل من یرنو بمقلته ☆ و خیر لاق بوجه مشرق طلق

آنکھوں سے دیکھنے والوں میں آپ سب سے بڑھکر خوبصورت ہیں اور سب سے زیادہ کشادہ اور سب سے اچھے روشن چہرہ کیساتھ ملنے والے ہیں

و انت افضل خلق الله قد علموا ☆ و انت اکملهم فیما مضیٰ و بقی

سبکو معلوم ہے کہ آپ مخلوق خدا میں سب سے افضل اور زمانہ گزشتہ و آئندہ میں سب سے زیادہ کامل ہیں

فانت فی الناس کالیاقوت فی حجر ☆ و انت فی الخلق مثل النور فی الحدق

آپ آدمیوں میں ایسے ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت آپ مخلوق میں ایسے ہیں جیسے پتلیوں میں نور

اس کے بعد مولانا نے دعا یا طلب کے انداز پر شعر کے خوبصورت قالب میں آپؐ پر اپنی جان فدا کرنے کی تمنا کا اظہار کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے اپنی طرف نظر کرنے، اپنی مغفرت طلب کرنے، اور آپکے ذریعہ اپنی شفاعت کی درخواست کی ہے۔ ایسے وقت جب کہ آپ ﷺ کے سوا کوئی کسی پیاسے کو پانی دینے والا نہیں ہوگا، اور آپ ﷺ کا دیا ہوا پانی کا لبریز جام تمام غموں کو کافور کر دے گا، ملاحظہ فرمایئے:

یا خیر من عاش فی الدنیا و مات بها ☆ نفسی الفداء لقبر منك ملتصق

اے وہ جو دنیا میں جینے والوں اور وفات پانیوالوں میں سب سے بہتر ہیں میری جان اس قبر پر قربان جو آپ سے ملی ہوئی ہے

و انظر الی ظفر قدجاء معتذرا ☆ و الطف بصب کئیب ھائم شقق

اس گنہگار ظفر پر نظر لطف فرمایئے جو تائب ہو کر حاضر ہوا ہے اور پریشان، حیران، لرزاں، ترساں، جاں نثار پر مہربانی فرمایئے

و استغفر الله لی حتی یحاوز عن ☆ زلات نفس ھوت بالجھل فی الزلق

اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعائے مغفرت فرمایئے تاکہ اس نفس کی لغزشوں سے درگزر فرمائیں جسنے بعض خفت اولی سے پھسلنے کی جگہ میں ڈالا ہے

عسی انال غدا منك الشفاعة اذ ☆ قد الجم الناس للآثام بالعرق

میں فردائے قیامت میں حضور کی شفاعت کا امیدوار ہوں جبکہ گناہوں کیوجہ سے لوگوں کا پسینہ منہ تک آ جائیگا

فامنن علینا رسول الله لیس لنا ☆ الا الیك النحا فی الحادث الازق

یارسول اللہ ہمارے حال پر کرم فرمایئے کیونکہ سخت حادثہ کے وقت آپکے سوا کسی کی طرف ہم دوڑ کر نہیں جاسکتے

انت الشفیع لنا اذ لا یقوم لھا ☆ سواك فی الناس یوم الحشر و الصعق

آپ ہی ہمارے شفیع ہیں ایسے وقت جبکہ شفاعت کیلئے آپکے سوا قیامت اور مدہوشی کے دن کوئی کھڑا نہ ہوگا

و انت تسقی و لا ساق سواك لنا ☆ کأسا یطاف بماء بارد غدق

اور آپ ہی ہمکو ٹھنڈے پانی کا لبریز جام پلائینگے جبکہ آپ کے سوا کوئی ساقی نہ ہوگا

اس کے بعد کے اشعار میں جنہیں حاصل قصیدہ کہا جاسکتا ہے مولانا مرحوم نے اپنی ایک خاص حالت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انہیں تلمیحی اشعار بھی کہہ سکتے ہیں، (حضرت یوسفؑ نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ کے لئے جو قمیص ارسال فرمائی تھی اس کو چہرہ پر ملنے سے ان کی بینائی واپس آگئی تھی) شاعر نے اپنی حالت کو اسی سے مشابہت دے کر اس حالت پر خدا کا شکر ادا کیا ہے کہ جس نے اسے تقویٰ کا لباس عطا فرمایا، اور اس قادر مطلق کی ذات ایسی ہے جو جمع ہوئے خون سے انسان پیدا کرنے پر قادر ہے:

جاء البشیر فرد الله لی بصری ☆ لما اتی بقیمص فائح عبق

بشارت دینے والا آیا تو اللہ نے میری بینائی واپس کردی کیونکہ وہ ایسا پیراہن لایا ہے جسکی خوشبو نے مشام جہان کو معطر کردیا

فالحمد لله ان لم یأتنی اجلی ☆ حتی لبست لباسا زاد کل تقی

پس اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس وقت تک موت نہ آئی جبتک میں نے وہ لباس نہ پہن لیا جو ہر متقی کا سرمایہ ہے

سبحان من بدء الاکوان من کلم ☆ سبحان من خلق الانسان من علق

پاک ہے وہ ذات جس نے ایک کلمہ (کن) سے تمام عالم کو پیدا کیا — پاک ہے وہ ذات جس نے خون بستہ سے (جیتا جاگتا) انسان بنادیا

اخیر میں مولانا نے رسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ کے اصحابِ کرام، اہل بیت اور تمام رفقاء پر درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا ہے، اور اس طریقہ پر اس نعتیہ قصیدہ کا اختتام کیا ہے:

ثم الصلاۃ صلاۃ لاانقضاء لها ☆ علی النبی مع الاصحاب و الرفق

بس اب درود نازل ہو ایسا درود جو کبھی ختم نہ ہو — رسول اللہ ﷺ اور آپکے اصحاب پر اور رفقا پر

و اهل بیت رسول الله کلهم ☆ مالاح بدر الدجی و الشمس فی الافق (۱۳)

اور رسول اللہ ﷺ کے تمام اہل بیت پر بھی — جبتک چاند اور سورج آفاق میں چمکتے رہیں

مجموعی اعتبار سے یہ نعت بھی اپنی ہیئت کے اعتبار سے قصیدہ کی صنف میں ہی آتی ہے۔ شروع سے آخر تک تمام اشعار گویا کہ ایک لڑی میں پرودیئے گئے ہیں، جن کا تسلسل برقرار ہے۔ اس قصیدے میں جن مضامین کو خاص طور پر نظم بند کیا گیا ہے، ان میں آپ ﷺ کی افضلیت، محبت، اللہ تعالی کے آپؐ کے ساتھ خصوصی انعامات، معراج کا واقعہ، معجزۂ شق القمر، غزوات اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آپ ﷺ کے تئیں محبت، نیز آپؐ کے اخلاق عالیہ کو نظم کیا گیا ہے۔ اس قصیدہ میں بھی قرآنی آیات کو بہت ہی برمحل، برجستہ اور مناسب انداز میں نظم کیا گیا ہے۔ خصوصی طور پر معجزۂ شق القمر کو جس خوبصورت تشبیہ کے ساتھ شعر میں پرویا ہے اس کی مثال شاذ و نادر ہی مل پائے گی۔ فرماتے ہیں:

بأصبع من ید کانت اشارتها ☆ فی البدر انکی من الصمصام فی العنق

حقیقت یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلی کے اشارہ کی معجزانہ طاقت کو بیان کرنے کے لئے اس سے زیادہ مناسب الفاظ مشکل سے ہی مل پائیں گے۔

اسی طریقہ پر معراج کے موقع پر اللہ تعالی نے اپنے محبوب، آقائے نامدار ﷺ کو جن انعامات و اکرامات سے نوازا ان کو بہت ہی جامع انداز میں چند مصرعوں میں سمو کر

مولانا مرحوم نے اپنی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرالیا ہے۔

مولانا کے شاعرانہ کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو قرآنی آیات میں ملکہ حاصل تھا، اسی لئے وہ جس طرح چاہتے قرآنی آیات کا برمحل استعمال کر لیتے اور وہ وہاں پر اس انداز سے چسپاں ہو جاتیں گویا کہ وہ داخلِ شعر ہیں۔ اس نعت میں بھی آپ نے قرآنی آیات کو اشارات و کنایات کے علاوہ جہاں مناسب سمجھا وضاحت سے بھی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ احقاف کی آیت کے مندرجہ ذیل ٹکڑے کو جس خوبصورتی سے نظم کیا ہے وہ داد کے قابل ہے:

فاصبحوا لا یری الا مساکنهم ☆ و أدخلوا فی سعیر دائم الحرق [۱۴]

قرآنِ پاک نے حضورِ اقدس ﷺ کو "بشیر و نذیر" کے اوصاف کے ساتھ متصف کیا ہے۔[۱۵] مولانا نے ان اوصاف کو بہت مہارت کے ساتھ یوں نظم کیا ہے:

انت النذیر لخلق الله قاطبة ☆ و انت ایاه من حر الجحیم تقی

انت البشیر لمن طابت سریرته ☆ بجنة یا لها من خیر مرتفق

اپنی مخصوص حالت کو بیان کرتے ہوئے مولانا مرحوم نے جو شعر کہا ہے اس کے پسِ منظر میں بھی قرآن کریم کی سورۂ یوسف کی اس آیت کا اگرچہ صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا ہے، لیکن شعر کو دیکھ کر خود بخود قرآن کریم کی آیت ﴿ فلما ان جاء البشیر القاه علی وجهه فارتد بصیرا ﴾[۱۶] ذہن میں تازہ ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے مولانا کا مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ ہو:

جاء البشیر فرد الله لی بصری ☆ لما اتی بقمیص فائح عبق

الختصر مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیش کردہ دونوں نعتیہ قصائد کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مولانا اسلامی تعلیمات اور قرآنیات و احادیث مبارکہ کو اشعار کے سانچے میں ڈھالنے کے فن میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

نعتیہ قصیدہ: وسیلۃ الظفر

مولانا ظفر احمد عثمانی کا یہ نعتیہ قصیدہ ۱۹۳/اشعار پر مشتمل ہے، اس قصیدہ میں بھی مولانا کے زیادہ تر وہی مضامین ہیں، جو پہلے قصائد میں آچکے ہیں، لیکن تبدیلی اسلوب کی وجہ سے اس میں جدت، ندرت اور حسن آگیا ہے، حسبِ معمول اس قصیدہ کی ابتداء بھی تشبیب سے ہوئی ہے، لیکن عام طور پر تشبیب میں سلمیٰ، لیلیٰ یا سعاد وغیرہ کے ذکر سے قطع نظر اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

ما للظلام تبدلت بالنور ☆ ما للزمان أتى بكل حبور
کتنی عجیب ہے وہ تاریکی جو روشنی میں بدل گئی — اور کتنی خوش نصیب ہے وہ دنیا جو ہر طرح سے مزین و آراستہ ہوگئی

هل لاح نجم في مطالع صور ☆ أم اونست نار بجانب طور
کیا دنیا کے منظر نامے پر کوئی ستارہ طلوع ہوا؟ — یا طور کے کنارے پر کوئی روشنی نمودار ہوئی؟

او او مض البرق العقيق بحاجر ☆ فتلألأت منها جبال حضير
یا صحرائے عرب کے اندر وہ سرخ بجلی چمکی جس — سے کھجوروں کے درمیان موجود پہاڑیاں اور وادیاں روشن ہوگئیں؟

او اسفرت عن وجهها بدرية ☆ أمطرت فؤادی ليلة بضفير
یا چودھویں کے چاند نے اپنے رخ روشن کو اس انداز سے واضح کیا — کہ اس نے ایک رات رجیلی پہاڑیوں کے درمیان میرے دل کو شرابور کردیا

دع عنك ذكر سعاد و الزمن الذی ☆ منی مضٰی فی حب ذات خدور
سعاد کی یادوں اور اس زمانے کے تذکرہ کو ترک کردو، — جو اصحابِ رخسار کی یادوں میں گذر گیا

فمتاعه وسروره و حبوره ☆ يفنی ولوفی مدة و شهور
اسلئے کہ اسکا لطف و سرور، خوشی و مسرت اور چمک دمک — چند مہینوں یا کچھ مدت کے بعد فناء و ضائع ہوجائیگا

لاتأمنن الی و داد احبة ☆ يمضی النهار عليه وا بن جمير
دوستوں کی محبت پر بھروسہ مت کرو، اسلئے کہ انکی محبت — اس گذرے ہوئے دن کی مانند ہے جسکے بعد اندھیری رات ہے

ما بين رقدة ليلة فی يقظة ☆ تتغير الاحوال يا ابن سميری
اے اندھیری رات کے مالک! حقیقت تو یہ ہے کہ صرف ایک رات — کی خواب اور بیداری کے درمیان ہی حالات بالکل بدل جاتے ہیں

لو ساوت الدنیا جناح بعوضة ☆ عند الاله لمات کل کفور

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر اس دنیا (کی حقیقت) کسی ایک مکھی — کے پنکھ کے برابر بھی ہوتی تو تمام کفار ہلاک اور مردہ ہو چکے ہوتے

تبا للدنیا لا یدوم نعیمها ☆ شیبت حلاوتها بمر کدور

برا ہو اس دنیا کا کہ جس کی نعمتیں ہمیشہ باقی نہیں رہیں گی — اور اس کی مٹھاس و چاشنی تلخی و کدورت میں بدل جاتی ہے

لا تجز عن اذا بتلیت بفادح ☆ فالسهل یأتی بعد کل عویر

اگر تم کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ تو گھبراؤ نہیں اسلئے کہ — ہر مصیبت اور پریشانی کے بعد راحت و آسانی حاصل ہوتی ہے

واعلم بان الیسر توأم عسرة ☆ وردیفها کالجود بعد حرور

یہ جان لو کہ راحت و آسانی، مصیبت و پریشانی کی — جڑواں بہن ہے اور اسکی سہیلی — اس بارش کی طرح جو شدید گرمی کے بعد نازل ہوتی اور برستی ہے۔

فوض امورك للاله ولا تكن ☆ کالفلسفی مکذب التقدیر

اپنے تمام امور و مسائل کو بارگاہ ایزدی کے سپرد کر دو — اور اس فلسفی کی طرح مت ہو جو تقدیر الٰہی کو جھٹلاتا ہے

واطلب نعیما لایزال ولم یزل ☆ فی بهجة و غضارة ونضور

اور اللہ تعالیٰ سے اس نعمت و خوش حالی کو طلب کرو جسکی — چمک دمک اور تازگی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی

اشعار بالا میں مولانا نے رسول اللہ ﷺ کی شان مبارک میں جس انداز سے خراجِ عقیدت پیش کیا وہ جہاں نعت کا رنگ لئے ہوئے ہے وہیں دوسری طرف وعظ و نصیحت کا خزینہ بھی ہے خصوصاً دنیا کی بے ثباتی اور غم و پریشانی میں گریہ و زاری نہ کرنے کا ذکر جس ناصحانہ انداز میں کیا گیا ہے اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

اس کے بعد درجِ ذیل اشعار میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری اور مدینہ منورہ کے حسین وجمیل مناظر کی بہت ہی خوب پیکر تراشی کی گئی ہے، ان اشعار میں مدینہ منورہ کے تقدس و پاکیزگی کو قرآنی تلمیح میں جدید انداز میں پیش کیا گیا ہے:

بجوار احمد خیر من وطی الثری ☆ و اجل من فی الارض من مقبور

احمد مصطفیٰ (ﷺ) کے پہلو میں، جو کہ روئے زمین پر قدم رکھنے والوں میں سب سے زیادہ بہتر اور زیر زمین مدفون لوگوں میں سب سے بزرگ تر ہیں

انی اطلعت علی معالم طیبة ☆ و شممت ریح جنابها المعطیر

ارض طیبہ کی نشانیاں مجھ پر آشکارا ہوئیں اور میں اس کی معطر و مشک آگئیں حاضری سے بہرہ ور ہوا

بلد یحل به المطیب طیب ☆ و به تزول هموم کل ضجور

ایک ایسا شہر ہے جس کے اندر پاک صاف اشیاء اور روح میں نازل ہوتی ہیں اور جہاں پر ہر ایک رنجیدہ خاطر کی مشکلات دور ہو جاتی ہیں

وبه وجدت النور بعد تحیر ☆ و به عرفت الحق عند خبیر

اس شہر کے اندر حیرانی و پریشانی کے بعد مجھے روشنی نصیب ہوئی اور اسی شہر کے اندر اللہ علام الغیوب کے پاس میں نے حق کو دریافت کیا

و به استرحت من الزمان وریبه ☆ و علمت ان محمد المجیری

اور وہیں پر مجھے زمانہ اور اس کی مشکلات و آزمائشوں سے سکون میسر ہوا، اور وہیں پر میں نے یہ جانا کہ حضور اکرمؐ میرے پڑوسی اور مددگار ہیں

محبوب رب العالمین خلیله ☆ و صفیه حقا و خیر سفیر

محمد مصطفیٰ جو کہ خدائے دو جہاں کے محبوب مخلص، حقیقی دوست اور بہترین سفیر ہیں

منه الحیاۃ لکل حق میت ☆ منه الممات لکل قول زور

آپؐ ہی کی ذات بابرکات کے طفیل ہر ایک مردہ حقیقت کو زندگی نصیب ہوتی ہے اور آپ کی ہی ذات مبارک کی بناء پر قول زور (جھوٹی بات) کو موت میسر ہوتی ہے

منه البیاض لکل قلب اسود ☆ منه السواد لکل عین ضریر

آپؐ ہی کی ذات بابرکات سے ہر سیاہ دل کو سفیدی میسر ہوتی اور آپ کی ذات مبارکہ کی وجہ سے ہی ہر بے نور آنکھ کو روشنی ملتی ہے

منه البهاء لکل وجه عابس ☆ منه الضیاء لکل ذات فتور

آپؐ ہی کی ذات بابرکات کی وجہ سے ہر ایک ترشرو اور بدشکل کے چہرے پر روشنی و چمک پیدا ہو جاتی ہے اور آپؐ ہی کی ذات والاصفات کی بناء پر ہر ایک تنگ دل اور کنجوس انسان کے اندر وسعت و فراخدلی پیدا ہو جاتی ہے

اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر یوں روشنی ڈالتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فاضلانہ وکریمانہ اخلاق پر مولانا نے خصوصی توجہ مبذول کرائی ہے:

نفسی و ما بیدی فداہ فانہ ☆ اصل الخلائق مرکز التدویر

میری جان اور ہر وہ چیز جو میرے پاس ہے سبکے سب آپؐ پر قربان ہوں اسلئے کہ آپؐ ہی اصل خلائق اور مرکز کائنات ہیں

لولاہ لم تکن السماء و ارضھا ☆ کلا و لاروح بتلك الصور

اگر آپ کی ذات مبارکہ نہ ہوتی تو نہ تو یہ زمین ہوتی اور نہ ہی یہ آسمان ہوتا اور نہ ہی اس تصویر کائنات کے اندر کوئی جان ہوتی

ھو سید رسل الکرام امامھم ☆ ولہ لواء الحمد یوم نشور

آپؐ تمام انبیاء ورسل کے سردار اور امام ہیں اور آپؐ کے ہی ہاتھوں میں قیامت کے دن لواءِ حمد (پرچم حمد وثناء) ہوگا

قد کان آیۃ ربہ فی الخَلق ☆ والخُلق العظیم ملاك کل امور

آپؐ اپنے اخلاق وعادات کے اندر اپنے رب کی ایک نشانی تھے کیوں کہ خلق عظیم ہی تمام امور ومعاملات کا سردار وشہنشاہ ہوتا ہے۔

یہیں سے مولانا کا ذہن ان حالات کی طرف منتقل ہوا، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ وہ دور جہالتوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا، اچھائیوں اور نیکیوں کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا، ان تمام حالات کو بڑے فنکارانہ انداز سے پیش کیا گیا ہے، علاوہ ازیں عربوں کے اس عہد کے معاشرتی عیوب مثلاً: عہد شکنی، امانت میں خیانت، لڑکیوں کا زندہ درگور کرنا، بت پرستی وغیرہ ایسے عیوب تھے جو ناقابل معافی اور انسانیت کے ماتھے پر کلنک تھے، اس لئے مولانا نے خاص طور پر ان کو ذکر کیا ہے:

قد جائنا والناس فی ظلماتھم ☆ والجھل قائدھم لکل فجور

آپؐ ایسے وقت میں ہمارے درمیان تشریف لائے جب کہ لوگ ظلمت وگمراہی کے اندر حیران وسرگرداں تھے اور تمام برے کاموں کے اندر جہالت ان کی قیادت کر رہی تھی

مرجت عهودهم وضاع امانهم ☆ والظلم شيمة تابع و خفير

وہ (لوگ) عہد و پیمان کو توڑنے والے اور حفظ و امان کو ضائع کرنے والے تھے، ظلم و زیادتی ہر ایک تابع اور محافظ کا شیوہ بن چکا تھا

وأدو البنات فيالها من قسوة ☆ كادت تخرلها جبال ثبير

وہ لوگ اپنی شقاوت قلبی کے سبب اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، جسکی وجہ سے لعنت وملامت کا پہاڑ بھی بجھ ریزہ ہو جاتا تھا

عبدو الحجارة من سفاهة رأيهم ☆ و صبوا الى حب النساء الخور

وہ لوگ اپنی حماقت و کج فہمی کی بنا پر پتھروں کی پوجا کرتے تھے اور گھٹیا و بدخوار عورتوں کی عشق ومحبت میں فریفتہ تھے

كانت صلوتهم المكاء برقصة ☆ فيها الصياح بشهقة و زفير

ان کی عبادت ایک رقص آمیز چیخ و پکار ہوتی تھی جس کے اندر وہ لوگ (گدھوں کی طرح) چیختے تھے

و طوافهم بالبيت كان معرة ☆ عريا اناثهم وكل ذكور

خانہ کعبہ کے گرد ان لوگوں کا طواف عریاں ہوتا تھا، یعنی مرد وعورت سبکے سب ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے

واليوم يبدو بعضه او كله ☆ تسبيحة للعاريات البور

آج وہ سبکے سب یا ان میں سے کچھ لوگ ان ننگی وعریاں اور قاتل حسیناؤں کی مالا جپتے نظر آتے ہیں

سحقا لذالك من اشد وقاحة ☆ بعداً لذالك من خفاوعهور

اس شدید بے حیائی اور بدبختی کی وجہ سے ان پر ہلاکت و بربادی نازل ہوئی اس طرح کی زناکاری اور فحاشی سے دور رہنا ضروری ہے

كانوا كذلك اذا اتاهم ربهم ☆ بهداية من عنده و بنور

یہ لوگ اسی طرح فسق وفجور میں مبتلا تھے کہ ان کے رب نے اپنی جانب سے انکی طرف ہدایت و روشنی ارسال فرمائی

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد حالات میں جو تبدیلی رونما ہوئی اسے تفصیل کے ساتھ مولانا نے مندرجۂ ذیل اشعار میں اس طرح پیش کیا ہے:

بمحمد انسان عين محامد ☆ و اجل من قد جاء نابزبور

حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ جو کہ ایک انسان اور قابلِ تعریف صفات کا سرچشمہ ہیں اور ان تمام انبیاء کرام میں جنکے اوپر اللہ نے کتابیں نازل فرمائیں برگزیدہ و بزرگ ہیں

أحيابه الأرض الموات فأصبحت ☆ مخضرة الاكناف ذات عطور

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؐ کے ذریعہ مردہ اور بنجر زمینوں کو وہ زندگی عطا کی کہ آپ کی تشریف آوری کے بعد وہ زمینیں ہری بھری اور مشک زار ہو گئیں

قد سمعت كلماته صم الهوى ☆ و بوجهه انفتحت عيون العور

خواہشات نفسانی میں بہرے ہو چکے لوگوں نے بھی آپ کی باتوں کو بغور سنا اور آپؐ کے رخِ انور کی بدولت کورچشم لوگوں کی آنکھیں بھی واشگاف وآشکارا ہو گئیں

شمس أضاء بها الزمان و أهله ☆ بالعلم والحكم العُلى والخير

آپ کی ذات ایک ایسے سورج کی مانند ہے کہ جس نے اپنے علم ،حکمتِ عالیہ اور خیر و برکت کے ذریعہ پوری دنیا اور اسکے باشندوں کو روشنی وتابناکی عطا کی ہے

بدر به انمحت الدياجر كلها ☆ و وهت به اركان كل غرور

آپ کی ذاتِ مبارکہ اس چودھویں کے چاند کی مانند ہیکہ جس کی وجہ سے تمام تاریکیاں چھٹ گئیں اور ہر ایک متکبر کا پایۂ تخت لرزہ براندام ہو گیا

والله ما انسى الجبال خلاله ☆ بحرا منعزلا عن المعمور

خدا کی قسم میں ان پہاڑوں اور انکی پر کیف فضاؤں کو نہیں بھول سکتا جو کہ درحقیقت آبادیوں سے علیحدہ ایک سمندر کی مانند ہیں

كلا و لابطحاء مكة و طأ ة ☆ و سلام احجار عليه وفور

اور بطحاء مکہ کے اندر آپؐ کی چہل قدمی کو بھی میں ہر گز نہیں بھول سکتا اور ان وادیوں میں موجود کنکریوں کے آپؐ کی خدمت میں پر جوش سلامِ عقیدت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا

كلا ولا الغار المنيف نزوله ☆ فيه و طاف به العداكصقور

اور نہ ہی اس بلند مرتبت پہاڑ کے غار (غارِ ثور) کو بھول سکتا جہاں آپ تشریف فرماتے اور دشمن اس کے ارد گرد شکاری پرندے کی طرح چکر کاٹ رہے تھے۔

صار الحماد بعنكبوت حلقة ☆ موضونة لوقاية المحصور

اس پہاڑ کے غار میں اللہ تعالیٰ نے محصور (رسول اللہ ﷺ) انتہائی بچاؤ اور حفاظت کیلئے مکڑی کے ذریعہ ایک موزوں ،مناسب اور باریک حلقہ بنا ڈالا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کیساتھ قریش مکہ نے جو نارو ابرتاؤ کیا تھا وہ تاریخ کا بدترین باب ہے، اسی کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پنی شرافت نفسی کا ثبوت دیتے ہوئے ہر طریق پر ان کی رہنمائی فرمائی وہ اپنی مثال آپ ہے، آخری دو اشعار میں آپ کی ہجرت کے وقت آپ کی غار میں پناہ گزینی، دشمنوں کو آپ کی تلاش اور غار کے منہ پر مکڑیوں کا جالا بُن لینے کے ذکر کرنے کے بعد ذیل کے اشعار میں کچھ معجزات اور غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت کے اظہار کے بعد فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک کو اشارۃً ذکر کیا گیا ہے:

و البیت یعرف حین طهره ☆ من الأصنام بالتوحید والتکبیر

خانہ خدا اس ذات اقدس سے بخوبی واقف ہے کہ جب اس نے نعرۂ توحید وتکبیر کے ذریعہ اسے بتوں سے پاک کردیا تھا

و کذالك الجمرات تعرف رمیه ☆ والرکن یعرف لثمه بفریر

اسی طرح جمرات بھی آپؐ کی رمی یعنی پتھر پھینکنے کو اچھی طرح جانتے ہیں اور رکن یمانی (یا حجراسود) بھی آپؐ کے دہن مبارک کے ذریعہ بوسہ دیئے جانے سے بخوبی واقف ہے

وکذالك الأشجار تعرف أمره ☆ فأنت تشق الأرض ذات فهور

اسی طرح وہ سو نے درخت بھی آپؐ کے حکم سے بخوبی واقف ہیں جو آپؐ کے حکم کی تعمیل میں زمین کو چیرتے ہوئے حاضر ہوگئے تھے

والبدن قد عرفت حلاوة نحره ☆ فمشت الی خطِّیة بطمور

اور بُدن (قربانی کا جانور) بھی آپؐ کے دست مبارک کی لذت و حلاوت سے بخوبی واقف تھا، جس کی وجہ سے وہ تیزی سے قربان گاہ کی طرف دوڑا

والجذع حنّ الی الحبیب برنّة ☆ کالطفل حنّ لأمه بزحیر

وہ بے زبان جانور حبیب خدا کی خدمت میں اس طرح رویا اور گڑگڑایا جس طرح ایک بچہ اپنی ماں کی خاطر درد سے کراہتا ہے

جاء الملائکة الکرام لنصره ☆ فی یوم بدر بالعلاء شهیر

غزوۂ بدر کے دن ملائکۂ کرام اعلانیہ طور پر آپ کی نصرت ومدد کی خاطر آسمان سے نازل ہوئے تھے

بالرعب أیده الا له وبالصبا ☆ و تألف فی جنده المنصور

اللہ نے (غزوۂ بدر کے دن) آپ کی مدد دشمنوں میں خوف وہیت (پیدا کر کے) اور تبدیلی مذہب (قبول کرنے) دشمنوں کے اسلام قبول کرنے کے ذریعہ کی (جسکی وجہ سے) آپ کی چھوٹی سی جماعت ایک کامیاب فوج میں تبدیل ہو گئی

ملأ البسیطة بالعدالة والتقی ☆ من بعد مُلئت بکل شرور

آپؐ نے اس روئے زمین کو عدل و مساوات، تقویٰ اور خوف خدا سے مالا مال کر دیا جب کہ اس سے پہلے وہ فتنہ و فساد اور ظلم و ستم سے بھری پڑی تھی

فتح البلاد بحلمه وبجوده ☆ وعطاء ه و نواله المشکور

آپؐ نے اپنے صبر و استقامت، جود و سخاوت اور عطایا و بخشش کے ذریعہ ملکوں کو فتح کیا

واهاً لخطبته بمکة بعدما ☆ قهرالعدو بسیفه المشهور

آپؐ کے تاریخی خطاب پر حیرت و تعجب ہے جسے آپؐ نے مکہ مکرمہ کے اندر اسوقت پیش فرمایا تھا جب آپؐ نے اپنی ننگی تلوار کے ذریعہ دشمنوں پر فتح و کامرانی حاصل کی تھی

یااهل مکة ماترون جزاء من ☆ قطع الحبال و عضنی کعقور

آپؐ نے فرمایا "اے اہل مکہ تمہارا کیا خیال ہے ان لوگوں کو کیا سزا ملنی چاہئے جنہوں نے تمام رشتوں کو منقطع کر دیا اور مجھے جانوروں اور درندوں کی طرح اذیت پہنچائی

قالو ا کریم انت و ابن کریمنا ☆ فافعل بنا فعل الجیا بمریر

اہل مکہ نے کہا" آپ کریم و شریف النسب ہیں اور ہمارے ہی خاندان کے ایک شریف النسب باپ کے بیٹے ہیں، لہٰذا ہمارے ساتھ مستقل مزاج آدمی کی طرح ایسا سلوک کیجئے جس سے ہماری نسل خراب نہ ہو

فاغرورقت عیناه حین رثی لهم ☆ قال اذهبو طلقاء غیر أسیر

(یہ سن کر) آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور آپؐ نے اعلان کیا کہ جاؤ آج تم سب آزاد ہو تم میں سے کوئی بھی اسیر و قیدی نہیں

مذکورہ حالات کی تبدیلی میں آقائے نامدار سرکار دو عالم رسول مقبول ﷺ نے غیر معمولی کارنامہ انجام دیا، انہی خدمات کے توسط سے آپ کی عظیم شخصیت کے متعدد پہلوؤں کو اس طرح سمیٹا گیا ہے۔

عجبا لرحمته علی اعدائه ☆ و لعفوه عن خصمه المقهور

آپؐ کا اپنے دشمنوں کیساتھ رحم وکرم اور اپنے مقہور ومغلوب حریفوں کے ساتھ عفو ودرگذر کے اس معاملہ پر (سبھی کو) حیرانی وتعجب ہے

فلقد عفا عن قدرة عمن طغی ☆ و بغی علیه وسامه بفطیر

چنانچہ آپؐ نے ان اہل مکہ کو جنہوں نے آپؐ کے ساتھ بغاوت وسرکشی کی تھی اور آپ کو اذیت پہنچائی تھی معاف کردیا، باوجودے کہ آپؐ انکے اوپر مکمل غلبہ واختیار حاصل کرچکے تھے

فاولئك الطلقاء منّ علیهم ☆ کرما فاسلم کلهم بشکور

لہٰذا تمام آزادشدہ (مشرکین مکہ) نے یہ احسان مانا اور جذبۂ تشکر سے لبریز ہوکر مشرف بہ اسلام ہوگئے

ارأیت فی الدنیا یتیما مثله؟ ☆ ملك القلوب بهکذا التسخیر

کیا تم نے اس دنیا میں آپؐ جیسا کوئی یتیم دیکھا ہے؟ کہ جس نے اس انداز میں دلوں پر حکمرانی کی ہو

او ابصرت عیناك مثل محمد؟ ☆ من ارعی بالعطاء درور

یا تمہاری آنکھوں نے محمد مصطفیٰ جیسا کسی اور آدمی کو دیکھا ہے؟ کہ جس نے جودوسخاوت اور عطایا وبخشش کے ذریعہ ہیروں وجواہرات کی حفاظت ونگرانی کی ہو

ارأیت یاعین الزمان کاحمد؟ ☆ من واهب المأة الهجان غیور

اے چشم زمانہ (دنیا) کیا تو نے احمد عربیؐ کے جیسا کسی غیور، عمدہ اور شریف المنسب ''دیالو'' کو دیکھا ہے جو مال ودولت کو سوفیصد عطیہ وبخشش میں خرچ کردیتا ہو

کلاو لم یجدوا کاحمد مدرها ☆ متقدما فی کل یوم نفیر

ہرگز نہیں! وہ لوگ احمد مصطفیٰ جیسا محافظ ومددگار نہیں پاسکتے تھے، جو کہ ہر ضرورت کے وقت سب سے آگے اور ہر پکار پر سب سے پہلے لبیک کہنے والا ہو

کلاولن یجدوا کاحمد ماجدا ☆ جبل الوقار بحومة العاثور

نیز وہ لوگ آپؐ جیسا عالی نسب اور شریف النفس بالکل بھی نہیں پاسکتے جو کہ اچانک وغیر متوقع مصائب وآلام کے وقت بھی صبر واستقامت اور وقار ومتانت کا پہاڑ نظر آتے ہیں

فاق الخلائق بالسماحة والندی ☆ ودوام رفعة ذکرہ المذکور

آپ عفو و درگذر جود و سخا، ذکر لازوال، اور بے مثال عزت و احترام کے سلسلے میں تمام مخلوقات پر سبقت لے گئے

وبعزمه و بصبره ولباله ☆ و بجده وبجده المقدور

اسطرح آپ عزم و استقلال صبر و استقامت، جدو جہد اور نصیب و مقدرات کے سلسلے میں بھی تمام مخلوقات پر سبقت لے گئے

آں حضرت ﷺ کی کرامت، سخاوت، عفو و درگزر اور آپ کی ذاتِ مبارک سے عالم انسانیت کو جو فیض پہونچا اس کی مثال زمانہ آج تک پیش نہیں کرسکا، مولانا نے اشعارِ بالا میں اس کی تصویر کشی کی ہے۔

حسن و جمال، کمال و خصال کسی بھی چیز میں آپ ﷺ کا ثانی کوئی نہیں تھا، ذیل کے اشعار میں مولانا نے آپ ﷺ کے معمولاتِ شب و روز کے ساتھ سفر معراج، نیز وحی الٰہی کے تذکرے کے ساتھ شیخ سعدی کے مشہور نعتیہ اشعار:

بلغ العلیٰ بکماله ☆ کشف الدجی بجماله

حسنت جمیع خصاله ☆ صلوا علیه واله

کو اپنے اسلوب میں ایک ہی شعر میں سمیٹ دیا ہے:

وبحسنه وجماله وکماله ☆ و خصاله وسخاء ہ الموفور

اسی طرح آپ حسن و جمال، جاہ و جلال، ظاہری و باطنی کمالات عادات اور سخاوت اموال کے سلسلے میں بھی تمام دنیا پر سبقت لے گئے

فتراه اذ ما جئته متبسما ☆ متهللا کالبدر فی التنویر

جب تم انکو دیکھو گے تو انہیں خوش و خرم مسکراتے ہوئے چودھویں کے چاند کے مانند پاؤ گے

ترك التنعم بالحظوظ لغیره ☆ واختار ضیق معیشة بتمور

آپ نے دنیاوی عیش و عشرت، نعمتوں اور لذتوں کو غیروں کے لئے چھوڑ کر چند کھجوروں پر زندگی گزارنے کو اپنا شیوہ بنایا

يهب الجزيل عدوه وصديقه ☆ و يبيت ملتوى الحشا بحصير

آپ اپنی بیش قیمت چیزیں دوستوں دشمنوں کو ہبہ کردیتے اور ازخود ایک معمولی چٹائی پر لیٹ کر ساری رات گذار دیتے تھے

والله زينه بحسن براعة ☆ و بلاغة بجوامع المأثور

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات کو مختار علم وبلاغت اعلیٰ فہم وفراست اور جامع فضائل وکمالات سے مزین فرمایا

و بعفة وأمانة بوصلة ☆ للرحم من برو من فاجور

(اسی طرح) عفت وپاکیزگی، امانت ودیانت، نیکی و صلہ رحمی جیسی صفات حسنہ سے آپ کی ذات عالی صفات کو آراستہ فرمایا

وعبادة وطهارة ورياضة ☆ للنفس فى الميسور والمعسور

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو عبادت وطہارت اور خوشی و رنج میں نفسانی ریاضت کا (اعلیٰ نمونہ بنایا)

جُعِلَتْ صلاة الليل قرة عينه ☆ والناس فى الغفلات فوق سرير

رات کی نمازوں (تہجد) کو آپ کی آنکھوں کیلئے ٹھنڈک قرار دیا درآں حالیکہ اسوقت میں عام لوگ بستر غفلت پر خوابیدہ ہوتے ہیں

احيى الليالى فى عبادة ربه ☆ حتى اشتكى قدماه ضُرَّ فطور

آپ نے اپنے رب کی عبادت میں اس قدر شب بیداری کی کہ آپ کے قدم مبارک تکلیف وتکان کی شکایت کرنے لگے

يبكى على غيرالزمان واهله ☆ يأسى على قوم اذل خسير

آپ زمانہ کی تبدیلیوں پر گریہ کناں اور اپنی قوم کی ذلت ورسوائی پر افسردہ ومایوس رہتے تھے

اسرى الاله بعبده ليلا ☆ الى البيت الذى سماه بالمعمور

اللہ اپنے بندے حضرت محمد ﷺ کو رات کے وقت اس مقام پر لے گیا جسے ''بیت معمور'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے

وسمابه فوق السمٰوٰت العلى ☆ وارى من الأيات كل كبير

اور اللہ نے آپ کو ساتوں آسمانوں کے اوپر لے جاکر تمام بڑی آیات اور نشانیوں کا مشاہدہ کرایا

حتى تأخر عنه جبرائيل فى ☆ متشامخ عن غيره محظور

حتی کہ حضرت جبرئیلؑ بھی علوئے مرتبت اور مقام محمود تک رسائی کے معاملے میں آپ سے پیچھے رہ گئے

حتی دنا من ربه فی منزل ☆ من قاب قوسین بخیر ضمیر

یہاں تک کہ آپؐ اپنے قلب مصفیٰ کے ساتھ اللہ سے قریب ہوتے ہوئے اس مقام تک پہونچ گئے جسے قاب قوسین کہا جاتا ہے۔

واللہ حیاہ بخیرتحیة ☆ لاتنقضی ابدا بمر عصور

اللہ تعالیٰ نے بذات خود آپ کی خدمت میں ایسا سلام عزت واحترام پیش فرمایا (جس کا سلسلہ) صدیاں گذرنے کے باوجود بھی منقطع نہیں ہوگا

حتیٰ اذا اوحیٰ الیه ربه ☆ من بعض ماوحیٰ من المامور

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں وحی نازل فرمائی یعنی جن چیزوں کا حکم دیا گیا ان میں سے بعض احکامات کی وحی

بلغ العلی بکماله وخصاله ☆ کشف الدجی بجماله المغضور

آپؐ اپنے عمدہ کمالات، اچھے خصائل وعادات کی بناء پر مقام علو و بلندی سے سرفراز ہوئے اور آپؐ نے اپنے بے مثال جمال ظاہری اور حسب باطنی کی وجہ سے دنیا کی تاریکیوں کو پاش پاش کردیا

ان اشعار کے بعد صحابہ کرامؓ کی مقتدر ہستیوں کی خصوصیات کو بڑے پرلطف انداز میں بیان کیا گیا ہے:

وبدت صحابته نجوما للهدی ☆ فی کل ناحیة و کل ضفیر

آپؐ کے صحابہ کرامؓ دنیا کے ہر مقام پر اور ہر گوشے کیلئے ستارۂ ہدایت بن کر نمودار ہوئے

منهم ابوبکر امام اولی التقی ☆ بفراسة و رزانة التفکیر

انہیں میں سے ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو کہ اپنی فراست ایمانی اور درستگی فکر کی بناء پر امام اہل تقویٰ شمار ہوتے ہیں

ماکان البته لکل مهمة ☆ کادت تزول لها ذوات صخور

ان اوقات ومقامات میں کہ جہاں پر آہنی عزائم اور پختہ قوت ارادہ والے حضرات کے پاؤں متزلزل ہوجائیں وہاں آپ جیسا ثابت قدم اور کوئی نہیں تھا

واها لخطبته البليغة عندما ☆ مات النبی و ضج كل صبور

آپکا وہ خطبہ کتنا عمدہ تھا جو آپ نے اسوقت ارشاد فرمایا تھا جب حضور اکرم ﷺ اس دنیا سے رحلت فرما چکے تھے، اور جس نے ہر ایک کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا

من كان يعبد احمد ا فوربكم ☆ مات الحبيب ولات حين نكير

اسوقت میں جبکہ کچھ لوگ اس دلدوز واقعہ کا انکار بھی کررہے تھے (آپؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ) جو لوگ محمد ﷺ کی عبادت کرتے تھے ان کیلئے اطلاع ہے کہ تمہارے رب کی قسم تمہارے محبوب کا انتقال ہو گیا

من كان يعبد ربه فهو ☆ الاله الواحد القيوم خيرنصير

اور جو لوگ محمد ﷺ کے رب کی عبادت کرتے ہیں تو اللہ وحدہ لاشریک قیوم بالذات اور بہترین مددگار ہیں

هذا الثبات فهل سمعت بمثله؟ ☆ هذا الوقار و كان خيروقور

کیا تم نے حضرت ابوبکرؓ جیسے ثابت قدم اور صاحبِ عزم مصمم کے بارے میں کہیں سنا ہے یا ان جیسا بہترین صاحب وقار کہیں اور دیکھا ہے؟

هذا هوالصديق خيرخليفة ☆ خلف النبی وكان خيروزير

یہ حضرت ابوبکرؓ ہیں جو کہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد آپ کے بہترین خلیفہ وجانشین ثابت ہوئے

نصرالحبيب بنفسه و باهله ☆ وبعرضه والمال غير قتور

آپ نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اپنی جان ومال اور اہل وعیال کے ذریعہ فراخدلی کیساتھ تائید ونصرت فرمائی

قد كان ارحمهم بامة أحمد ☆ اسخى الانام بفضله الموفور

آپ امتِ محمدیہ کے سب سے رحم دل انسان اور زبردست فضیلت ومرتبت کی بناء پر تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ فیاض وسخی تھے

حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول ہیں اس لئے ترتیب کے لحاظ سے سب سے پہلے ان کی منقبت میں اشعار کہے گئے ہیں، اس کے بعد خلیفہ دوئم حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مندرجہ ذیل اشعار میں اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے:

ثم الخليفة بعده عمرالذی ☆ فتح البلاد وكان خير امير

پھر آپکے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے جنہوں نے بیشمار ملکوں کو فتح کیا نیز وہ ایک بہترین امیر وسپہ سالار تھے

و اشد هم فی اللّٰه اطوعهم له ☆ قرما هما مارغم کل فجور

وہ امور الٰہی میں سب سے زیادہ سخت اور سب سے زیادہ تابع وفرماں بردار تھے (اگر چہ قبول اسلام) سے قبل وہ اسلام دشمنی میں سخت تھے، مگر (اسلام لانیکے بعد) وہ ایک عظیم قائد اور بہادر سپاہی اسلام تھے

لیث النهار و راهباً فی لیله ☆ لم ینخدع ابداً لدار غرور

آپکی حیثیت دن کے وقت شیر خدا اور رات کے وقت ایسے عبادت گذار بندے کی سی تھی، جو کبھی بھی فریب دنیا میں ملوث نہیں ہوتا

فاق الملوك بعدله و بفضله ☆ و بعلمه بسیاسة التدبیر

آپ اپنے عدل وانصاف علم وفضیلت اور سیاسی سوجھ بوجھ کی بنا پر تمام رؤسا اور ملوک عالم پر ممتاز ہوگئے

اهل السیاسة کلهم تبع له ☆ فیما اتی من اعدل الدستور

تمام اہل سیاست آپکے تابع وفرماں بردار ہیں، اسلئے کہ آپ ایک بہترین دستور سیاست اور مبنی بر عدل وانصاف قانون حکمراں کے موجد اور خالق ہیں

پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نسلی تعلق کی بنا پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے ان کے مناقب یوں بیان کئے گئے ہیں:

ثم الخلیفة بعده جدی الذی ☆ فاق الوری بحیائه المشهور

پھر آپ کے بعد ہمارے جد نسبی حضرت عثمانؓ ہیں جن کو تمام مخلوقات عالم پر اپنی مخصوص ومشہور شرم وحیاء کی بناء پر فوقیت وبرتری حاصل ہوئی

عثمان ذو النورین افضل موسر ☆ ساس الخلائق فی خصال فقیر

حضرت عثمان ذوالنورینؓ ایک بہترین اور مثالی صاحب ثروت انسان تھے، جنھوں نے ایک درویش کے بھیس میں دنیا پر حکومت کی

لم یرض لما حاصروه بداره ☆ ظلما بشق عصاهم المسمور

جب لوگوں نے آپ کی کمزور لاٹھی کو توڑ کر زبردستی آپ کو اپنے ہی گھر میں محصور کر دیا تھا تو اس وقت بھی آپ ان کی باتوں کو ماننے پر راضی نہیں ہوئے

لم ینتهض لقتال قوم مسلم ☆ باغ و جادبنفسه المبرور

آپ اپنی پاک طینت اور امن پسند طبیعت کی بنا پر کسی بھی باغی و باطل مسلم قوم کیساتھ جنگ پر آمادہ نہیں ہوئے

اکرم به من ماجد بلغ العلی ☆ بفتوحه وبصالحات خیور

بلکہ آپ نے انکے ساتھ کرم اور مہربانی کا برتاؤ کیا، کیا انسان ہے جو اپنی فتوحات اور نیک کاموں کیوجہ سے آپکے جیسا کوئی کریم اور برگزیدہ انتہائی بلندیوں تک پہونچا ہو

جمع الکتاب مرتبا لیصونه ☆ من کل محتمل من التغیر

آپ نے قرآن پاک کو مدون و مرتب کرایا تا کہ اسے ہر طرح کی تبدیلیوں کے احتمال سے محفوظ کیا جا سکے

اسی طرح حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے مشہور حدیث "انا مدینة العلم و علی بابها" کی طرف بڑے لطیف پیرائے میں اشارہ کیا ہے:

زان الخلافة بعده علم الهدی ☆ بطل الوغی حلّال کل عسیر

آپ کے بعد کرسیِ خلافت کو ایک ایسے شخص نے زینت بخشی جو کہ ہدایت کا پرچم بلند کرنے والے، بغاوت و سرکشی کو کچل دینے والے اور تمام مشکلوں کو آسان کر دینے والے ہیں۔

اعنی علیا خیر باب مدینة ☆ العلم الذی هو منبع التفسیر

میری مراد حضرت علیؓ سے ہے، جو کہ شہرِ علم کا ایک خوشنما باب اور سرچشمۂ تفاسیر ہیں۔

اسد الاله و سیفه المسلول فی ☆ میدان خیبر فی اجل ظهور

میدان خیبر کے اندر آپ نے بہترین عسکری صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا اسلئے کہ آپ شیرِ خدا اور اسلام دشمنوں کیلئے شمشیرِ برہنہ کی مانند ہیں

اعطاه رأیته النبی فیالها ☆ من عزة قد نالها وفخور

قابل عزت و عظمت اور فخر و مباہات کی بات ہے کہ حضورؐ نے خود اپنے دستِ مبارک سے آپکو پرچم اسلام عطا کیا

قد کان مولی المؤمنین امامهم ☆ فی الفصل بین خلیفة ومغیر

وہ (حضرت علیؓ) مسلمانوں کے آقا تھے نیز مسلمانوں کے اختلافی امور میں فیصلہ کرنے میں انکے امام تھے

فاق الانام بعلمه وبزهده ☆ و بسيفه و بفضله المسطور

آپ اپنے علم وحکمت، زہد وتقویٰ، بہادری ودلیری بناء پر جو کتب اسلامی کے اندر محفوظ ہیں عوام میں اوراس عزت وفضیلت کی فوقیت وسبقت لے گئے۔

اس کے بعد حضرت حسن حسین رضی اللہ عنہما، کو عقیدت واحترام کے پھولوں کا منظوم گلدستہ اس طرح پیش کیا گیا ہے، اس میں اہل بیت کی حرمت وتقدس کا بھی تذکرہ ہے اور کربلا کے لرزہ خیز وہولناک مظالم پر سرسری مگر جامع تبصرہ بھی:

ثم ابنه الحسن الرضى المجتبى ☆ غوث الانام بكل يوم ثبور

پھر آپ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ ہیں جو کہ ہر مصیبت کے وقت تمام لوگوں کے معاون مددگار تھے

قد اصلح الله العظيم بوجهه ☆ بين الفئام قد اشرفوا الثمور

اللہ تعالیٰ نے ان (حضرت حسنؓ) کے رخ انور کے ذریعہ عوامی اصلاح کا کام لیا انہوں نے اپنے اصلاحی کاموں کے ذریعہ شرپسند عناصر کی اصلاح کر کے انکو معزز شہری اور شریف بنادیا

صدقت بشارة جده فيه وقد ☆ يئسوا من الاصلاح بعد شغور

آپ کے ناناجان کی پیشین گوئی آپ کے بارے میں صحیح ثابت ہوئی چنانچہ آپ اپنی جلاوطنی کے بعد اپنی قوم کی اصلاح سے مایوس ہو گئے

احبب بعترته الزكية انها ☆ لنجوم بدر بالفلاح منير

ان کی پاک نسل سے محبت کرو کیوں کہ ان پاکیزہ نفوس کی حیثیت چودھویں رات کے ان ستاروں کی طرح ہے جو اپنی خوبیوں اور اچھائیوں کی بناء پر روشن ومنور ہیں۔

والله طهرهم واذهب رجسهم ☆ اهل النبى باحسن التطهير

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولاد نبی کو بذات خود نہایت عمدہ طریقہ پر نجاست وآلودگی سے پاک اور طہارت وپاکیزگی سے آراستہ کیا ہے

ووجوه من عاداهم مسودة ☆ بدم الحسين بكربلاء القور

حضرت حسینؓ کے خون سے ان تمام لوگوں کے چہرے کالے پڑ گئے ہیں جنہوں نے کربلا کے چٹیل میدان میں آپ سے دشمنی کی تھی

تبا لمن قتل ابن بنت نبينا ☆ تبا له من ظالم ختير

تباہی وبربادی ہے ان ظالم وغاباز لوگوں کیلئے جنہوں نے ہمارے نبی کی صاحبزادی کے جگر گوشہ کو قتل کر ڈالا

قتلوا وقد علموا بان قتیلهم ☆ حب النبی نعم وبدر بدور

ان لوگوں نے (حضرت حسینؓ) کو شہید کردیا یہ جانتے ہوئے کہ مقتول پیارے نبی کے محبوب اور چودھویں رات کے چاند کے مانند ہیں

ریحانة الاسلام قرة عینه ☆ زین العشیرة رغم کل فخور

حضرت حسینؓ "گلدستہ اسلام" آپکی آنکھوں کی ٹھنڈک اور تمام فضائل ومفاخر کیساتھ خاندان نبوی کی زینت ہیں

قتلوه منفردا وحیدا عاطشا ☆ الله اکبر یا نثار غزیر

اللہ اکبر، ان لوگوں نے اکیلے بھتیجے، اور پیاسے نوجوان کو قتل کردیا، کوئی ہے جو اس فریب خوردہ نوجوان کے خون کا بدلہ لے سکے؟

حالات کربلا کے ضمن میں جو تکلیف دہ حالات پیش آئے اور کچھ منافقین نے ان حالات میں اپنی خباثتوں سے محبت واتحاد کے ماحول کو نقصان پہونچانے کی مذموم کوشش کی، ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا نے اس طرح ذکر کیا ہے:

حق له ان لا یبایع کل من ☆ عبد الهوی واطاع امر غدور

ہر وہ شخص جو خواہشات کا غلام اور باغیان اسلام کے احکام کا مطیع ہے اسے پورا حق ہے کہ وہ آپکے ہاتھوں پر بیعت نہ کرے

من کان مرکبه النبی و ظهره ☆ تبالهم ترکوه رهن قتیر

براہو ان لوگوں کا جنہوں نے اس ہستی کو نیزوں کا اسیر بنا کر چھوڑ دیا جنکی سواری پشت نبوی ہوا کرتی تھی

یلقون احمد خشعا ابصارهم ☆ سودا وجوههم کلون القیر

وہ لوگ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کا اس حالت میں سامنا کریں گے کہ ان کی آنکھیں شرمندگی کے باعث جھکی ہوئی ہوں گیں اور ان کا چہرہ تارکول کی طرح سیاہ پڑچکا ہوگا۔

الحسین لاتبعد فذکرك خالد ☆ والذکر للانسان خیر عمور

حضرت حسینؓ آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں، کیوں کہ آپ کا ذکر خیر تا قیامت باقی رہے گا اور ذکر خیر ہی ایک انسان کے لئے بہترین عمر اور زندگی کا درجہ رکھتا ہے۔

اس کے بعد مولانا، رسول اللہ ﷺ کی مدح پر آجاتے ہیں اور محبت بھرے اندا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح "مدح حاضر" میں کرتے ہوئے یوں گویا ہیں:

ختم الرسالة انت آخرلبنة ☆ فی قصرها فعلا جمیع قصور

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ خاتم الانبیاء ہیں بلکہ قصر نبوی کی وہ آخری اینٹ ہیں جو تمام نبوی محلات کی بلندی وسرخروئی کی بنیاد ہے۔

قد كان فی قصرالنبوة خلة ☆ سدت بوجهك يا اجل نذير

اے بزرگ وبرتر ڈرانے والے دراصل قصر نبوت کے اندر ایک خلا رہ گیا تھا جو آپکے روئے مبارک سے پر ہو گیا

انت الذی ادبت قومك بعدما ☆ كانوا اضل بمهمه كبعير

آپ ہی وہ ذات مبارک ہیں جنہوں نے اپنی قوم کی اس وقت اصلاح وتربیت فرمائی جب کہ وہ اپنے کرتوتوں کی بناء پر جانوروں سے بھی بدتر زندگی گذار رہی تھی۔

انت الذی قومت اعوج ملة ☆ امية بنظامك المنشور

آپ ہی وہ نبی آخرالزماںؐ ہیں جنہوں نے واضح ضابطۂ حیات کے ذریعہ اپنی جاہل، ان پڑھ اور بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کی۔

فغدت اماماً فی المعارف و التقی ☆ و العدل و الاصلاح والتعمیر

چنانچہ آپ علوم ومعارف، زہد وتقویٰ، عدل وانصاف، اصلاح وتربیت اور تعمیر وترقی کے قائد بن گئے

سبقت علی الاقوام طرابغتة ☆ بعلومها وعفا فها بطهور

آپ اپنے علوم ومعارف اور عفت وپاکیزگی کے ذریعہ اقوام عالم پرسبقت لے گئے

وخصالها و کمالهاوجهادها ☆ وظهور ها وفتوحها لثغور

نیز آپؐ اپنی عادات وکمالات، کوشش وکامرانی، بعثت وظہور اورفتوحات کی بناء پر شاہراہ سبقت وبلندی پر گامزن ہیں

هذا لعمرك من اجل كرامة ☆ واعز معجزه اتی بظهور

آپؐ جیسے مختصر عمر والے انسان کیلئے یہ ایک عظیم عزت وشرف اور ایک بڑا معجزہ ہے کہ جو منصۂ شہود پر نمودار ہوا۔

ارأیت یاعین الزمان کمثله؟ ☆ من مصلح امثالها وظفیر

اے چشم زمانہ! کیاتونے آپ جیسا مصلح قوم اورمعاون ومددگار دیکھاہے؟

من کان اومن قدیکون کاحمد؟ ☆ کلاولن یاتوا له بنظیر

کیا کوئی حضرت محمد ﷺ سے زیادہ خدا پر ایمان وبھروسہ رکھنے والا ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں آپکی نظیر کوئی پیش ہی نہیں کرسکتا

یاخاتم النباء یا خیرالوری ☆ ارحم لمحروق الجوی مضرور

یاخاتم الانبیاء اوراے کائنات کے سب سے عمدہ شخص! سوز عشق نبویؐ میں مبتلا شخص پر رحم کیجئے کیوں کہ وہ بہت محتاج اور ضرورت مند ہے۔

فلانت اکرم من وفی بذمامه ☆ ولانت ارحم من رثی لعقیر

آپؐ ایک ایسے پاک نفس اور برگزیدہ شخصیت ہیں جو اپنی ذمہ داری کیساتھ پورا انصاف کرتے ہیں اور آپؐ ایک ایسے رحم دل انسان ہیں جو مصیبت زدہ اور زخمی انسان کی مکمل دلجوئی کرتے ہیں۔

انت الغیاث لکل من خشی الوری ☆ ولکل مضطرب الفؤاد حصیر

آپ ہر اس شخص کے معاون و مددگار ہیں جو زمانے سے ڈرتا ہے اور ہر مضطرب و پریشان حال انسان کیلئے حوصلہ و سہارا ہیں۔

انت المعاذ لکل من خاف العدی ☆ و ملاذکل مذلل مقسور

آپ ہر اس شخص کیلئے جو دشمنوں سے ڈرتا ہے ڈھال ہیں نیز آپ ہر مجبور انسان کے لئے پناہ گاہ ہیں۔

انت الامان لکل مظلوم الجفا ☆ ومعزل کل مصغر مدحور

آپ ہر مظلوم و مصیبت زدہ انسان کیلئے جائے امان اور ہر کمزور اور دھتکارے ہوئے انسان کا سہارا ہیں

انت المغیث لکل محروم الاسی ☆ و لفاقد الاعوان خیرظهیر

آپ ہر محروم و ناامید انسان کیلئے مددگار اور ہر بے سہارا انسان کیلئے بہترین محافظ اور سہارا ہیں۔

انت الجواد بل انت قاموس الندی ☆ انت العماد لمثقل موزور

آپ سخی و داتا ہیں بلکہ سرچشمۂ جود وسخا ہیں نیز آپ ہر انسان کیلئے مضبوط ستون کے مانند ہیں، جو مصائب و آلام کے بوجھ تلے دبا ہو۔

انت النذیر لکل عاص قد طغا ☆ انت البشیرلجاهل معذور

آپ ہر گنہگار اور نافرمان انسان کے لئے ڈرانے اور دھمکانے والے ہیں، نیز ہر معذور اور (زمانہ کی نیرنگیوں سے) ناواقف مسلمان کو خوشخبری پہنچانے والے ہیں۔

انت السداد لکل باب للهوی ☆ انت الرشاد لتائه مغرور

آپ ہراس انسان کو جو خواہشات نفسانی کا شکار ہو (برے کاموں سے) روکنے والے، اور ہر متکبر راہ راست سے بھٹکے ہوئے انسان کے لئے سرچشمہ ہدایت ہیں۔

انت الانیس لمن توحش بالنوی ☆ انت الجلیس لمفرد مکسور

آپ ہراس انسان کے غم خوار ہیں جو منزل مقصود سے دوری کی وجہ سے حیران و پریشان ہو۔ نیز آپ ہر شکستہ دل و تنہا انسان کے لئے مصاحب و ہم نشیں ہیں۔

انت الحبیب رجاء کل مؤمل ☆ انت الطبیب لمبتلی محصور

آپ ہر ایک پرامید انسان کیلئے مخلص دوست ہیں نیز ہر تنگ حال پریشان اور بیمار شخص کیلئے طبیب کی مانند ہیں

قد شق صدر البدر منك اشارة ☆ بالفلقتین و انت خیر مشیر

آپکے ایک اشارے پر چاند کا سینہ دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا فی الحقیقت آپ بہترین اشارہ کرنیوالے اور بہترین مشیر بھی ہیں

انت الکریم ابن الکرام ذوی العلی ☆ ولانت ذو نسب اضاء نمیر

آپ بذات خود شریف اور شریف شخص کی اولاد ہیں جو کہ عالی نسب تھے، نیز آپ ایسے نجیب الطرفین ہیں جن کا خاندانی شجرہ بے داغ ہے۔

انت الشفیع و انت خیر مشفع ☆ یوم التنادوانت خیر صبیر

آپ بذات خود شفیع ہیں اور قیامت کے دن (مومنین کیلئے) بہترین شفاعت گذار ثابت ہوں گے نیز قیامت کے دن آپ بہترین محافظ و نگراں ہوں گے۔

ان الذین یبایعونك انما ☆ قد بایعوا اللّٰه بغیر نکور

جن لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی بلاشبہ ان لوگوں نے اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی

وسوف یعطیك الاله رضاك فی ☆ یوم النشور باجمل التخییر

عنقریب اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن آپ کو رضا خوشنودی عطا فرمائیگے نہایت ہی عمدہ انداز و اختیار کیساتھ

قصیدے کا اختتام شاعر کی خواہشات ومطالبات سے جڑا ہوا ہے، جس میں مولانا مرحوم ایک سچے مؤمن کی مانند اپنی، اپنے والدین اور اپنے خاندان اور اپنے اہل

وعیال کیلئے آپ کے حضور آپ کی صفات عالیہ کے حوالے سے دست بدعا ہیں:

هذا الفخارو لافخار مثله ☆ واهاله علما على التوقير

رضائے الٰہی کا حاصل ہونا ایسا اعزاز وافتخار ہے جس کی نظیر دنیا وآخرت میں نہیں ملتی، نیز آپ کو اس پرچم عزت وافتخار کے حصول پر دلی مبارک باد پیش ہے

بابى فلاتك راضيا حتى ترى ☆ ان قد ظفرت بجنة و نهور

یارسول اللہ آپ پر میرے باپ قربان ہوں آپ اس وقت تک راضی نہ ہوں جب تک آپ کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ مجھے (مصنف کو) جنت اور نہریں حاصل ہوگئی ہیں

وكذاك آبائى و كل عشيرتى ☆ واحبتى من اقرب وشطير

ایسا ہی معاملہ آپ میرے خاندان کے تمام افراد، میرے قریبی ودور کے رشتے داروں دوستوں، میرے والدین کے (ساتھ بھی فرمایئے)

بابى فلا تحرم نوالك قاصداً ☆ يرجورضاك بغيبة وحضور

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ اپنی بخششوں سے ایسے پر امید انسان کو محروم نہ کریں جو سامنے اور پیچھے آپؐ کی خوشنودی کی امید رکھتا ہے۔

بابى فانك لم تخيب سائلا ☆ ابداوانت كزاخر مسجور

یارسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں آپ کبھی کسی سائل کو محروم نہیں کرتے آپ بحر جود سخا ہیں

احبيب انك لو رأيت بنظرة ☆ حالى رئيت لها و كنت عذيرى

اے میرے محبوب اگر آپ ایک نظر میری حالت پر غور فرمالیں تو آپ مجھے دلاسہ دینے والے اور مجھے چھٹکارا دلانے والے ہوجائیں

مولاى انك لومننت بجلوة ☆ لشفيت نفسى من جوى مستور

میرے آقا اگر آپ نے محض ایک مرتبہ اس ناچیز کو اپنے دیدار سے مشرف کردیا تو میں اپنے دل میں چھپی ہوئی آگ کو تسلی دے لوں گا۔

وصعقت من رُؤیا جمالك بغتة ☆ صعق الكليم او ان دكّ الطور

آپؐ کے رخ روشن کے دیدار سے مجھ پر اچانک ایسی غشی طاری ہوگی جس طرح حضرت موسیٰ کو طور سینا پر سیر کے وقت غشی طاری ہوئی تھی۔

ماكان ضرك لو مننت فربما ☆ من الكريم على فتى مهجور

یارسول اللہ اگر آپ نے اپنی دید کے ذریعہ مجھ پر احسان کردیا تو آپ کا کچھ نقصان نہیں ہوگا اس لئے کہ آپ جیسے کریم آقا نے مجھ پردیسی نوجوان پر بارہا اس طرح کا احسان فرمایا ہے۔

یابکر آمنة الكريمة انني ☆ قد جئت عندك مفضيا بشقوری

اے آمنہ کے لال میں آپؐ کی خدمت میں مصیبت زدہ اور پریشان حال حاضر ہوا ہوں

فارحم رعاك الله كربة عاجز ☆ دنف كئيب هائم متبور

پس ایک عاجز، لاچار، مایوس، محروم اور پریشان انسان کے کرب وتکالیف پر رحم فرمایئے۔

یارحمة للعالمين غیاثهم ☆ انظرالی ظفر هو ی بقعير

یارحمۃ للعالمین اوردونوں جہاں کے معاون ومددگار اس ظفر کیطرف نظر فرمایئے کہ جو ذلت میں گرا ہوا ہے

انظر فلا احدسواك لنااذا ☆ صعق الانام بنقرة النافور

آپؐ اس وقت میری جانب نظر کرم فرمایئے جب تمام مخلوقات عالم صور پھونکنے والے کے صور کی آواز سے بے ہوش ہوجائیں گی کیوں کہ آپ کے سوا ہمارا کوئی نہیں۔

وانصراذا حضر الحمام وافردو ☆ نی فی البقيع لمنكرو نكير

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری اس وقت مدد ونصرت فرمایئے جب موت مجھے آدبوچے گی اور لوگ مجھے اکیلا وتنہا قبر میں چھوڑ کر منکر نکیر کے حوالے کرکے آجائیں گے۔

واشفع اذااقترب الحساب ولم يكن ☆ الا اليك نجاء كل حسير

یارسول اللہ جب یوم حساب قریب آئے تو ہم لوگوں کی شفاعت کیجئے کیوں کہ ہم تھکے ماندے اور پریشان حال لوگوں کا آپ کے سوا کوئی بھی نجات دہندہ نہیں ہے۔

والله لاانساك احمد كلما ☆ لاح الصباح بطلعة الفائور

اے احمد مجتبیٰ بخدا ہم آپ کو فراموش نہیں کرسکتے جب بھی سورج طلوع ہوتا ہے ہم آپ کو یاد کرتے ہیں۔

والله لاانساك احمد كلما ☆ راح الحجيج الى منى بنلور

یارسول اللہ بخدا ہم آپ کو نہیں بھلا سکتے جب بھی حجاج کرام منیٰ کیجانب جانیکا ارادہ کرتے ہیں ہم آپکو یاد کرتے ہیں

كلا ولاانساك احمد كلما ☆ فاح النسيم سحيرة بعبير

یارسول اللہ ہم آپکو کبھی فراموش نہیں کرینگے، جب بھی صبح کیوقت عنبریں ہوائیں چلیں گی ہم آپکو یاد کرینگے

كلا ولاانساك احمد كلما ☆ ناح الحمام على النقابهدير

یارسول اللہ ہم آپکو کبھی فراموش نہیں کرینگے جب بھی موت اس گوشت کے لوتھڑے کو آواز دیگی ہم آپکو یاد کرینگے

كلا و لاانساك احمد كلما ☆ باح المحب بسره المضمور

یارسول اللہ ہم آپکو کبھی بھی فراموش نہیں کرینگے جب بھی محبوب اپنی پوشیدہ مسرت کا اظہار کریگا ہم آپکو یاد کرینگے

كلا ولا انسان احمد كلما ☆ هب الصبا بعشية وبكور

یارسول اللہ ہم آپ کو کبھی بھی فراموش نہیں کریں گے، صبح وشام کیوقت جب بھی باد صبا چلیگی تو ہم آپکو یاد کرینگے

اپنی مغفرت کی و درخواست کے ساتھ ساتھ محدثین کرام نیز حدیث سے متعلقہ خدمات انجام دینے اولوں کو بھی آپ نے خراج عقیدت پیش کیا ہے، جو ہندی لب ولہجہ میں ہونے کے باوجود اظہار بیان میں عربی کے مشہور شعراء فرزدق (۱۵) وجریر (۱۶) کے کلام سے کم نہیں:

خيرالكلام كلام احمد بعدما ☆ اوحى الاله بنظمه فى السور

وحی الٰہی کے ذریعہ نازل شدہ منظوم سورتوں کے بعد سب سے بہتر اگر کوئی کلام ہے تو وہ آپکی گفتگو (حدیث پاک) ہے

طوبى لحفاظ الحديث ومرحبا ☆ بالنا ظمين لدره المنثور

باعث رشک وسعادت ہیں حفاظ حدیث، ان بکھرے ہوئے موتیوں کو مرتب کرنیوالوں کو سلام ومبارکباد

والجامعين صحيحه و قويّة ☆ ولما تواتر منه والشهور

احادیث کو جمع کرنے والوں پر بھی سلام ہو صحیح اورقوی اوران میں سے متواتر ومشہور

و الناقدين سليمه وسقيمه ☆ والنابذين لمفترى بالزور

نیز ان احادیث میں ثقہ اور کمزور احادیث کی پرکھ کرنیوالوں اور من گھڑت وجھوٹی احادیث کو (مجموعۂ احادیث) سے الگ کرنیوالوں پر بھی سلام ہو۔

انی و ان کانت بهند نشأتی ☆ فالشعر شعر فرزدق و جریر

میں چہ جائیکہ میری نشو ونما اور پیدائش ہند میں ہوئی مگر میرے اشعار (مشہور عرب شعراء) فرزدق وجریر جیسے ہیں

قصیدہ کا آخری حصہ دعاء ہوتا ہے، اسی کا اہتمام کرتے ہوئے اس قصیدہ کے آخری حصہ میں شاعر نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاء کا نذرانہ اسطرح پیش کیا ہے، جس سے شاعر کے جذبات واحساسات اور باطنی کیفیات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

یا ربنا ارحمنا بحق نبینا ☆ واغفر خطایانا و کل اطیر

اے رب العالمین ہمارے نبی حضرت محمد کے طفیل میں ہم پر رحم فرما اور ہمارے تمام گناہوں اور کوتاہیوں کو معاف اور درگذر فرما۔

و تقبل الاعمال وارض قصیدتی ☆ واجبر بها یارب کل کسوری

اے رب ہمارے تمام اعمال کو قبول فرما اور میرے قصیدہ سے راضی ہوجا اس کے بدلے میں میری تمام کوتاہیوں اور فروگذاشتوں سے درگذر فرما

و اکشف بها کربی وضع عنی بها ☆ وزری فانك رب خیر غفوری

اے اللہ اس کے بدلے میں میری تکالیف کو دور فرما اور میرے بوجھ کو ہلکا کر اسلئے کہ آپ ہمارے رب ہیں اور بہترین معاف کرنیوالے ہیں۔

یارب فارزقنی الفلاح و نجنی ☆ یوم القیامة من عذاب سعیر

اے اللہ مجھے کامیابی اور سرخروئی فرما اور قیامت کے دن جہنم کی آگ سے نجات عطا فرما

واجعل لنا فی دار قربك منزلا ☆ حسنا وانك رب خیر قدیر

اور اپنے حبیب کے مسکن کے قریب بہترین مکان عطا فرما اس لئے کہ آپ عمدہ پالنہار اور پوشیدہ چیزوں پر قدرت رکھنے والے ہیں۔

دعا کے ساتھ ہی مولانا مرحوم کا ذہن درود کی طرف منتقل ہوا اور وہ رسول اللہ ﷺ، ان کے اصحاب، اہل بیت، ائمہ کرام، فقہاء عظام، علمائے کرام کے ساتھ ساتھ اس میں اپنے اہل وعیال، اعزاء واقارب اور خود کو شامل کرتے ہوئے قصیدہ کا اختتام اس طرح کرتے ہیں:

یارب صل علی النبی و آله ☆ بتحیة تربو میاه بحور

اے رب رسول اللہ کی خدمت میں سمندر کے پانیوں سے بھی زیادہ مقدار میں درود وسلام نازل فرما

و علی صحابته الکرام واهلهم ☆ ما افترت الازهار بالباکور

اورآپ کے اصحاب کرام اوران کے اہل وعیال کی خدمت میں بھی گلدستہ رحمت وسلامتی نازل فرما

و علی ائمتنا الذین تفقهوا ☆ فی الدین ماهب الصبابد بور

اور ہمارے ان ائمہ کرام پر جنہوں نے دین میں پختگی حاصل کر کے گہرا غور وفکر کیا ان پر مشرقی ومغربی ہواؤں یعنی ہر طرف سے چلنے والی ہواؤں کے بقدر سلام وتحیات نازل فرما

و العالمین العاملین بعلمهم ☆ ما غنت الاطیار بین شجیر

اور وہ علمائے کرام جو اپنے علم کے ذریعہ دین کی خدمت کررہے ہیں ان کے اوپر پرندوں کی چہچہاہٹ سے بھی زیادہ مقدار میں رحمت وسلامتی نازل فرما۔

وکذا علینا و العیال و اهلنا ☆ و الاقربین عداد قطر الضور

اسی طرح ہم پر ہمارے اہل وعیال پر اور ہمارے دوستوں، اعزا اور اقرباء پر بادلوں کی بوچھار اور قطرات سے بھی زیادہ مقدار میں رحمتیں نازل فرما

وعلی احبتنا و من ادنی بنا ☆ والمومنین لیوم نفخ الصور

ہمارے احباب، اعزاء اقرباء اور تمام مومنین پر اس دن یاران رحمت نازل فرما جس دن صور پھونکا جائیگا

ثم الصلاة مع السلام علی الذی ☆ هو روح کل کبیرنا وصغیر

اسکے بعد درود وسلام ہو اس ذات نبوی پر جو اس دنیا میں موجود تمام چھوٹوں وبڑوں کی جان ہیں

قد جئت عندك سیدی متوسلا ☆ بجمیل عفوك والرجاء ظهیری

اے آقا! میں آپکی خدمت میں آپکے بہترین عفو ودرگذر کا سہارا لیکر حاضر ہوا ہوں اور امید ہی میری معاون ہے

صلی علیك الله یازین الوریٰ ☆ عون الخلائق جابراً للکسیر

اے کائنات کی زینت! آپ پر اللہ تعالیٰ کی درود وسلامتی نازل ہو (آپ) مخلوق کے مددگار اور تخریب کاروں کو شکست دینے والے ہیں۔

مالاح نجم فی السماء ومابه ☆ بدر یزیل حنادس الدیجور

آسمان میں جو روشنی اور چمک دمک ہے وہ اسی بابرکت ہستی کی وجہ سے ہے، وہ ایسے چودھویں کے چاند کی مانند ہیں جن کی وجہ سے سخت اندھیری راتوں کی تاریکی بھی زائل ہوجاتی ہے۔

نعتیہ قصائد کا جائزہ

اس فصل میں مولانا کے تین نعتیہ قصائد پیش کیے گئے۔ ان تینوں کے مطالعہ سے مشترکہ طور پر جو بات سامنے آئی وہ یہ کہ مولانا کی نعتیہ شاعری میں ان کے پیشِ نظر قرآن مجید اور اس کی اصطلاحات تھیں، حبِّ رسول ﷺ میں انہوں نے سچی عقیدت کا اظہار کیا ہو سکتا ہے کہ فنی اعتبار سے ان کے یہ نعتیہ قصائد قصیدہ کی ان بلندیوں کو نہ چھوتے ہوں جو ماہرینِ قصیدہ نے قصیدہ کے معیار کے لئے ضروری قرار دیئے ہیں، لیکن اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ یہ نعتیہ قصائد رسمیہ نہیں، بلکہ ان کا تعلق نعت حقیقی سے ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ”(نعت گو) نعت کو ایک ادبی صنفِ سخن کے تحت نہیں، بلکہ اس کے لوازماتِ فن اور صنفی نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے گہرے شغف اور توجہ اور جذب و انہماک سے اسے ایک ادبی وفنی معیار عطا کرنے کی سنجیدہ کوشش کرتا ہے“۔ [۱۷] اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا کی نعتوں میں کیفیات کا اظہار ایک عقیدہ اور رسم کے طور پر نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف گوشوں جیسے سیرت، تعلیمات، غزوات، معجزات، عادات، اور خصائل مبارکہ کا ذکر جزوی اور سرسری انداز کی بجائے گہری دل چسپی اور وابستگی سے ملتا ہے۔ نیز آں حضرت ﷺ سے محبت کے ضمن میں رسمی عقیدت کے بجائے جذب ومستی اور جوش ومحبت کا گہرا اور مؤثر اظہار موجود ہے، اسی وجہ سے یہ نعتیں دل کش اور تاثیر سے بھرپور ہیں۔

یوں تو مولانا نے ان نعتیہ قصائد میں مختلف قسم کے بہت سے مضامین نظم کئے ہیں، لیکن خصوصیت کے ساتھ ان کے مضامین پر قرآنی فکر کے گہرے اثرات ہیں۔ انہوں نے قرآنی آیات کو سلیس، دل کش اور لطیف پیرائے میں نظم کر کے قرآنی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ ذیل میں اسی ضمن کی کچھ مثالیں قرآنی حوالوں سے پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ، مؤمنین سے مخاطب ہے: ﴿وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ﴾ [۱۸] اس آیت میں لفظ ”جاہدوا“ امر کا صیغہ ہے، مولانا مرحوم نے اسی آیت

میں ''جاھدوا'' کو فعلِ ماضی، جمع مذکر غائب کے صیغے کے ساتھ ''جاھَدوا'' بنا کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، کی زندگی کا عملی نمونہ بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے:

لقد جاھدوا فی اللہ حق جھادہ ☆ صَلَوا فی لھیب الحرب ذات التسعر (۱۹)

(۲) قرآن پاک نے انسانوں کی کامیابی اس میں مضمر رکھی ہے کہ وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑیں؛ ﴿ و من یعتصم باللہ فقد ھُدِیَ الی صراط مستقیم ﴾ (۲۰) اس آیت کے ضمن میں مولانا نے اپنے خیال کو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، کے ہی تذکرے میں اس طرح نظم کیا ہے:

اولئك خیر الناس بعد نبیھم ☆ و من یعتصم باللہ یسعد و یظفر (۲۱)

(۳) سورۂ آل عمران کی آیت ﴿ وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم ﴾ (۲۲) کے ضمن میں مولانا نے جو شعر کہا ہے وہ نصیحت و تبلیغ کا بڑا دلکش پیرایہ لیے ہوئے ہے۔ فرماتے ہیں:

اَلا فاھجروا ما تنحتون و سارعوا ☆ الی ربکم قبل العذاب المدمر (۲۳)

یقینی طور پر اللہ کی طرف نہ چلنے کا نتیجہ چونکہ ہلاکت و تباہی ہے، اسی لئے اس شعر میں مولانا نے انسانوں کو اس راہ پر چلنے کا مشورہ دیا ہے، جو تباہی و ہلاکت سے بچانے والی ہو اور وہ صرف اللہ سے مغفرت کا طلب گار ہو۔

(۴) کوہِ صفا پر حضورِ اکرم ﷺ کا قریش کے لوگوں کو جمع کر کے اپنی امانت و صداقت کی گواہی لینا، اور اس کے بعد اللہ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی دعوت دینا، اور بد بخت ابولہب کا رسول اکرم ﷺ کی شان مبارک میں نازیبا کلمات کہنا، جو سورۂ لہب کے نازل ہونے کی وجہ بنا۔ ان تمام واقعات کے پسِ منظر میں قرآن کریم کی آیت ﴿ تبّت یَدا ابی لھبٍ و تبّ ﴾ (۲۴) کو پیشِ نظر رکھ کر انہیں حالات کے تناظر میں مولانا نے صرف ایک شعر میں ابولہب کی بدبختی کو کس طرح سمویا ہے وہ لائق توجہ ہے:

و نادی شقی القوم تبا لمن دعا ☆ فتبت یداہ فی لھیب مسعر (۲۵)

(۵) نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معراج کے سفر میں اپنی بے شمار نشانیاں دکھلائیں، رات کے ایک حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مقرب ترین بندہ کو حرمِ مکہ سے بیت المقدس تک اور پھر وہاں سے ساتوں آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ کے اس سفر مبارک کا تذکرہ قرآن مجید کی مختلف آیات میں متفرق انداز میں مذکور ہے۔ معراج کے تعلق سے مولانا نے اس قصیدہ میں جو اشعار کہے ہیں وہ بھی قرآنی الفاظ کا پرتو ہیں۔ قرآن مجید میں ﴿سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی با رکنا حولہ لنریہ من آیاتنا﴾(۲۶) اسی طرح سورۂ نجم میں: ﴿ولقد رآہ نزلۃ اخری عند سدرۃ المنتھی﴾(۲۷) آیات واقعۂ معراج کے تعلق سے ملتی ہیں۔ مولانا نے اس سے متعلق مندرجہ ذیل شعر:

و یخترق السبع السماوات کلھا ☆ طباقاو یعلو مظھرا فوق مظھر(۲۸)

میں جہاں ایک طرف سفرِ معراج کی تصویر کشی کی ہے وہیں دوسری طرف اس کے الفاظ بھی قرآن کریم سے مستعار ہیں۔ جو اگر چہ معراج کے تناظر میں نہیں، بلکہ سات آسمانوں کی تخلیق کے پس منظر میں ہیں ؛ ﴿ھو العزیز الغفور الذی خلق سبع سماوات طباقا﴾(۲۹) اور ﴿الم تروا کیف خلق اللہ سبع سماوات طباقا﴾(۳۰) اسی سفرِ معراج کا تذکرہ مولانا کے دوسرے قصیدوں میں اس طرح بھی ملتا ہے:

قد خصك اللہ بالاسراء لیلۃ اذ ☆ ترقی السماوات من طبق الی طبق
حتی بلغت من العلیاء ذروتھا ☆ و غایۃ لم تدع شاوا لمستبق(۳۱)

(۶) حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے تذکرہ کے ساتھ ان کی ہلاکت وتباہی کی وضاحت کرتے ہوئے ان مجرمین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فاصبحوا لایری الا مساکنھم. کذلك نجزی القوم المجرمین﴾(۳۲) مولانا نے اس آیت مبارکہ سے استشہاد کرتے ہوئے غزوۂ بدر کے ضمن میں کفار مکہ کی شکست اور ان کے مقتولین کے انجام کی اس طرح تصویر کشی کی ہے:

فاصبحوا لا یری الا مساکنهم ☆ و ادخلوا فی سعیر دائم الحرق (۳۳)

(۷) معجزۂ شق القمر، نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا وہ معجزہ ہے جسے اپنوں اور غیروں سبھی نے مشاہدہ کیا تھا۔ ہاتھ کی انگلی کے ایک اشارے سے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا ایسا واقعہ تھا جو نہ اس سے پہلے ظہور پذیر ہوا تھا اور نہ ہی قیامت تک پھر کبھی ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اس معجزہ کے حوالے سے کفارِ مکہ کو تنبیہ کرتے ہوئے اسے قیامت کی گھڑی سے تعبیر کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿اقتربت الساعة و انشق القمر﴾ (۳۴) مولانا نے اس خیال کو اس طرح شعری جامہ عطا کیا:

قد انشق صدر البدر حبا لوجهه ☆ و طوبی لقلب بالهوی متفطر (۳۵)

اور پھر نادر تشبیہ اور خوبصورت استعارہ کا یہ انداز بھی ملاحظہ فرمائیے:

باصبع من ید کانت اشارتها ☆ فی البدرانکی من الصمصام فی العنق (۳۶)

(۸) حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے لاڈلے بیٹے کی جدائی کے غم میں روتے روتے بصارت کا زائل ہو جانا اور پھر اس بصارت کی واپسی کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں کے ذریعہ اپنے والد کی خدمت میں کرتہ کا بھیجنا، جس کو ڈال کر انکی بینائی واپس آ گئی تھی۔ یہ واقعہ تفصیلی طور پر سورۂ یوسف میں موجود ہے۔ اس واقعہ کا ذکر اس سورہ کی آیت: ﴿فلما ان جاء البشیر القاه علی وجهه فارتد بصیرا﴾ میں ملتا ہے، (۳۷) اس آیت کو پسِ منظر میں رکھ کر مولانا نے مندرجہ ذیل شعر میں رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے اپنی مخصوص حالت کا ذکر کرتے ہوئے اس کو خلاصۂ محبت کا رنگ دے دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

جاء البشیر فرد الله لی بصری ☆ لما اتی بقمیص فائح عبق
فالحمد لله ان لم یأتنی اجلی ☆ حتی لبست لباسا زاد کل نقی (۳۸)

(۹) روزِ جزا میں رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ہر مؤمن کی خواہش اور تمنا ہے۔ اور

حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑی دولت مؤمن کے لئے کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ متاع دارین ہے۔ سورۂ دہر [۳۹] میں ان حالات کا تذکرہ ہے، جب جنتی لوگ چاندی کے پیالے، جن میں ٹھنڈا پانی ہوگا، لئے پھر رہے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کی بدولت ہی ممکن ہو سکے گا۔ مولانا کا اسی قصیدے میں مدحِ حاضر کا یہ شعر ان قرآنی آیات کے تناظر میں ملاحظہ فرمایئے:

و انت تسقى و لا ساق سواك لنا ☆ كأسا يطاف بماء بارد غدق [۴۰]

ان مثالوں سے واضح ہے کہ مولانا کو قرآن کریم کے مفاہیم و مطالب پر ہی عبور نہیں، بلکہ قرآنی مباحث و الفاظ کو اشعار میں چسپاں کرنے میں بھی انہیں ملکہ حاصل تھا۔ ''نور علی نور'' کے جن اشعار کو ہم نے اوپر پیش کیا ہے وہ تو وہ مثالیں ہیں جو صراحۃً آیات قرآنیہ سے ماخوذ ہیں یا ان آیات سے ان اشعار کا انطباق کیا گیا ہے، ورنہ جہاں تک مفاہیم و معانی کا تعلق ہے تو مولانا کے بیشتر اشعار قرآنی مفاہیم سے ہی مترشح ہیں۔

مولانا کے دوسرے مطبوعہ نعتیہ قصیدہ ''وسیلۃ الظفر'' کے اشعار کا بھی تقریباً یہی انداز ہے، اس قصیدے میں کل ۱۹۳ اشعار ہیں جن میں بیشتر قرآنی مفہوم کے حامل ہیں لیکن ہم یہاں صرف انہیں اشعار پر تبصرہ کرینگے جو واضح طور پر قرآنی آیات سے مستنبط ہیں۔

(۱) قرآن کریم کی آیت: ﴿فلما قضى موسى الاجل وسار باهله آنس من جانب الطور نارا﴾ [۴۱] سے استشہاد کرتے ہوئے مولانا نے اپنے قصیدہ کے مطلع ثانی میں تشبیب کا مندرجہ ذیل شعر کس خوبصورتی سے نظم کیا ہے وہ لائقِ داد ہے:

هل لاح نجم فى مطالع صور ☆ ام اونست نار بجانب طور [۴۲]

اس قصیدہ کے ابتدائی چار اشعار میں (جو تشبیب سے متعلق ہیں) مولانا نے مدینہ منورہ کے قریب بسی ہوئی غیر معروف وادیوں اور پہاڑیوں مثلاً عقیق، صور، حاجر، بدر، حضیر، ضفیر وغیرہ کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مدینہ منورہ اور اس کے اطراف سے بھی بخوبی واقف تھے یہاں تک کہ انہیں ان پہاڑیوں اور وادیوں کے نام بھی معلوم تھے جو عام طور پر غیر متعارف تھیں۔

(۲) پریشانیاں اور آسانیاں لازم ملزوم ہیں۔ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿ان مع العسر یسرا﴾[۴۳] مولانا اس آیت کو ناصحانہ انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں:

و اعلم بان الیسر توأمُ عسرة ☆ و ردیفها کالجود بعد الحرور[۴۴]

(۳) قرآن کریم نے مکہ مکرمہ کی قسم کھاتے ہوئے سورۂ بلد کی ابتداء اس طرح کی ہے: ﴿لا اقسم بهذا البلد ٠ و انت حل بهذا البلد﴾[۴۵] ان آیات کے تناظر میں مولانا نے مدینہ منورہ کے تعلق سے اپنے جذبات کو اس طرح نظم کیا ہے:

بلد یحل به المطیب طیب ☆ و به تزول هموم کل ضحور[۴۶]

رسول اکرم ﷺ اخلاقِ عالیہ کے جس منصب پر فائز تھے، اسے دنیا کی کوئی دوسری ہستی نہیں پا سکتی۔ خود قرآن کریم میں مذکور ہے " انك لعلٰی خلق عظیم"[۴۷] مولانا، رسول اللہ ﷺ کے اوصافِ کریمانہ و اخلاقِ فاضلانہ کے متعلق اپنے مخلصانہ جذبات کو پیش کرتے ہیں تو اس میں ایک شعر آیتِ بالا کی تفسیر معلوم ہوتا ہے:

قد کان آیة ربه فی الخلق و ☆ الخلق العظیم ملاك کل امور[۴۸]

(۴) غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے تہی دست مؤمنین کی قلیل جماعت کو مشرکینِ مکہ کی مسلح فوج کے مقابلے میں جس کامیابی سے ہم کنار کیا تھا وہ بظاہر ایک عجیب انہونی سی بات تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کی سربلندی کے لئے فرشتوں کی جماعت مؤمنین کی مدد کیلئے بھیجی، جس سے کفار کے دلوں پر ہیبت طاری ہوگئی۔ اس واقعہ کے متعلق قرآن مجید میں سورۂ انفال کی آیت ﴿هو الذی ایدك بنصره و بالمؤمنین و الّف بین قلوبهم﴾[۴۹] میں اشارۃً ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا نے اسے شعری جامہ اس انداز سے پہنایا ہے:

جاء الملائکة الکرام لنصره ☆ فی یوم بالعلاء شهیر
بالرعب ایّده الاله و بالصبا ☆ و تالف فی جنده المنصور[۵۰]

(۵) معراج کے تذکرے میں اس قصیدے میں سورۂ طور کی آیت " و البیت المعمور "(۵۱) کو بھی شامل کیا گیا ہے، فرماتے ہیں:

اسری الاله بعبده ليلا الى ☆ البيت الذى سمّاه بالمعمور (۵۲)

(۶) رسول اکرم ﷺ کے کلام مبارک کے سلسلہ میں قرآن کریم میں آتا ہے ﴿و ما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى﴾ ان آیات کی ترجمانی اگرچہ مولانا رومی نے فارسی زبان میں ہو بہو کردی ہے:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ☆ گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود (۵۳)

(انکی کہی ہوئی بات اللہ کی کہی ہوئی ہوتی ہے، اگرچہ بندہ کی زبان سے ہوتی ہے)
مولانا نے اپنے قصیدے میں درج بالا آیت کی تشریح اس انداز میں کی ہے:

حتى اذا اوحى اليه ربه ☆ من بعض ماوحى من المأمور (۵۴)

(۷) حضورِ اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور عیال کی پاکیزگی کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهركم تطهيرا﴾ (۵۵) اسی مضمون کو مولانا نے ایک شعر میں اس طرح بیان کیا ہے:

و الله طهرهم و اذهب رجسهم ☆ اهل النبى باحسن التطهير (۵۶)

(۸) معجزۂ شق قمر کو مولانا نے اس قصیدے میں تھوڑی سی جدت کیساتھ بیان کیا ہے جو کافی حد تک پہلے قصیدے کے اشعار سے مماثل ہے، لیکن "اشارہ" نے جدت پیدا کردی ہے:

قد شق صدر البدر منك اشارة ☆ بالفِلقَتين و انت خير مشير (۵۷)

(۹) گناہ گاروں کے قبر سے اٹھنے کا ہولناک تذکرہ کرتے ہوئے قرآن پاک نے انکی جو تصویر کشی کی ہے وہ اس طرح ہے ﴿خشعا ابصارهم يخرجون من الاجداث كانهم جراد منتشر﴾ (۵۸) اس آیت کے پہلے جزو کو مولانا نے منافقین مدینہ کیطرف اشارہ کرتے ہوئے کس خوبصورتی سے استعمال کیا ہے یہ بھی ملاحظہ کے قابل ہے، فرماتے ہیں

يلقون احمد خشعا ابصارهم ☆ سودا وجوههم كلون القير(۵۹)

(۱۰) اسی طریقہ پر صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کر رہے صحابۂ کرام کے بارے میں قرآن کہتا ہے ﴿ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله﴾(۶۰) مولانا نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صحابۂ کرامؓ کی اس مقدس جماعت کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

ان الذين يبايعونك انما ☆ قدبايعوا الله بغير نكور(۶۱)

ایسے ہی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ولسوف يعطيك ربك فترضى﴾(۶۲) اس آیت کے تناظر میں مولانا کے اس شعر کو ملاحظہ فرمایئے کہ مولینا نے کس طرح قرآنی الفاظ کو شعر کے قالب میں ڈھالا ہے:

و سوف يعطيك الاله رضاك فى ☆☆ يوم النشور باجمل التخيير(۶۱)

ان مثالوں سے یہ چیز وضاحت کے ساتھ سامنے آ گئی ہے کہ قرآنی مضامین و مباحث پر مولانا کی نظر کس قدر گہری تھی اور انہیں اپنی شاعری میں کتنے سلیقے سے برتتے تھے۔ علاوہ ازیں مولانا نے قرآنی مفاہیم کو جس طرح اشعار کی زینت بنایا ہے، اس کی متعدد مثالیں ہیں، جن کا تذکرہ طوالت سے خالی نہیں ہوگا۔ اسی طرح بہت سے اشعار میں مفاہیم احادیث کو سمونے کی قابلِ ذکر کوشش کی گئی ہے۔ مولانا کے یہ قصائد بعض دوسری خصوصیات و امتیازات کے بھی حامل ہیں۔ ان میں تاریخی واقعات کے علاوہ جغرافیائی معلومات بھی دی گئی ہیں۔

الغرض مولانا کی نعتیہ شاعری میں جہاں ایک طرف عشق و محبت کا دریا موج زن ہے، وہیں علم و ادب کی شناوری بھی مولانا نے کی ہے، اور اپنی شاعری کو قرآن کریم کے الفاظ سے صاف ستھرا بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اور اس میں انہوں نے شاعری کے فن کارانہ اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان قصائد کو قرآن و حدیث، تاریخ و ادب، سوانح و سیرت مبارکہ کا علمی مرقع بنا دیا جو بہر طور قابلِ داد ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عربی کے قادر الکلام ہندوستانی نعت گو شعراء میں سے ایک تھے، جو نعت گوئی میں ید طولی رکھتے تھے۔

حواشی پانچواں باب فصل اول

(۱) تذکرۃ الظفر رص:۶۱

(۲) تذکرۃ الظفر رص:۲۰۹

(۳) وسیلۃ الظفر رمولنا ظفر احمد عثمانی رمطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۶۳ھ

(۴) عربی میں نعتیہ کلام رعبد اللہ عباس ندوی رمکتبہ اسلام لکھنؤ ۱۹۷۵ء ۱۳۹۵ھ رص:۳۳

(۵) نقوش (سیرت رسول نمبر) لاہور رجنوری ۸۴ء ر۱۰ر۱۲۴

(۶) تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے ''ہندوستان میں عربی شاعری'' میں درج بالا شعراء کا تعارف اور نمونہ کلام

(۸/۷) دائرہ معارف اسلامیہ ۴۰۰/۲۲

(۱۰/۹) ملاحظہ کیجئے ''نوز علیٰ نور'' رمولنا ظفر احمد عثمانی رمکتبہ امداد الغرباء سہارن پور ۱۳۵۴ھ

(۱۱) یہ قصیدہ ماہنامہ الرشید لاہور کے نعت نمبر (۱۴۱۰ھ) میں بھی شائع ہوا ہے ملاحظہ فرمائیں ص:۲۰۵ تا ص:۲۲۰

(۱۲) یہ قصیدہ بھی الرشید نعت نمبر میں شائع ہوا ہے ملاحظہ فرمائیں ص:۲۳۲ تا ص:۲۳۷

(۱۳) یہ قصیدہ ماہنامہ قاسم العلوم، دیوبند میں ''بضاعۃ مزجاۃ'' کے عنوان سے بھی شائع ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ قاسم العلوم دیوبند رذی الحجہ ۱۳۵۳ھ رص:۵ تا ۸

(۱۴) لا اقسم بہذا البلد وانت حل بہذا البلد القرآن الکریم ۹۰ ر۱-۲

(۱۵) ابو فراس ہمام بن غالب المعروف بہ فرزدق (۲۰-۱۱۴ھ ر۶۴۱-۷۳۲ء) بصرہ میں پیدا ہوا عہد بنی امیہ کا مشہور شاعر گذرا ہے۔ جریر اس کا حریف تھا۔ دونوں کی مقابلہ آرائی نے شعر کی ایک نئی قسم ''نقائض'' کو جنم دیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے ''دیوان الفرزدق مع شرح استاد علی فاعور ردار الکتب العلمیۃ بیروت ر۱۹۸۷ء ۱۴۰۷ھ رص:۵ تا ۸

(۱۶) جریر بن عطیہ الخطفی (۳۳-۱۱۴ھ ر۶۵۳-۷۳۳ء) یمامہ میں پیدا ہوا۔ شعر گوئی فطرت میں داخل تھی جس نے فرزدق کے بالمقابل لا کھڑا کیا۔ فرزدق کی وفات کے چالیس یا اسی دن بعد انتقال کیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ شرح دیوان جریر رمحمد اسماعیل عبد اللہ الصاوی ردار الاندلس بیروت ربدون سن رص:۳-۷

(۱۷) نعت (لغوی مفہوم) ڈاکٹر ریاض مجید رنقوش لاہور ررسول نمبر رجنوری ۸۴ء ر۱ر۴۳

(۱۸) القرآن الکریم ر۲۲ر۷۸ (۱۹) نوز علیٰ نور رص:۴ (۲۰) القرآن الکریم ر۳ر۱۰۱

(۲۱) نوز علیٰ نور رص:۵ (۲۲) القرآن الکریم ر۳ر۱۳۳ (۲۳) نور علیٰ نور رص:۷

(۲۴) القرآن الکریم ر۱۱۱ر۱ (۲۵) نوز علیٰ نور رص:۸ (۲۶) القرآن الکریم ر۷ر۱

(۲۷) القرآن الکریم ۱۳/۵۳۔۱۳ (۲۸) نوز علی نور ص:۹ (۲۹) القرآن الکریم ۳/۶۷
(۳۰) القرآن الکریم ۵/۷۱ (۳۱) نور علی نور ص: ۱۲ (۳۲) القران الکریم ۲۵/۴۶
(۳۳) نوز علی نور ص:۱۳ (۳۴) القرآن الکریم ۱/۵۴ (۳۵) نوز علی نور ص:۷
(۳۶) نوز علی نور ص:۷ (۳۷) القرآن الکریم ۹۶/۱۲ (۳۸) نوز علی نور ص:۱۶
(۳۹) القرآن الکریم ۱۵/۷۶۔۲۰ (۴۰) نوز علی نور ص:۱۶ (۴۱) القرآن الکریم ۲۹/۲۸
(۴۲) وسیلۃ الظفر ص:۳۰ (۴۳) القرآن الکریم ۶/۹۴ (۴۴) وسیلۃ الظفر ص:۳
(۴۵) القرآن الکریم ۱/۹۰۔۲ (۴۶) وسیلۃ الظفر ص:۴ (۴۷) القرآن الکریم ۴/۴۸
(۴۸) وسیلۃ الظفر ص:۵ (۴۹) القرآن الکریم ۶۳/۸۔۶۴ (۵۰) وسیلۃ الظفر ص:۶
(۵۱) القرآن الکریم ۳/۵۳ (۵۲) وسیلۃ الظفر ص:۷
(۵۳) مثنوی رومی/مولنا جلال الدین رومی/مطبوعہ بریل (لیڈن) ۱۹۲۵ء/ص:۱۱۸/شعر:۱۹۳۶
(۵۴) وسیلۃ الظفر ص:۹ (۵۵) القرآن الکریم ۳۳/۳۳ (۵۶) وسیلۃ الظفر ص:۱۱
(۵۷) وسیلۃ الظفر ص:۱۳ (۵۸) القرآن الکریم ۷/۵۴ (۵۹) وسیلۃ الظفر ص:۱۲
(۶۰) القرآن الکریم ۱۰/۴۸ (۶۱) وسیلۃ الظفر ص:۱۴
(۶۲) القرآن الکریم ۵/۹۳ (۶۳) وسیلۃ الظفر ص:۱۴
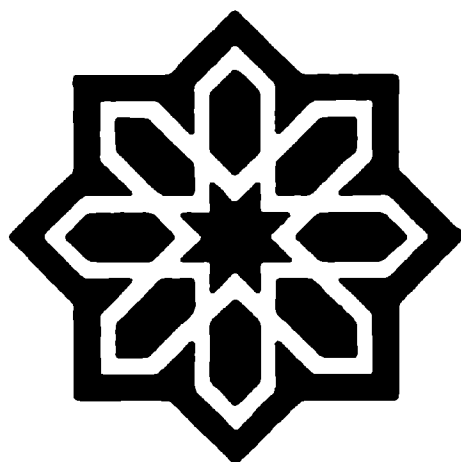
فصل دوم

عمومی قصائد

تمہید:

مولانا ظفر احمد صاحب نے عربی زبان میں تحقیق و تجزیہ کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ نعت گوئی میں ہم انکے مقام کو گذشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں۔ یہاں ان کے ان چند قصائد کا تذکرہ مقصود ہے جن میں شخصیات کو موضوع سخن بنایا گیا، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے شخصیات سے متأثر ہو کر جو کچھ تعریف و توصیف کی، اس میں بھی انہوں نے نعتِ نبی کو پیش نظر رکھا۔ وہ کسی شخصیت کے اوصاف کو ذکر کرتے ہوئے ممدوحِ حقیقی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کے اخلاقِ عالیہ کا تذکرہ اتنا برمحل کرتے ہیں کہ وہ شعری ضرورت معلوم ہونے لگتا ہے، اور ان کے ذوقِ نعت گوئی کی تسکین بھی ہو جاتی ہے۔

مولانا کے جو قصائد مختلف رسائل و کتب میں طبع ہو چکے ہیں انہیں یکجا کرنے کے لئے بہت عرق ریزی کے بعد چند قصائد فراہم ہوئے، جو قارئین کی دلچسپی کے لئے آئندہ صفحات میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

قصیدہ نمبر ایک

نواب صادق علی کی شان میں

۱۳۲۸ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور میں (جہاں مولانا نے کچھ دن پہلے ہی تدریسی ذمہ داریاں سنبھالی تھیں) ریاست خیر پور (سندھ) کے وزیر اعظم آنریبل نواب صادق علی، اپنے ساتھیوں شیخ ممتاز علی اور مولانا مشتاق احمد صاحب کے ہمراہ مدرسہ کے معائنہ کے لئے تشریف لائے تو اس موقع پر ان حضرات کے استقبال کے لئے ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا، جس میں مولانا ظفر صاحب نے وزیر اعظم موصوف اور دیگر رفقاء کی شان میں ایک عربی قصیدہ پیش فرمایا۔(۱)

اس قصیدے میں ہمیں غزل کی چاشنی بھی ملتی ہے، اور نعت کی جاذبیت بھی، مدح سرائی کے طریقے بھی معلوم ہوتے ہیں اور حسنِ طلب بھی، اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ قصیدہ اپنی بنیاد پر قائم ہے۔ حسبِ دستور اس کی ابتداء تشبیب سے ہوتی ہے، اور ابتدائی چار اشعار خلاصۂ غزل کا رنگ لئے ہوئے ہیں، جو ممدوح کی مدح کی تمہید کا بھی حق ادا کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

حُلِیتُ حیاۃ العاشقین نوار ☆ فتلألأ بومیضها الاسحار
عاشقوں کی زندگی کو کلیوں کی مانند جلا مل گئی اور اس کی چمک سے صبحیں منور ہوگئیں

ان اسفرت عن وجهها و تبخترت ☆ ازری الغصون قوامها الخطار
اگر وہ اپنے چہرے سے نقاب ہٹا کر اٹھلائے تو شاخوں کی لچک اور ڈالیوں کا جھولنا بھی ہیچ معلوم ہو

و اذا تحلت للانام بحسنها ☆ شخصت لرؤیة وجهها الابصار
اور اگر عوام کے سامنے لباس حسن اوڑھ کر آجائے تو نگاہیں اس کے چہرے کے دیدار میں پھٹی رہ جائیں

و اذا رنت اسرت فیالعیونها ☆ ترمی القلوب و ما لها اوتار
اسکی نگاہوں کا کیا کہنا وہ جسے دیکھ لے اسے اپنا اسیر بنالے نگاہیں دلوں پر تیر چلاتی ہیں حالانکہ انکے پاس کمانیں نہیں ہیں

اس مجازی مدح سے شاعر کا ذہن مدحِ حقیقی (رسول اکرم ﷺ کی مدح) کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور وہ اپنے ذہن کو حبِ رسول ﷺ سے سرشار محسوس کرتے ہوئے مدحِ نبوی کی طرف گریز کرتے ہیں، جس کا اظہار آپ نے اس انداز سے کیا ہے

قد كنت احسب مذ ولدت بانها ☆ لم تأت قط بمثلها الاقدار

جب سے میں پیدا ہوا ہوں اسی وقت سے سوچتا ہوں کہ اس جیسی قابل قدر شخصیت کوئی اور نہیں ہے

لكنني لما انتهيت الى الذى ☆ ظلم الزمان بوجهه انوار

لیکن میں جب اس تک پہونچا تو اس کے چہرے کے انوار سے زمانہ کی تاریکیاں ختم ہو گئیں

ايقنت ان الغيب لله الذى ☆ ما فى خزائن علمه اضمار

پھر مجھے یقین ہو گیا کہ غیب صرف اللہ کے لیے ہے جس کے علم کے خزانے میں چیزیں پوشیدہ ہیں

بشرى فقد عاد الزمان بخيره ☆ و الشر كان لجيشه الادبار

خوشخبری ہو کہ زمانہ خیر کے ساتھ واپس آ گیا اور برائیوں کا لشکر پسپا ہوتا جا رہا ہے

مدحِ نبوی کے اظہار کے بعد نواب صادق علی اور ان کے ساتھیوں کی مدرسہ آمد پر خوشی و مسرت کا اظہار، اور ان کے اوصاف جود و سخا، لطف و عنایات کی طرف اشارے کے ساتھ ساتھ ان کی آمد سے مدرسہ کی فضاؤں پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں ان کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے:

جاء الامير ففاحت الازهار ☆ و تعطرت لشميمه الاقطار

امیر کی تشریف آوری نے پھولوں کی خوشبو بکھیر دی اور پورا علاقہ اس خوشبو سے معطر ہو گیا

لبست رياض العلم ثوب بهائها ☆ و تغردت طربابها الاطيار

علم کے باغیچوں نے اپنے رونق دار لباس پہن لیے ان کی آمد سے خوش ہو کر پرندے نغمے گانے لگے

و بدت تسر الناظرين رواؤها ☆ و تفتقت بثناء ها النوار

اس کی رونق دیکھنے والوں کو خوش کرنے لگی اور کلیاں اس کی تعریف میں چٹکنے لگیں

يدعى بصادق العلى فانه ☆ شهدت بصدق فعاله الاخيار

ان کا نام صادق علی اس لیے ہے کیونکہ نیک لوگوں نے ان کے سچے کاموں کی گواہی دی ہے

لو لاح طلعته المنيرة فى الدجى ☆ لتلت نشيد ثناء ه الاقمار
اگر تاریکی میں ان کا روشن چہرہ طلوع ہو جائے تو چاند بھی ان کی خوبصورتی کی تعریف کے گن گانے لگے

او ان رأته الساجعات ترنمت ☆ نعم الامير و نعمت الانصار
یا اگران کو اچھی اونٹنیاں دیکھ لیں تو وہ گنگنانے لگیں کہ کتنا اچھا امیر ہے اور کتنے اچھے اس کے دوست ہیں

طوبى لمدرسة اضاء ربوعها ☆ بسناء ها فاحاطها الانوار
خوش بخش ہے اس مدرسہ کی جسکی چہار دیواری میں اس امیر کی چمک دمک سے روشنی ہوگئی اور روشنیوں نے اس مدرسہ کو گھیر لیا

اهلا و سهلا بالوزير و مرحبا ☆ عطرت لطيب قدومه الامصار
خوش آمدید اے وزیر کہ تمہاری آمد کی خوشبو سے شہر معطر ہوگیا

قصیدہ کا ایک حصہ طلب پر مبنی ہے، جس کا دوسرا نام مدعا ہے۔ یہ حاصل قصیدہ کہلاتا ہے، مدرسہ کی ضروریات کی طرف توجہ دلانے کے لئے وزیر اعظم کی سخاوت، لطف و عنایات اور غرباء پروری کے اوصاف کا تذکرہ کر کے اشارۃً یوں تذکرہ کیا گیا ہے:

يا من سقى تلك الديار وزانها ☆ زينت بقصة جودك الاسمار
اے وہ شخص (وزیر موصوف) جس نے اس شہر کو سیراب کیا اور زینت بخشی تمہاری سخاوت وفیاضی کے قصوں سے قصہ گوئی کی شبینہ مجلسیں بارونق ہوگئیں

زاد الاله سناء وجهك انه ☆ قضيت لغرة وجهك الاوطار
اللہ تعالیٰ تمہارے چہرہ کی چمک دمک کو زیادہ روشن کرے تمہارا بھولا بھالا چہرہ عوام کی خواہشات پوری کرنے والا ہے

شرفت مدرسة تلوح كانما ☆ للناس فى ليل الجهالة نار
تم نے اس مدرسہ کو شرف بخشا جو جہالت کی تاریکی میں عوام کیلئے آگ کی مانند روشن ہے

لا زلت مبتهج الفؤاد و لم تزل ☆ تسقى العلوم غيوثك المدرار
تم ہمیشہ سے دلوں کو خوشی بخشنے والے ہو۔ موسلا دھار بارش کی مانند تمہاری سخاوت نے علوم کو سیراب کیا ہے

آخری دو اشعار دعاء سے متعلق ہیں، جن پر قصیدہ ختم کر دیا گیا ہے:

و وقيت عن ريب الزمان و لم تزل ☆ تتلى لشكر صنيعك الاشعار
اللہ تعالیٰ زمانے کے شکوک و شبہات سے تمہیں محفوظ رکھے اور تمہارے کارناموں کے شکریہ میں ہمیشہ اشعار کہے جاتے رہیں

اقصر ظريف عن الاطالة انه ☆ يكفى القليل و يكره الاكثار
اے ظریف (مولانا کا تخلص) اس تعریف کو طوالت سے بچاتے ہوئے مختصر کرے کیونکہ کمی کافی ہوتی ہے اور زیادتی ناپسند ہوتی ہے

قصیدہ نمبر دو

مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری کی شان میں

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ رحمۃ اللہ علیہ (صفر ۱۲۶۹ھ/ دسمبر ۱۸۵۲ء - ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ) مولانا ظفر صاحب کے مرشد ومربی تھے۔ ''بذل المجہود فی شرح ابی داوٗد'' ان کی مشہور ومعروف تالیف ہے۔ ۱۳۳۳ھ میں جب سفرِ حجاز کے لئے تشریف لے گئے تو عام اندازہ یہی تھا کہ وہ ہجرت کر گئے ہیں۔ جس کا تاثر مولانا کے پیش آمدہ قصیدہ سے بھی ملتا ہے۔ لیکن مولانا خلیل احمد صاحب کا یہ سفر حج کے بعد پورا ہوا اور پھر غالباً ۳۴ھ میں واپس تشریف لے آئے۔ (۲)

اپنے شیخ طریقت کے اس سفرِ حج کے موقع پر مولانا ظفر احمد صاحب نے ایک عربی قصیدہ مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۴/ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ (۱۹/ مارچ ۱۹۱۶ء) میں پیش کیا، (۳) اس قصیدہ میں مولانا نے اپنے مرشد مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی وقتی جدائی پر اپنی بے صبری، بے چینی اور جذباتی کیفیت کو اپنے مخصوص انداز سے ہٹ کر عاشقانہ انداز سے پیش کیا ہے، ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں:

یقولون لی صبرا غداۃ رحیل ☆ فکیف اصطباری و الرحیل مزیلی
لوگ مجھ سے فراق کے دن صبر کیلئے کہتے ہیں مگر صبر کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ فراق مجھے ہی فنا کرنیوالا ہے

سقتنی سلیمی کأس خمر و غادرت ☆ اھیم بوادی الحب غیر عقیل
محبوب نے مجھے شراب محبت کا ایک پیالہ پلا کر اس حالت میں چھوڑ دیا کہ میں مجنونانہ وار دشت محبت میں گھومتا ہوں

اری تارۃ خلفی و انظر تارۃ ☆ امامی و زادت حسرتی و نحولی
کبھی پیچھے دیکھتا ہوں کبھی آگے نظر کرتا ہوں اور حسرت و لاغری زیادتی پر ہے

اسائل ھذا ثم ھذا و اتقی ☆ سماع کلام مشعر برحیل
اِس سے اور اُس سے (سفر محبوب کی بابت) سوال کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ کوئی فراق کی خبر نہ سنا دے

لقد حملتنی منیۃ القلب بعد ھا ☆ بحمل عظیم لا یُطاق ثقیل
اس آرزوئے دل مضطر نے اپنے پیچھے میرے اوپر اتنا بڑا بھاری بوجھ ڈالدیا جس کی مجھے طاقت نہ تھی

ہجر و فراق کے اسی طرز کو جاری رکھتے ہوئے اس کو اپنی ہلاکت سے تعبیر کرتے ہیں۔ شیخ کی جدائی کتنا مشکل مرحلہ ہے، اس کا اندازہ درج ذیل اشعار سے ہوتا ہے:

الم تر ان الهجر يقتل صبّها ☆ الم تر ضعفي و رقتي و ذبولي

کیا اس نے یہ بات نہ سمجھی تھی کہ فراق اس کے عاشق کو ہلاک کر دیگا؟ کیا اسنے میرے ضعف و نزاکت ولاغری پر نظر نہ کی

فلما تبينت الزمان كأنه ☆ بسيف رقيق الشفرتين صقيل

پس جب میں نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ زمانہ تلوار دھار دار تیز لیے ہوئے ہے

يقطع اوصال الوصال مفجعا ☆ بطول بعادٍ بعد طول وصول

وصال کی رگوں کو قطع کرتا ہوا بعد وصال دراز کے فراق طویل کی خبر وحشت اثر سنا رہا ہے

تكدرت الدنيا بعيني و لم يطب ☆ لي العيش الا في بكا و عويل

تو دنیا میری آنکھوں میں مکدر ہوگئی اور رونے چیخنے کے سوا کسی بات میں زندگی خوشگوار نہ ہوئی

اس کے بعد وہ مخاطب سے فرماتے ہیں کہ حب خلیل پر مجھے ملامت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، کیوں کہ میرے دل سے ان کی محبت نکل نہیں سکتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی محبت میں اپنے آپ کو فنا کر دیا ہے، جس کی وجہ سے وہ ہر بیمار دل کی شفا بن گئے ہیں، اور انکے چہرے پر ایک مخصوص قسم کا نور چمکنے لگا ہے:

تلوم على حب الخليل و لم يكن ☆ ليسلو قلبي عن وداد خليل

اے مخاطب تو مجھ کو مولانا خلیل احمد کی محبت پر ملامت کرتا ہے مگر میرا دل ان کی محبت سے نکل نہیں سکتا

فدته نفوس العاشقين فانه ☆ لعمرى شفاء كل قلب عليل

عشاق کی جانیں ان پر فدا ہوں کیونکہ وہ میری جان کی قسم ہر بیمار دل کی شفاء ہیں

تراه اذا ما جئته متهللا ☆ بنور من الله العظيم جليل

جب تم ان کے پاس آؤ تو ان کے چہرے کو خدائے بزرگ کے نور سے چمکتا ہوا پاؤ گے

اسی وجہ سے مولانا ان ملامت کرنے والوں کو جنہوں نے اب تک مولانا کی زیارت نہیں کی یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ ان کی زیارت کر کے دیکھنے سے ہی ان کے نور کا اندازہ ہو سکے گا، جب ان کے باجمال چہرے پر نظر پڑے گی تو ملامت کرنے والے ان کے جمال کو دیکھ کر اللہ کی بڑائی کہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور ان کی محبت خود بہ خود

دلوں میں گھر کر جائے گی۔اور حقیقت یہ ہے کہ محبت انسان کے لئے قاتل ہے، لیکن اگر محبت سچی ہو تو عاشق اور معشوق دونوں کے لئے باعثِ برکت ہے۔اسی کے ساتھ مولانا اس کیفیت کا اظہار بھی کر رہے ہیں کہ سہارنپور سے مولانا خلیل احمد صاحب کی عدم موجودگی کے سبب یہ شہر صحرا اور بیابان میں تبدیل ہو جاتا ہے:

ا یعذلنی من لم یشف بعد وجهه ☆ و لن یحدوا حقا له بمثیل
جسے ان کی زیارت ابتک نہیں کی مجھے ملامت کرتا ہے حالانکہ سچ یہ ہے کہ ان کی نظیر ہرگز نہ مل سکے گی

فلو لاح من بعد محیا جماله ☆ لکبر لله الجلیل عذولی
مگر دور سے ان کا باجمال چہرہ ظاہر ہو جاوے تو مجھے ملامت کرنے والا خدائے بزرگ کی تکبیر کہنے لگے

یقولون ان الحب قتالة الفتی ☆ و طوبی لصب فی الغرام قتیل
لوگ کہتے ہیں کہ محبت انسان کیلئے قاتل ہے میں کہتا ہوں کہ عاشق مقتول محبت کے لیے مبارک باد ہو جیو

کأن سهارنبور ما فیه واحد ☆ اذا لم یکن فیه جمال خلیل
سہارنپور میں جب مولانا خلیل احمد صاحب کا جمال نہ ہو تو گویا اس میں کوئی بھی نہیں ہوتا

مولانا نے اپنی اس عاشقانہ کیفیت کو حب نبی ﷺ کی طرف موڑ کر اس قصیدہ کو نعت کا رنگ دے دیا ہے، اس کا اظہار لفظِ ''ینبوع'' سے کیا گیا ہے، جسے مولانا نے اس قصیدہ میں ذو معنیین استعمال کیا ہے۔ ''ینبوع'' مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی کا بھی نام ہے اور اس کا لغوی مفہوم چشمہ، ندی، بہت پانی والا نالہ کے لئے بھی لیا جاتا ہے:

فیا لیت امی لم تلدنی او اننی ☆ شفیت بینبوع الوصال غلیلی
پس کاش یا تو میں پیدا نہ ہوتا یا کہ ینبوع سے مل کر میں بھی اپنی پیاس بجھاتا

تری هل یعود الشمل بعد تفرق ☆ مشتت قلب المستهام طویل
دیکھیے بعد اس فرقت دراز کے جس سے عاشق کا دل پارہ پارہ ہو گیا وصال بھی عود کرے گا

دعته دواعی الشوق من حب احمد ☆ فاضحی بخیر الارض خیر نزیل
مولانا کو حضور سرور کائنات سیدنا محمد ﷺ کی محبت سے پیدا ہونے والے شوق نے بلایا تو وہ بہتر زمین میں بہتر مقیم ہو گئے

چوں کہ مولانا خلیل احمد صاحب کا سفرِ مدینہ منورہ حضورِ اکرم ﷺ سے قلبی محبت و عشقِ حقیقی کا عملی اظہار تھا، اسی وجہ سے شاعر کا خیال بھی رسول اکرم ﷺ کی

تعریف وتوصیف کی طرف منتقل ہوگیا۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ جب تمام جہانوں کے لئے ہادی بن کر تشریف لائے تو آپ کی یہ آمد طلوعِ آفتاب وماہتاب سے بڑھ کر تھی۔ اور پھر ایسی روشن دلیل (قرآن) کے ساتھ تشریف لائے کہ جس کی نظیر تا قیامت پیش نہیں کی جاسکتی، جس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی ہر ہر بات سچی ہے، کیوں کہ قرآن کریم خود آپ کا مؤید ہے:

نبی اتی للعالمین ھدایة ☆ بوجه یفوق النیّرین جمیل

وہ ایسے نبی ہیں جو تمام جہاں کیلئے ہادی بنکر ایسے خوبصورت چہرے کے ساتھ تشریف لائے جو آفتاب و ماہتاب سے بھی فائق ہے

اتانا بنور اعجز الناس مثله ☆ فلا یسمع الدعوی بغیر دلیل

آپ ہمارے پاس ایسا چمکتا ہوا معجزہ لائے جسکی نظیر سے تمام لوگ عاجز ہوگئے کیونکہ دعویٰ بلا دلیل قابلِ سماعت نہیں ہوتا

فامسٰی کتاب اللہ ردءً مصدقا ☆ لقول رسول اللہ خیر رسول

پس قرآن مجید مؤید ہوکر نازل ہوا اللہ کے سچے رسول اور افضل رسل کی ہر بات کی تصدیق کیلئے

ایسے صادق وسچے رسول ﷺ جو کہ نسبی ونسلی شرافت کے بھی حامل تھے اور ان کا قبیلہ اپنی شرافت وکرامت کے اعتبار سے عرب کا معزز ترین قبیلہ تھا، ان پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے علاوہ اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو کسی عاشق کو وصالِ محبوب نصیب نہیں ہوسکتا تھا:

فاکرم به من طاھر الاصل ماجد ☆ من اشرف بیت من اعز قبیل

پس آپکی بزرگی کا کیا بیان ہوسکے آپکی اصل پاکیزہ خود بھی بزرگ شریف تر گھرانے سے پیدا ہوئے معزز قبیلہ کی طرف منسوب ہوئے

بنفسی و روحی المصطفی سید الوری ☆ ابو القاسم الھادی لخیر سبیل

میرا دل و جان حضور سرورِ کائنات سیدنا ابوالقاسم محمد مصطفیٰ ﷺ پر فدا ہو جو بہتر راستہ دکھلانے والے ہیں

فلو لم یکن لم یعرف اللہ واحد ☆ ولم یُحظَ مشتاق بوصل خلیل

اگر آپ نہ ہوتے تو معرفت الٰہی کسی کو نہ حاصل ہوتی اور کسی عاشق کو وصال محبوب نصیب نہ ہوتا

آخری شعر میں سلام ودرود پر قصیدہ تمام ہوا:

علیه سلام اللہ ما رام عاشق ☆ وصال حبیب او ذھاب تلیل

آپ پر حق تعالیٰ کیطرف سے صلوٰۃ وسلام نازل ہوتا رہے جبتک کہ کوئی عاشق محبوب کے وصال کی یا گردن کی جدائی کی تمنا کرتا رہے

قصیدہ نمبر تین

مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی شادی کے موقع پر (۴)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی صفر ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں شادی ہوئی تو مولانا ظفر احمد صاحب اس موقع پر مندرجہ ذیل عربی سہرا کہا (بہ شکریہ مولانا محمد شاہد صاحب سہارن پوری مدظلہ العالی)۔

تَهْنِيَةُ نِكَاحِ الْفَاضِلِ الْمَولوِيْ مُحَمَّدزَكرِيَاقُرَّةَ عَيْنِ الْمَرحُومِ مُحَمَّد يَحيىٰ تغمدهُ برحمته رب البرايا

مولانا محمد یحییٰ صاحب مرحوم کی آنکھوں کی ٹھنڈک مولوی محمد زکریا کے نکاح کے موقع پر۔

أَيَا آل يَحيىٰ قدّس الله سِرَّهُ ☆ هَنِيئاً بخيروالهناءُ كبيرُ

اے یحییٰ کی اولاد! اللہ تعالیٰ اس کے نسب کی پاکیزگی کو برقرار رکھے تمہارے لئے خیر مبارک ہو مبارک بادی بہت بڑی چیز ہے

فمااكثرالاخبار نحوى بحزنكم ☆ فَهَل يَاتِيَنِّى بِالسُّرُورِ بَشِيْرُ

تمہارے حزن وملال کی خبریں کس کثرت سے میرے پاس آرہی تھیں (میں منتظر تھا کہ) کوئی خوشخبری لے کر میرے پاس آئے

لَقَدْكَانَ قلبي مَاتَ يَومَ فَقَدتُهُ ☆ ولكن أُعيد اليوم فيه سرورُ

میرا دل تو اسی دن مرگیا تھا جس دن مولانا محمد یحییٰ صاحب کی وفات ہوئی تھی لیکن اس میں آج پھر خوشی لوٹ آئی ہے

فَاِنْ كَانَ يَحيىٰ قَدْ فَقَدْنَافَاِبْنُهُ ☆ أتىٰ يُشْبِهُ الآباء وَهُوَ صَغِيرُ

اگرچہ (مولانا) یحییٰ ہم سے دور ہوگئے مگر ان کا بیٹا تو بچپن ہی سے اپنے باپ دادا کے مشابہ چلا آیا۔

وَقَرتْ عُيُوْنِي اِذْ رَأتهُ فَاِنَّهُ ☆ لعمرى الى ذاك الجمال يشيرُ

اس کو دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتی ہیں کیونکہ میری جان کی قسم! بیٹا اپنے باپ کے جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے

وكَانَ (۵) يَحيىٰ ولَم يَمُتْ بَعدُ اِنَّهُ ☆ فَتَاهُ لَهُ في المكرمات نَظِيرُ

اور اب ایسا لگتا ہے کہ گویا یحییٰ کی وفات نہیں ہوئی کیوں کہ ان کا جوان بیٹا تمام فضائل میں ان کی نظیر موجود ہے

فَيَاسِبطُ (۶) يَحيىٰ لَم تَزَل فِي حِمَايَةٍ ☆ مِنَ اللّٰهِ فِي الدَّارَين وَهُوَ قَدِيرُ

اے خاندان یحیوی! تم ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمایت میں رہو اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہیں

ومازلت مسرور الفؤاد ولم یزل ☆ یَجِیءُ اِلَیکَ الْخیرُ وَھُوَ دَرِیْرٌ (۷)

اور تم برابر خوش دل رہو اور بھلائی بکثرت برابر تمہاری طرف آتی رہے۔

وَکُنْ یَاابْنَ یَحییٰ فِی عُلُومٍ وَحِکْمَۃٍ ☆ لَکَ اللّٰہُ فِی کُل الامور نصیرٌ

اے یحییٰ کے لخت جگر! تم علوم وحکمت میں کمل مل جاؤ، اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں میں مددگار ہو جائیں

فَتُحییٰ بِکَ الاَسْلاَفُ طراً ویَھْتَدِی ☆ بِکُم مَن اِلیٰ وَادِی الضَّلالِ یَصِیرُ

تم سے تمام اسلاف کی یاد تازہ ہو جائے اور تم سے وہ شخص راہ پا جائے جو گمراہی کی وادی میں بھٹک رہا ہے۔

ھنیئاً لَکُمْ ھٰذَا النِکَاحِ وَخَیرُہُ ☆ بِبَرکَۃِ مولانا الخَلِیلِ کَثِیرٌ

تمہارے لئے یہ نکاح اور اسکی بھلائی مبارک ہو، مولانا خلیل احمد کی کثیر برکتوں کے ساتھ

کَفَاکُم بِاَنَّ الشَّیخْ یَھْوِیٰ اِلَیکُمْ ☆ فھذا بداکم والبدیل کبیرٌ

تمہارے لیے یہ بات کافی ہے کہ شیخ خلیل احمد تمہاری طرف متوجہ ہیں پس یہ اسی کی وجہ سے ہے اور نعم البدل بھی بہت بڑا ہے۔

وَیَالَیتَہُ یَرْنُوا اِلَیَّ بِنَظْرَۃٍ ☆ فَاِنِّی اِلَیْھَا دَائِماً لَفَقِیرٌ

اور کاش کہ مولانا خلیل میری طرف بھی ایک نظر ڈالتے کیوں کہ میں تو ان کی نظر کا ہمیشہ ہی محتاج ہوں۔

وَمَاکَانَ تَسألِی سوَاھَا وَاَنَّھَا ☆ لَدَیْہِ اِذَا مَاشَاءَ ھَا لَیَسِیرٌ (۸)

اور میری ان کے سامنے اس کے علاوہ کوئی درخواست نہیں اگر ان کی عنایت ہو جائے تو یہ بہت آسان ہے۔

فَحَسْبُکَ مَسْئُولاً وَحَسْبِیْ سَائِلاً ☆ وَاِن سوَالَ الْعَاجِزِیْنَ جَدِیرٌ

پس تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم سے درخواست کی جاتی ہے اور میرے لیے یہ کافی ہے کہ میں درخواست کر رہا ہوں اور عاجز لوگوں کا سوال تو قبول کے لائق ہے ہی۔

اَرُوحُ وَفِی قَلْبِی لَھِیْبٌ لِبُعْدِکُمْ ☆ وَفِی العَیْنِ دَمْعُ والفُؤادُیَطِیرُ

میں خوش ہوں حالانکہ تمہاری دوری کی وجہ سے میرے قلب وجگر میں بڑی سوزش ہے اور آنکھ میں آنسو ہیں اور دل اڑا جاتا ہے۔

فلولم یکن بی عائق لوجدتنی ☆ أسِیرُ بِرَاْسِی حَیْثُ اَنْتَ تَسِیرُ

اگر میرے سامنے رکاوٹ نہ ہوتی تو تم دیکھتے کہ جہاں تم چلتے میں وہاں سر کے بل چلا آتا۔

ھذا وقد انشدتہ مرتجلاً والحمد للّٰہ رب العٰلمین فان ھب علیہ نسیم القبول فھو غایۃ المامول ونھایۃ المسئول وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ

سیدنا محمد الاکرم الرسول، وعلیٰ آله واصحابه ماهبت الدبور والقبول. (وانا المسکین ظفر غفر اللّٰه ذنوبه) سہ شنبہ صفر ۱۳۳۵ھ

یہ چند اشعار میں نے برجستہ کہے ہیں (مگر اس میں میرا کوئی کمال نہیں) تمام تعریفات اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ لہٰذا اگر ان کو شرف قبول حاصل ہو جائے تو یہ امیدوں کی آخری منزل اور درخواست کی انتہاء ہوگی۔

اور رحمت کاملہ وسلامتی نازل فرمائے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ پر جو رسولوں میں سب سے مکرم ہیں اور ان کی آل واصحاب پر۔ جب تک مغرب ومشرق سے ہوائیں چلتی رہیں۔

مسکین ظفر غفرلہ ذنوبہ

سہ شنبہ صفر ۱۳۳۵ھ (دسمبر ۱۹۱۶ء)
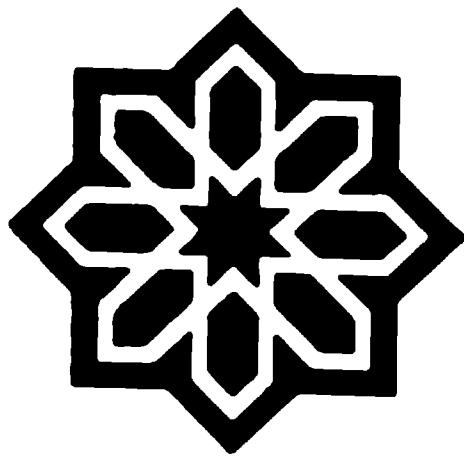
قصیدہ نمبر چار

قبرستان عشق بازاں

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ۱۳۴۴ھ میں ایک قطعہ اراضی اپنی مملوکہ زمین سے اپنے قصبہ تھانہ بھون میں قبرستان کیلئے وقف کیا تھا، جس کے متعلق مولانا ظفر احمد صاحب نے یہ قصیدہ کہا۔ اگر چہ یہ قصیدہ بہت مختصر ہے، لیکن پند و نصائح اور موعظت و نصیحت کو بہت ہی اچھے انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ قصیدہ دس اشعار پر مشتمل ہے۔ [9]
ابتدائی اشعار میں قبرستان کے تعلق سے موت کی یاد دلاتے ہوئے مولانا نے بڑے ہی ناصحانہ انداز میں دنیا کی بے ثباتی اور انسان کے فنا ہونے کے فلسفہ کو بہت مؤثر طریقہ سے پیش کیا ہے:

یا غافلا بلذة عيش معجل ☆ ابصر فتلك عم قليل تدمر

اے جلدی گذرنے والی زندگی کی لذتوں میں غافل شخص غور کرلے کہ یہ لذتیں عنقریب فنا ہونے والی ہیں

كل امرئ يريد بقاه و انما ☆ و الله ان ذاك خيال يصور

ہر شخص اپنی بقا چاہتا ہے حالانکہ خدا کی قسم یہ صرف ایک ایسا خیال ہے جسکا بس تصور ہی کیا جاسکتا ہے

لايمكن القرار بارض اساسها ☆ ماء يموج ثم بناء يدور

ایسی زمین پر قرار ممکن نہیں (کیونکہ) اس کی بنیاد ایسے پانی پر ہے جو لہریں مار رہا ہے جس کی وجہ سے بنیاد (بھی) گھوم رہی ہے

دنیا کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ باقی رہنے والی چیزیں انسان کے اعمال ہیں، اور وہ تعلق مع اللہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ذاتِ حق کی تلاش میں فنا ہونے کے بعد ہی اللہ کی مشیت (رضا) حاصل ہوتی ہے، اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

فاعلم ، هُدِيْتَ، ليس بقاء الحادث ☆ الا بان يكون مع الله يذكر

اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے (کیونکہ) جان لو کہ حادث کیلئے بقاء نہیں سوائے اس کے کہ اللہ کیساتھ اس کا ذکر کیا جائے

من كان طالبا لرضاه و فانيا ☆ فى ذاته فذاك مدى الدهر يظهر

جو شخص اللہ کی رضا کا طلبگار ہو اور اس کی ذات میں فنا ہو جائے وہی ہر زمانے میں زندہ رہتا ہے

هذا له البقاء و لكن مثله ☆ يا صاح فى الزمان قليل واندر

ایسے ہی شخص کے لیے بقاء ہے لیکن ہائے افسوس کہ ایسے لوگ دنیا میں بہت کم اور نادر و نایاب ہیں

خانقاہیں انسانوں کی روحانی تربیت کا مرکز ہوتی ہیں۔ ان میں انسان روحانی سکون محسوس کرتا ہے، اور اس کے لئے حق کو تلاش کرنا آسان ہوتا ہے۔ دنیا سے نفرت اور آخرت سے محبت ان خانقاہوں کا مقصد ہے، اور چوں کہ قبرستان آخرت تک پہونچنے کا ذریعہ ہے، انہیں سب کی طرف اشارہ مندرجہ ذیل اشعار میں موجود ہے:

فاطلبهم ، فديتك ، حيا و ميتا ☆ فى الخانقاه ثم بذى الدار تنفر

اے مخاطب میں تجھ پر قربان تو ایسے لوگوں کو زندہ یا مردہ تلاش کر خانقاہوں میں یا قبرستانوں میں جہاں سے لوگ بھاگتا چاہتے ہیں

هذا المقام فيه نعيم برحمة ☆ من ضمه التراب فذاك المطهر

یہ (قبرستان) وہ مقام ہے جس میں رحمتیں اور نعمتیں ہیں جس کو اس مٹی نے ملا لیا تو وہ بھی پاک ہو گیا

من شاء ان يبيت بروضات جنة ☆ فلياته فذالك روض معطر

جو شخص چاہے کہ جنت کے باغات میں رات گذارے تو وہ یہاں آئے کیونکہ یہی باغ ہیں جن میں خوشبوئیں بکھری ہوئی ہیں

آخری شعر میں مولانا نے مدینۃ الرسولؐ (مدینہ منورہ) اور روضۂ اطہر کی طرف بہت بلیغ انداز میں اشارہ کیا ہے، ''اشرف المقابر نجم منور'' سے جہاں ایک طرف روضۂ نبوی، علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم، کی طرف اشارہ ہے، وہیں اس سے قطعہ اراضی کے وقف کرنے کے ہجری سال (۱۳۴۴ھ) کی تخریج کر کے اسے ذو معنیین بنادیا گیا ہے:

ان يسألوك اين رياحين طيبة ☆ قل "اشرف المقابر نجم منور" (۱۳۴۴ھ)

اگر تم سے پوچھا جائے کہ جنت کی ہوائیں کہاں چلتی ہیں تو تم کہدو کہ قبرستانوں میں سب سے بہتر اس قبرستان میں جہاں روشن ستارے ہیں

قصیدہ نمبر پانچ

مولانا اشرف علی کی شان میں

مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا ظفر احمد صاحب کے حقیقی ماموں تو تھے ہی، ان کے حقیقی مربی، پیرومرشد اور امامِ طریقت بھی تھے۔ غرضیکہ شریعت وطریقت اور تصوف و سلوک کی تمام منازل آپ نے مولانا اشرف علی صاحبؒ کی نگرانی میں طے کی تھیں، اور آپ کی تمام تر تصنیفی وتالیفی کاوشیں انہیں کی خصوصی عنایات کا نتیجہ تھیں۔ چنانچہ آپ نے اعلاء السنن جلد سوم کے ابتدائی صفحات میں مولانا اشرف علی صاحبؒ کے تذکرہ کے ساتھ چند اشعار بھی کہے ہیں۔ (۱۰)

مولانا اشرف علی صاحبؒ نے مخلوقِ خداوندی کو اپنی ذات سے جو فیض پہونچایا اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا:

روی الأنام بفیضه وأظلهم ☆ من نوره ظل بغیر حرور

انہوں نے اپنے فیض سے لوگوں کی تشنگی بجھائی اور لوگوں کو اپنے سایۂ نور میں لے گئے ایسا نورانی سایہ جسمیں کوئی تپش نہیں ہے

بحر الندی قطب الرشاد محدد ☆ و حکیم أمة احمد المنصور

دریائے کرم، محور ہدایت، مجدد اور احمد منصور ﷺ کی امت کے حکیم

اشرف علی المقتدی بفعاله ☆ غوث البریة کل یوم ثبور

اشرف علی اپنے عمل کی وجہ سے لوگوں کے مقتدا بنے ہیں اور ہر مصیبت کے دن وہ لوگوں کے لئے ابر رحمت کے مانند ہیں

اس کے بعد مولانا نے اپنے نعتیہ قصیدہ ''وسیلۃ الظفر'' کے مندرجہ ذیل دو اشعار کو موقع ومحل کی مناسبت سے اس طرح چسپاں کیا ہے:

منه الحیاة لکل حق میت ☆ منه الممات لکل قول زور

ان کی ذات سے حق کی زندگی ہے اور جھوٹ کی موت ہے

منه البياض لكل قلب أسود ☆ منه السوادلكل عين ضرير

ان کی ذات سے ہر قلب سیاہ کو سپیدی ملی اور بیمار آنکھ کو آنکھوں کی سیاہی ان سے ہے

آخری شعر سے دعاء کا اظہار بھی ہے اور مولانا کی ان کوششوں کو خراجِ عقیدت بھی ہے جو انہوں نے زبوں حال ملت کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کے لئے وقتاً فوقتاً کیں:

لا زال فی کنف الاله و لم یزل ☆ عون الخلائق جابر المکسور

وہ ہمیشہ اللہ کی نگہبانی میں رہیں وہ مخلوق کے لیے مددگار اور ٹوٹے دلوں کا سہارا ہیں

قصیدہ نمبر چھ

شیخ زائد بن سلطان کی پاکستان تشریف آوری کے موقع پر

مولانا ظفر احمد عثمانی کی یہ تحریر ہمیں ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی صاحب ڈائریکٹر شریعہ اکیڈمی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد سے موصول ہوئی، جن کے ہم مشکور ہیں۔ (۱۱) اس کے متعلق صرف اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ ساتویں دہائی کے اوائل میں ابوظہبی کے موجودہ سلطان شیخ زائد (جو اس وقت غالباً قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز رہے ہوں گے) مولانا کے مدرسہ ٹنڈو اللہ یار میں تشریف لے گئے ہوں گے جہاں ان کے استقبال میں مولانا نے یہ عربی پڑھا۔ لیکن یہ واقعہ کب ہوا؟ اس کے متعلق کوئی حتمی رائے تلاش بسیار کے بعد بھی نہیں قائم کی جاسکی۔ قارئین کے مطالعہ کے لئے مولانا کی تحریر کا عکس اور آگے قصیدہ بمع ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

شیخ زائد بن سلطان کی شان میں

اهلا و سهلا بزين الحل و الحرم ☆ تهب منه رياح الجود و الكرم

حل وحرم (تمام دنیا) کی زینت کی (تشریف آوری پر) خوش آمدید جس کی وجہ سے سخاوت اور مہربانی کی ہوائیں چل رہی ہیں

اكرم به، من فقيه عابد ورع ☆ قد زانه ربه بالعلم و الحكم

یہ عبادت گذار اور متقی فقیہ کس قدر مکرم ہے جس کو اس کے رب نے علم وحکمت سے مزین کیا

قاضى القضاة امين فى القضاء بما ☆ جاء الرسول به من بادئ النسم

یہ (ایسے) قاضی القضاۃ ہیں جو رسول کریم ﷺ کے لائے ہوئے ان فیصلوں کے امین ہیں جو رسول اللہ پر روح کو پیدا کرنے والے (اللہ تعالیٰ) سے لائے ہیں

و ايد الله سلطانا اضاء به ☆ نهج العدالة فى داج من الظلم

اللہ تعالیٰ ایسے سلطان کی مدد کرے جس کے ذریعہ ظلم کی تاریکیوں میں عدل کا طریقہ روشن ہوا

خير البلاد ابو ظهبى لبهجتها ☆ بنعمة الملك المدرار بالنعم

شہروں میں ابوظہبی اپنی رونق کے لحاظ سے بہت بہتر ہے بادشاہ کے ان انعامات کی وجہ سے بھی جو مسلسل جاری ہیں

طوبى لقوم غدا فى ظل رأفته ☆ يعيش باليمن و الايمان و السلَم

خوش خبری ہے اس قوم کیلئے جو اس کی رحمت کے سایہ میں چل رہی ہے اور رحمت، برکت اور سلامتی کیساتھ زندگی گذار رہی ہے

و اها له من مليك ماجد بطل ☆ مجاهد فى سبيل الله ذو همم

خوش خبری ہے اس بادشاہ کیلئے بھی جو بزرگ، جواں مرد، مجاہد فی سبیل اللہ اور باہمت ہے

يا زائد! فجزاك الله مكرمة ☆ و خصك الله بالنعماء كالديم

اے زائد! اللہ تعالیٰ تمہیں عزت واکرام کیساتھ جزا دے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان نعمتوں کے ساتھ خاص کردیا ہے جو مسلسل برسنے والی بارش کی مانند ہیں

زين الملك عزيز فى عيونهم ☆ معظم فى قلوب العرب والعجم

(آپ) تم بادشاہوں کی زینت اور ان کی نگاہوں میں معزز ہیں، عرب اور عجم کے عوام کے دلوں میں باعزت ہیں

ثم الصلاة على من لا مثال له ☆ فى الناس افضل خلق الله كلهم

درود ہو اس ذات بابرکات (رسول اللہ ﷺ) پر جن کی لوگوں میں کوئی مثال نہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے زیادہ افضل ہیں

﴿حواشی﴾ پانچواں باب فصل دوم

(۱) روداد مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور ۱۹۱۱ء مطابق ۱۳۲۹ھ
(۲) تذکرۃ الخلیل سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا خلیل احمد صاحب شوال ۱۳۳۳ھ میں پانچویں سفر حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، اور کچھ ماہ بعد واپس تشریف لائے تھے۔ ملاحظہ کیجئے تذکرۃ الخلیل رمولنا عاشق الٰہی بلند شہری راشاعت العلوم سہارن پور ربدون سن رص: ۲۷۳
(۳) روداد مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور ۱۳۳۳ھ رص: ۲۲۔۲۴
(۴) بہ شکریہ مولنا محمد شاہد صاحب سہارن پوری ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور
(**ضروری نوٹ**) یہ قصیدہ مولنا موصوف سے تحقیقی مقالہ کی تکمیل کے بعد موصول ہوا اس لئے مقالہ میں شامل نہیں ہو سکا۔
(۵) یہ لفظ اصل مکتوب میں دیمک خوردہ ہے۔ قرآئن لفظیہ ومعنویہ کے پیش نظر اس کو 'دکان' پڑھا گیا ہے (حسب تحریر مولانا محمد شاہد صاحب)
(۶) تفاؤل (حسب تحریر ظفر احمد)
(۷) یعنی سیال (حسب تحریر ظفر احمد)
(۸) ای شئ یسیر (حسب تحریر ظفر احمد)
(۹) ملاحظہ کیجئے ماہنامہ النور تھانہ بھون/ شوال المکرم ۱۳۴۴ھ/ص: ۲۱
(۱۰) ملاحظہ کیجئے "اعلاء السنن" رمطبوعہ کراچی ۱۹۷۷ء ۱۳۹۷ھ ر ۳/۳
(۱۱) بہ شکریہ ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی صاحب، ڈاکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان۔

فصل سوم

مولانا ظفر احمد کے مراثی

تمہید:

مرثیہ آہ وبکا اور ذکر محاسن ومآثر کا نام ہے، مراثی کا اطلاق ان اشعار پر ہوتا ہے جن سے غم وحزن کا اظہار ہو۔ (۱) یہ عربی ادب کی اولین اصناف سخن میں سے ایک ہے۔ کچھ محققین کا خیال ہے کہ ''عربوں کے یہاں مرثیہ گوئی اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ ان کی شاعری''۔ (۲) زمانۂ جاہلیت کی مرثیہ شاعری کے نمونے آج بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔ شعرائے جاہلی اس صنف کے ذریعہ مردہ شخص کے اوصاف کو فخریہ انداز میں پیش کرکے اس کی تعریف کیا کرتے تھے۔ (۳)

قدیم زمانے سے لے کر آج تک دنیا کے ہر ادب میں اس صنف کے نمونے موجود ہیں۔ عربی ادب کا یہ پہلو اس قدر مالا مال ہے کہ دوسری زبانیں اس کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہیں۔ عرب شعراء نے مرثیہ گوئی کو فن کا درجہ دے کر زندۂ جاوید بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ جاہلی دور سے عہدِ جدید تک کے شعراء نے اپنے متعلقین، احباء، اقرباء، قومی سربراہان، ملی قائدین، روحانی پیشوا، علماء، صلحاء، ادباء اور دانشوروں کے مراثی اپنے اپنے انداز سے کہے ہیں۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے اپنے ادبی ذوق کی تسکین کی خاطر دیگر اصناف سخن کی طرح مراثی میں بھی اپنے اعلیٰ تخیل اور افکار کی بلندی کے ذریعہ اپنی جذباتی کیفیت کا اظہار خالص شاعرانہ انداز میں کیا ہے۔ مولانا کے جو مراثی دستیاب ہوئے ہیں، ان میں مولانا کی جذباتی کیفیات کا تو اندازہ ہوتا ہی ہے، اسی کیساتھ ان میں یقین علی اللہ، مشیتِ ایزدی کے سامنے سرِ اطاعت خم کرنے کے علاوہ فکر کی بلندی وفنی پختگی خصوصی اوصاف ہیں۔ وہ اپنے ممدوح (مرنے والے) کے فاضلانہ اخلاق اور اوصاف عالیہ کو اس طریقہ

پر ابھارتے ہیں کہ سامع محظوظ بھی ہوتا ہے اور ان اخلاق کو اپنے اندر سمو لینے کے متعلق غور و فکر بھی کرنے لگتا ہے، جس کے باعث یہ مراثی تبلیغ و ترغیب کا ایک مؤثر آلہ بھی قرار دیے جاسکتے ہیں۔ ان کی مرثیہ گوئی، شاعری کا بہترین نمونہ ہے، حزن و ملال کی بہترین عکاسی کے ساتھ ساتھ الفاظ کی برجستگی، تشبیہات کی عمدگی، اور اشعار کی نغمگی بھی یہاں پر پورے طور سے موجود ہے۔

وہ مراثی میں مراتب کا خصوصی خیال رکھتے ہیں۔ مثلاً جب اپنے پیر و مرشد کا مرثیہ کہتے ہیں تو ان کا انداز کچھ اور ہوتا ہے، اور جب اپنی اہلیہ کا مرثیہ کہتے ہیں تو ان کے جذبات دوسرے انداز کے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی جب وہ اپنی لختِ جگر لاڈلی بیٹی کا مرثیہ کہتے ہیں تو ان کی جذباتی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے، اظہارِ رنج و غم تو سبھی مراثی سے ظاہر ہے، لیکن ان میں خوبصورت نصیحتیں بھی ہیں۔ اور موت کی زندۂ جاوید حقیقتیں بھی۔ ذیل میں مولانا کے مراثی کا قدرے تفصیل سے لیا گیا جائزہ ہمارے اس اندازے کو بہت حد تک واضح کرسکتا ہے۔ اور ان مراثی کی معنویت کو اجاگر کرنے میں معاون بھی۔
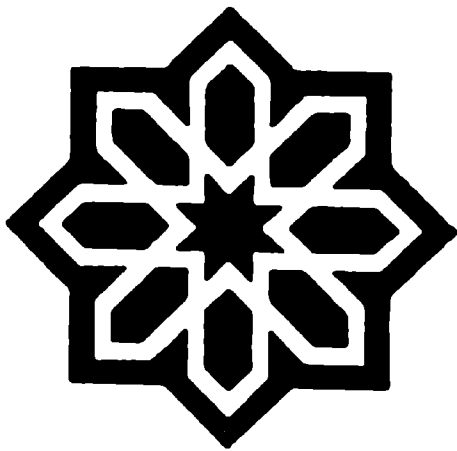
مرثیہ نمبر ایک

مرثیہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی

مولانا ظفر احمد صاحب، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے براہِ راست شاگرد نہیں تھے، لیکن چوں کہ ان کے مرشد و مربی (مولانا اشرف علی تھانویؒ) ان کے شاگرد تھے، اس لئے یک گونہ تعلق شاگردی کا بھی تھا۔ دوسرے یہ کہ شریعت و طریقت میں شیخ الہند کا جو مقام تھا وہ مشہور و معروف ہے۔ اس مرثیہ میں شیخ الہند کے اس مقام کو بھی واضح انداز سے بیان کیا گیا ہے، اور ان کے علمی کمالات و عملی اجتہادات کا بھی بھرپور تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سے جہاں شیخ الہند کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں شیخ الہند کے تئیں مولانا کے قلبی تعلق کا بھی پتہ چلتا ہے۔

یہ مرثیہ سلاست و روانی کا بہترین نمونہ ہے۔ الفاظ کا انتخاب نہایت مناسب طریقہ سے کیا گیا ہے، کہیں کہیں مبالغہ آرائی کا احساس ہوتا ہے، لیکن مولانا نے حقائق کا ہی اظہار کیا ہے۔ اس مرثیہ میں مرنے والے (شیخ الہند) کی ذات پر غم کے تذکرے سے کہیں زیادہ ان کے اوصاف کا تذکرہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ یہ جذبات حقیقت پر محمول ہیں کیوں کہ مرنے والے پر غم و افسوس اور ماتم و گریہ زاری کرنا اہلِ علم کا شیوہ نہیں، بلکہ اس کی خوبیوں پر سامعین و قارئین کو متوجہ کرنا ہے۔ یہی کام مولانا نے اس مرثیہ میں کیا ہے۔

شیخ الہند کی وفات نومبر ۱۹۲۰ء/ ۱۳۳۹ھ میں ہوئی۔ مولانا نے یہ مرثیہ اسی دور میں لکھا جو بائیس اشعار پر مشتمل ہے۔ (۴)

مرثیہ کی ابتداء حزنیہ اشعار سے ہوتی ہے۔ شیخ الہند کی جدائی کا غم ایسا غم ہے، جس کی وجہ سے طبیعت کو قرار نہیں آ رہا ہے، آسمان بدلا بدلا معلوم ہو رہا ہے، اور دل پارہ پارہ ہوا جا رہا ہے۔ یہ غم ایسا غم ہے جس نے پورے وجود کو جلا کر رکھ دیا ہے:

حزن بقلبی ام لظی نیران ☆ قد احرقت حتی کأنی الفانی

میرے دل میں رنج و غم ہے یا ایسی آگ کا شعلہ ہے جس نے جلا پھونک کر مجھے مردہ اور نیم جان بنا دیا ہے

کیف القرار و قد تبدلت السماء ☆ لا فول بدر تم فی اللمعان
اب کیونکر قرار آئے کہ بدر کامل کے غائب ہو جانے سے آسمان ہی بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے
کیف الحیاۃ و قد تفتت مهجتی ☆ برحیل شیخ عارف ربانی
اب زندگی کیسی جبکہ شیخ عارف ربانی کی رحلت سے دل ہی پارہ پارہ ہو چکا ہے

وہ ایک ایسے عالمِ دین تھے جو اپنے وقت کے پیشوا، ہدایت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز، فیوض کے سرچشمہ، سخاوت کے دریا، ولایت اور تقویٰ کے آفتاب، مخلوق کے فریاد رس، عرفان میں کامل، طالبین کو سیراب کرنیوالے دریا، رنج و غم کی تاریکیوں کو دور کرنے والے، ہدایت کی بارشیں برسانے والے بادل کی مانند سب کی پیاس بجھانے والے، علوم و معارف کے بلند مرتبہ پر فائز تھے ان میں ایسے اوصاف تھے جو بیان سے باہر ہیں:

مولای محمود الانام المقتدی ☆ قطب الهدایة منبع الفیضان
وہ کون؟ میرے آقا مخلوق کے محمود و مقتدیٰ ہدایت کے قطب فیوض کے سرچشمہ
بحر الندی شمس الولایة و التقی ☆ غوث البریة کامل العرفان
سخاوت کے دریا ولایت اور تقویٰ کے آفتاب مخلوق کے فریادرس عرفان میں کامل
بحر یروی الطالبین بفیضه ☆ شمس تزیل حنادس الاحزان
ایسا دریا جس سے طالبین خوب سیراب ہوتے تھے ایسا آفتاب جو رنج و غم کی تاریکیوں کو دور کرتا تھا
أو مزنة جادت بأمطار الهدی ☆ تشفی الغلیل بفیضها الهتآن
بلکہ ایسا بادل جو ہدایت کی بارشیں برساتا تھا اور اپنے بہتے ہوئے سیلاب سے سب کی پیاس بجھاتا تھا
رب المحامد و المعارف و العلی ☆ و فضائل جلت عن التبیان
محامد و علوم اور بلندی والے تھے اور ان میں ایسے فضائل تھے کہ بیان سے باہر ہیں

یہ خصوصیات تو ان میں طریقت اور رشد و ہدایت کی وجہ سے تھیں۔ جہاں تک ان کی علمی حیثیت کا تعلق ہے وہ علوم کا خزانہ تھے، محدث، مفسر، متکلم اور قرآن پاک کے مترجم تھے، فقہ اور علم معقولات (منطق و کلام) کے ماہر تھے اور علم حدیث میں تو کوئی اس دور میں ان کا ثانی ہی نہیں تھا۔ بس یہ کہا جا سکتا ہے وہ اپنے دور کے بیہقی اور سعید بن قطان جیسے محدثین کے مشابہ تھے۔ افسوس کہ ان کے جانے کے بعد ہندوستان میں حدیث کا کوئی ماہر نہیں رہا:

کنز العلوم ، محدث و مفسر ☆ متکلم ومترجم القرآن
علوم کا خزانہ تھے محدث و مفسر تھے متکلم مناظر اور قرآن کے مترجم تھے

متبحر فی الفقه و المعقول فی ☆ علم الحدیث هو العدیم الثانی
فقہ و معقول میں تبحر تھے اور علم حدیث میں تو یکتاو بے نظیر ہی تھے

فرد الزمان و بیهقی أوانه ☆ و مماثل بن سعید القطان
خلاصہ یہ کہ اپنے زمانہ میں یکتا اوراپنے وقت کے بیہقی اورسعید بن قطان محدث کے مشابہ تھے

وا حسرتا من للحدیث و اهله ☆ من بعده فی ارض هندوستان
ہائے افسوس! ان کے بعدہندوستان میں حدیث اور اہل حدیث کے لیے کون ہوگا

اس کے بعد مولانا ان کی عملی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ جہاں تک ان کی عملی زندگی کا معاملہ ہے، اس سے متعلق اتنا کہنا کافی ہوگا کہ وہ اللہ کے شیر، اس کے عاشق اور محبوب تھے۔ شریعت کے حامی اور سچے صابر تھے۔ انہوں نے بے انتہاء مصائب اور سختیوں کا مقابلہ کیا۔ زمانہ نے انہیں برا بھلا بھی کہا، لیکن وہ حق کے راستہ پر گامزن رہے۔ ان کے یہی اوصاف تھے کہ جب وہ دانشوروں کے درمیان آتے تھے تو ان سب کے دل فرشِ راہ بن جاتے تھے۔ اوران کے جمال سے تمام لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتی تھیں۔ وہ اپنی باتوں سے عقیدت مندوں کواس طرح مطمئن کرتے کہ گویا کہ پیاسا شخص آبِ حیات کے چشمہ پر پہونچ گیا ہو۔

اسد الاله محبه و حبیبه ☆ حامی الشریعت صابر حقانی
وہ خدا کے شیر اور اس کے عاشق اور اس کے محبوب تھے شریعت کے حامی اور سچے صابر تھے

قاسی الشدائد و المصائب لم یخف ☆ فی الله لومة لائم بمکان
(انہوں نے) شدائد ومصائب بہت جھیلے مگر کسی موقعہ پر خدا کی راہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کی

فرشت لوطأته قلوب اولی النهی ☆ وجماله قرت به العینان
انکی تشریف آوری کیلئے دانشوروں کے دل فرش راہ بن جاتے تھے اور انکے جمال سے ہرایک کی دونوں آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتی تھیں

و کلامه للطالبین کأنه ☆ ماء الحیاة اتی الی الظمآن
اورعاشقوں کے سامنے ان کی باتیں ایسی تھیں کہ گویا پیاسے کے پاس آب حیات پہونچ گیا

ظاہری و باطنی اوصاف کے تذکرے کے بعد مولانا نے مرثیہ کو نیا رخ دیتے ہوئے عالمِ خیال میں ان سے استدعاء کی کہ آپ دور مت جایئے، کیوں کہ آپ کا ذکر خیر اس فانی دنیا میں باقی رہے گا، اور حقیقت یہ ہے کہ ذکرِ خیر انسان کے لئے دوسری زندگی کے مانند ہے، تو اے متقیوں کے امام! جاؤ تم اللہ کے سپرد، کیونکہ یہ خوبیاں تمہیں اللہ نے ہی عطا کی تھیں۔

محمود لا تبعد فذکرك خالد ☆ و الذکر للانسان عمر ثان

میرے آقا محمود آپ دور نہ جایئے کیونکہ آپ کا ذکر یہاں ہمیشہ رہے گا اور انسان کیلئے ذکر خیر بھی دوسری زندگی ہے

لله انت یا امام اولی التقی ☆ لله درك من عظیم الشان

اے متقیوں کے امام پس خدا کے سپرد۔ اے عظیم الشان ذات تیری خوبی خدا ہی کی بنائی ہوئی ہے

اس کے بعد کے دو اشعار میں مولانا اپنے شیخ کو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہنے کی دعاء دے رہے ہیں:

لا زلت مبتهج الفؤاد و لم تزل ☆ فی عیشة مرضیة بجنان

خدا کرے تم ہمیشہ خوش دل رہو اور جنتوں میں راحت کی زندگی بسر کرتے رہو

لا زلت فی کنف المهیمن فائزا ☆ بنعیم رؤیته مع الرضوان

ہمیشہ خدا کے دامن رحمت میں اس کے دیدار اور رضا کی نعمت سے کامیاب رہو

اسی کے ساتھ وہ مولانا کو ان کے جوار میں اپنی جگہ کے لئے سفارشی ذریعہ بناتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے صحابۂ کرام پر درود و سلام کے تحفے کے ساتھ مرثیہ ختم کر دیتے ہیں:

وانظر الی الظفر الکئیب فانه ☆ یرجو جوارك یا رجاء العانی

اور ذرا اس پریشان دل ظفر کی طرف ایک نگاہ بھر کر دیکھ لیجئے کہ اے مصیبت زدوں کی امیدگاہ وہ بھی آپکی ہمسائیگی کا امیدوار ہے

ثم الصلاة علی النبی محمد ☆ وعلی صحابته اولی الاتقان

پھر صلوۃ و سلام نازل ہو سیدنا محمد ﷺ پر اور آپکے جان نثاروں پر جو کہ بڑی پختگی والے تھے

مرثیہ نمبر دو

لاڈلی صاحب زادی کا مرثیہ

مولانا ظفر احمد صاحب کی ایک صاحب زادی اختری نام کی تھیں، جن کی پیدائش ۱۵ر شعبان ۱۳۳۹ھ/اپریل ۱۹۲۱ء کو ہوئی تھی ۔ عین جوانی کی حالت میں ۲۵ر شعبان ۱۳۵۴ھ/ ۲۴ر نومبر ۱۹۳۵ء میں پندرہ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں ۔ اس حادثہ سے مولانا کی طبیعت بہت زیادہ متاثر ہوئی ۔ جوان اولاد کا غم جتنا رقت انگیز ہوتا ہے وہ ظاہر ہے ۔ مرثیہ سے واضح ہے کہ مولانا مرحوم کو اپنی اس بیٹی سے بے انتہاء پیار تھا، اور ان کے اچانک چلے جانے نے مولانا کے دل و دماغ پر گہرے اثرات چھوڑے تھے ۔ اس مرثیہ میں انہوں نے جہاں موت کی حقیقت کو ذکر کیا، وہیں اس کی بے رحمی کو بڑے اچھے ڈھنگ سے پیش کیا، اسی کے ساتھ ساتھ ان معاملات میں انسان کی بے بسی کو بہت ہی خوبصورتی سے واضح کر کے یہ تاثر دیا ہے کہ انسان مجبورِ محض ہے، اس کے اختیار میں کچھ نہیں ۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے ۔ اس کے فیصلے بالکل صحیح اور بر وقت ہوتے ہیں ۔ مرثیہ میں مولانا نے مرحومہ کے اوصاف کو نہایت جامع انداز سے پیش کیا ہے ۔[۵] اس کی ابتداء حزنیہ اشعار سے ہوتی ہے، جن میں مولانا اس غم کی شدت کو نئے انداز سے بیان کرر ہے ہیں، وہ اس کا نقشہ اس انداز سے کھینچ رہے ہیں جس سے ہر قاری متاثر ہوتا ہے:

ما للفؤاد متیم متبول ☆ ما للدموع علی الخدود تسیل

دل کو کیا ہوا کہ حیران و سرگشتہ ہے آنسوؤں کو کیا ہوا کہ رخساروں پر بہے چلے جارہے ہیں

ما للسماء کأنها مهتزة ☆ و الارض هامدة تكاد تميل

آسمان کو کیاہوا گویا لرز رہا ہے اور زمین مردہ پڑی ہوئی ڈانواڈول ہوا چاہتی ہے

همّ عرانی لا یکاد یزول ☆ حتی اموت و هل الیه سبیل
ایک غم مجھے پیش آ گیا جو مرتے دم تک زائل نہیں ہوسکتا اور کیا اس کی کوئی سبیل بھی ہے؟
اس کی وجہ مولانا یہ بیان کررہے ہیں کہ دنیا سے ایک ایسا آدمی چلا گیا ہے، جسے دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں، دل کو سکون ملتا تھا۔ یہ غم بجائے خود اتنا بڑا غم ہے جو پہاڑوں کو ہلانے کے لئے کافی ہے، اسی وجہ سے آنکھوں کا سیلاب اُمڈا چلا آرہا ہے۔ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے:

بمصاب قرة ناظری و حبیبی ☆ کادت لها شم الجبال تزول
اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک پیاری (لڑکی) کی وفات سے جس کیلئے بڑے بڑے پہاڑ بھی ہلنے کے قریب ہوگئے
هی اختری حسنی کریمة اهلها ☆ حسنی الفعال و وجهها لجمیل
وہ اختری (صاحبزادی کا نام) نیک حسنی تھی جو اپنے خاندان میں عزیز پسندیدہ کردار اور حسین چہرہ والی تھی
راحت و خلفت الفؤاد متیما ☆ و العین تدمع و الدموع سیول
چلی گئی اور دل کو حیران چھوڑگئی۔ آنکھ پرنم ہے اور آنسوؤں کا سیلاب امڈا چلا آرہا ہے

اس کے بعد مولانا اس حالتِ غم میں جس طریقہ سے یقین علی اللہ کا اظہار کر رہے ہیں، اس نے مرثیہ میں جان پیدا کردی ہے۔ وہ اگرچہ اس کی حالتِ جوانی میں موت کی توقع نہیں رکھتے تھے لیکن جب موت کا وقت آ گیا تو یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے تھا، جس میں انسانی کوششوں کو کوئی دخل نہیں۔ اگر یہ ہوسکتا کہ میں اپنی جان کا نذرانہ اس کے فدیہ میں دے کر اس کی زندگی کو واپس لا سکتا تو اس میں دریغ نہ کرتا، لیکن ظاہر ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا:

ما کنت احسبها تموت فتیة ☆ کلا و لا ان التراب مقیل
میرا ہرگز خیال نہ تھا کہ یوں جوان مرجائیگی اور نہ یہ کہ اس کی آرام گاہ فرش خاک ہوگی
قد کنت آمل ان یطول بقاء ها ☆ فینا و لکن الجمال بخیل
میں امید کرتا تھا کہ اس کی بقاء ہم میں طویل ہوگی لیکن (ہائے افسوس) یہ حسن بہت ہی بخیل ہوتا ہے

کلا و لکن القضاء لواقع ☆ امر الاله و وعده مفعول
نہیں نہیں بلکہ مقدر میں جو ہوتا ہے ہوکر رہتا ہے اللہ کا حکم اور اس کا وعدہ حتمی ہے
لو کان ینفعها فدیت بمهجتی ☆ حقا و ذالك للحبیب قلیل
اگر اس کو کچھ نفع پہنچ سکتا تو اپنی جان کو اس کے فدیہ میں پیش کر دیتا اور محبوب کے واسطے یہ کچھ زیادہ نہیں

مولانا کی یہ صاحب زادی صوم وصلوٰۃ کی بے انتہا پابند تھیں۔ حتیٰ کہ جب ان کی موت کا وقت بالکل قریب تھا تب بھی وہ نماز کے لئے کمر بستہ تھیں۔ حالانکہ زبان گنگ ہوگئی تھی اور روح کھنچ رہی تھی، ایسی صالح صاحب زادی کی وفات کے بعد اب زندگی کا مزہ کیا باقی رہا؟ بس اب تو موت ہی کو زندگی کے الفاظ سے تعبیر کیا جارہا ہے:

اعجب بهمتها لأمر صلاتها ☆ و الروح ینزع و اللسان کلیل
نماز کے لیے اس کی ہمت پر تعجب کر حالانکہ روح کھنچ رہی تھی اور زبان کند ہو چکی تھی
وا حسرتاه علی تفرق شملنا ☆ یا لیت شعری هل الیه وصول
ہائے ہماری جمعیت کیسی پراگندہ ہوگئی کاش مجھے معلوم ہوجائے کہ جمعیت پھر بھی مل سکتی ہے؟
شط الحیاة فلا حیاة و انما ☆ حرف الحیاة علی الممات مقول
زندگی کنارہ کش ہوگئی اب زندگی کہاں بلکہ موت ہی کو زندگی کے الفاظ سے تعبیر کیا جارہا ہے

یہ غم مولانا کا ذاتی غم ہے، جس سے پورا خاندان متاثر ہے، خاندان کا شیرازہ منتشر ہوگیا ہے۔ یہ سوچ سوچ کر سکون وقرار درہم برہم ہوگیا ہے۔ اب نہ تو گھر گھر رہا اور نہ ہی خاندان خاندان رہا۔ کیوں کہ خاندان کی زیب وزینت، اس کی ظاہری و باطنی خوبصورتی و جمال سے روشن تھی اور اب وہ سب کچھ غائب ہوگیا، جس کی وجہ سے زندگی دشوار ہوگئی:

کیف القرار لا قرار بدونها ☆ فرحیلها للوالدین رحیل
کیسے قرار آئے حالانکہ اس کے بغیر قرار نہیں آسکتا کیونکہ اسکی موت خود ماں باپ کیلئے بھی سامان موت ہے
ما کان اجمع شملنا بلِ برهةً ☆ و الدار دار و القبیل قبیل
کچھ عرصہ تک تیری وجہ سے ہماری جمعیت کا شیرازہ کیسا بندھا ہوا تھا؟ اس وقت گھر گھر ہی تھا اور کنبہ کنبہ تھا

فالدار منذ رحلتِ عنها غدوة ☆ دار الهموم بها البكا و عويل

مگر جب سے تو نے اس گھر سے صبح کے وقت کوچ کیا ہے اب وہی گھر غموں کا گھر ہے جس میں رونا اور چلانا ہی رہ گیا

ما ان رأيت كان كمثل وجهكِ مشرقاً ☆ كلا و ما لكِ فى الحسان مثيل

اور تیرے بعد خاندان کا زمانہ تیرے (نورانی) چہرہ کے غائب ہوجانے کی وجہ سے تاریک ہوگیا حتی کہ اب زندگی بھی دشوار ہے

والقوم بعدك اظلمت يامهم ☆ لغياب وجهك والبقاع ثقيل

اور تیرے بعد خاندان کا زمانہ تیرے (نورانی) چہرہ کے غائب ہوجانے کی وجہ سے تاریک ہوگیا۔ حتی کہ اب زندگی بھی دشوار ہے۔

اس کے بعد مولانا اس حقیقت کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں کہ یہ دن ہر انسان کے لئے کبھی نہ کبھی آنا ہی ہے۔ اگر زندگی فضل وتقویٰ کا معیار ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا حادثہ رونما نہ ہوتا۔ یہ دنیا فانی ہے اور دوام تو صرف آخرت کو ہے، وہی حقیقی زندگی ہے، اسی کی نعمتیں لازوال ہیں۔ دنیوی زندگی کا فلسفہ تو یہ ہے کہ ہر خوشی کے پیچھے کوئی نہ کوئی غم کارفرما ہوتا ہے اور اخروی خوشی غموں سے آزاد دائمی خوشی ہے:

كل ابن آدم ميت ولو انه ☆ عاش المئين باربع محمول

ہر آدمی آخر مرنے والا ہے اور گو وہ صدیوں تک زندہ رہے (ایک دن) تخت پر ضرور اٹھایا جائے گا

ما فى البقاء فضيلة و لقولنا ☆ هذا و فاة محمد لدليل

اس بقاء میں کوئی بڑائی نہیں اور ہمارے اس کلام کیلئے محمد (ﷺ) کی وفات ایک بڑی دلیل ہے

لا عيش الا عيش يوم آخر ☆ نعماؤه تبقى و ليس تحول

حقیقی زندگی تو صرف اخروی زندگی ہے جس کی نعمتیں باقی رہتی ہیں اور بدلا نہیں کرتیں

و حياتنا الدنيا تمر و تنقضى ☆ و نعيمها بمعرة مشمول

اور ہماری دنیوی زندگی تو (بہت جلد) گذر جاتی اور ختم ہوجاتی ہے اور اسکی راحت میں کوئی نہ کوئی غم ضرور شامل ہوتا ہے

مولانا ان سب حقائق کو اجاگر کر رہے ہیں، لیکن بیٹی کی فطری محبت اور اس کی جدائی کا دلی غم مولانا کسی طرح فراموش نہیں کر پا رہے ہیں۔ چنانچہ ان کا دھیان پھر اپنی لاڈلی کی طرف متوجہ ہوگیا ہے، اور وہ انتہائی غمگین انداز میں بیٹی سے اپنے تعلق کو اس طرح ظاہر کر رہے ہیں:

والله لا انساكِ بنتی! کلما ☆ لاح الصباح بنوره و اصیل
اے میری بیٹی! بخدا میں تجھے فراموش نہیں کر سکتا جب تک صبح اپنی تابانی کیساتھ ظاہر ہوتی رہےاور شام آتی رہے

کلا و لا انساكِ بنتی! کلما ☆ ناح الخلیل و بان منه خلیل
ضرور اے میری بیٹی!؟ میں تجھے فراموش نہیں کر سکتا جب تک دوست اپنے کسی دوست کی جدائی پر نوحہ کرتا ہے

لا تبعدی یا بنتِ ذکرکِ خالد ☆ و حدیث خیركِ فی الزمان طویل
اے میری بیٹی تو دور نہیں ہو سکتی تیرا تذکرہ ہمیشہ رہے گا اور تیری بھلائیوں کی داستان تو زمانہ میں بہت طویل ہے

لا تبعدی فلأنتِ وسط قلوبنا ☆ و مثال وجهكِ فی العیون یجول
تو دور نہیں ہو سکتی تو تو ہمارے دلوں کی گہرائیوں میں جاگزیں ہےاور تیرے چہرہ کی تصویر آنکھوں میں گھوم رہی ہے

لا تبعدی نامی کنوم عروسة ☆ سکری بروضٍ ظله لظلیل
تو دور نہ ہو ہاں اس مخمور دلہن کی طرح جو کسی باغ کے گھنے سایہ میں آرام کر رہی ہو تو بھی آرام کر اور سوتی رہ

لا تبعدی قری بوجه محمدٍ ☆ عینا و قربُ محمد لجلیل
تو دور نہ ہو اور محمد (ﷺ) کے چہرہ انور کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتی رہے اور محمد (ﷺ) کا تو قرب ہی بڑی چیز ہے

یہیں سے مولانا کا ذہن رسول اکرم ﷺ پر درود و سلام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور وہ درود و سلام کی سوغات اس طرح پیش فرما رہے ہیں:

صلی علیه اللّٰه ربی کلما ☆ هب الدبور علی الوری و قبول
میرا خدائے پرودگار آپ پر درود نازل فرمائے جب تک زمانہ میں مشرقی اور مغربی ہوائیں چلتی رہیں

و علی صحابته الکرام و آله ☆ ما لاح نجم او عراه افول
اور آپ کے صحابہ پر جو شرفاء تھے اور آپ کی اولاد اطہار پر بھی جبتک کوئی ستارہ ظاہر ہوتا رہے یا اس پر غروب طاری ہو

رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر درود و سلام بھیجتے ہوئے بھی ان کے ذہن پر اپنی لاڈلی صاحب زادی کی یاد سوار ہے، جو کسی طرح ان کے دل و دماغ سے محو نہیں ہو رہی ہے۔ اسی لئے درود و سلام میں بھی اس لختِ جگر کو شامل کر رہے ہیں:

و علیك یازین العشیرة بدرها ☆ معهم سلام دائم موصول

اور تجھ پر بھی (اے اختری) اے خاندان کی زینت قبیلہ کے چاند   انہیں کے ساتھ ہمیشہ اور پے بہ پے سلام نازل ہوتا رہے

اپنی پیاری بیٹی کی جدائی پر اس قدر رونے اور غم کرنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ چوں کہ دو اوصاف ایسے ہیں کہ جن پر جتنا بھی رویا جائے کم ہے، ایک تو شریف کی موت اور دوسرے محبوب کی جدائی، اور اس پیاری بیٹی میں یہ دونوں اوصاف موجود تھے اس لئے اس پر رونا اور اظہارِ غم کرنا فطری ہے:

شیئان لو بکت الدماء علیهما ☆ عین الزمان و سامنها النیل

دو چیزیں ایسی ہیں کہ زمانہ کی آنکھ اگر ان پر خون   کے آنسو بہائے اور اس سے دریا جاری ہوجائے

کانا احق به و کانا اهله ☆ موت الکریم و ان بین خلیل

تو بلاشک وہ اس کے قابل ہیں ایک تو شریف   آدمی کی موت دوسرے محبوب کی جدائی

مرثیہ کے اختتامی اشعار میں مولانا نے اپنی صاحبزادی کو اللہ کے سپرد کرتے ہوئے ''حبیب سبحان اختری'' سے سنِ وفات (۱۳۵۴ھ) کی تخریج کی ہے:

و الله یا بنتی علیك خلیفة ☆ و الیه یرجع کلنا و یؤول

اور اے میری لاڈلی اب میرے بجائے خدا تعالیٰ تیرا خبر گیر ہے   اور اسی کی طرف ہم سب لوٹیں گے اور رجوع کریں گے

عام الوفاة "حبیب سبحان اختری" (۱۳۵۴ھ) ☆ بالفارسی مؤرخ مقبول

سال وفات فارسی میں حبیب سبحان اختری   (اختری اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے) ایک مقبول تاریخ ہے

مرثیہ نمبر تین

استاد گرامی (مولانا محمد یٰسین صاحبؒ) کا مرثیہ

پاکستان کے سابق مفتی اعظم مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ کے والدِ ماجد مولانا محمد یٰسین صاحبؒ (۱۲۸۲ھ - ۹ر صفر ۱۳۵۵ھ/ ۱۸۶۵-۱۹۳۶ء) دار العلوم، دیوبند کے مشہور استاد تھے۔ انکا انتقال ۹ر صفر ۱۳۵۵ھ کو ہوا۔ اس پر مولانا نے مندرجہ ذیل مرثیہ کہا جو مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ''فحات'' میں درج ہے۔ اس مرثیہ کی خاص بات یہ ہے کہ یہ پورا مرثیہ خواب میں الہام ہوا، آپ نے اس کے ایک شعر کے علاوہ بقیہ تمام اشعار خواب میں ہی کہے۔ [۶] اس کی ابتداء جس شعر سے کی گئی ہے وہ مولانا نے اپنے زمانہ طالب علمی میں اپنے والد کے انتقال کے وقت بھی کہا تھا:

الی این ابکی واحدا بعد واحد ☆ فلیس امرؤ منا هناك بخالد

ایک کے بعد ایک کے لیے کہاں تک روؤں — یہاں تو ہمارے درمیان تو کسی کو بھی بقا نہیں ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو اس وقت بھی پے بہ پے دوغم پہونچے تھے، اور اس وقت بھی، اس وقت کے پہلے غم کا اگرچہ تعین نہیں ہو سکا تھا، لیکن اس وقت قریبی زمانہ (شعبان ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء) میں مولانا کی صاحب زادی کی وفات کا حادثہ پیش آچکا تھا، اس لئے ''واحدا بعد واحد'' کا اشارہ ادھر ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور غالباً یہی شعر ہے جس کا مولانا نے حالتِ بیداری میں اضافہ کیا ہے۔

اس کے بعد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ایسے عالمِ دین (جو مفتی صاحب کے والد تھے) کی وفات پر اظہار رنج وغم کر رہے ہیں:

و ان الذی قد طار قلبی لفقده ☆ ابوك ابو الخیر افضل عابد

اور جس شخص کے گذر جانے سے میرا دل بے چین ہو گیا وہ آپ — کے والد، بھلائیوں کے سرپرست اور فضیلت والے عبادت گذار تھے

ان کی وفات جہاں ایک طرف رنج وغم کا باعث ہے، وہیں ایک گونہ اطمینان

یہ بھی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ربّ ذوالجلال والاکرام نے ان کے وہاں جانے پر انہیں خاص نعمتوں سے نوازا ہوگا۔ وہ جنت کے خوش گوار مناظر سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے، جو بہترین مقام ہے اور جہاں اچھے لوگ ہی جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی ان کی سعادت ہے کہ ان کے خلف مفتی صاحب جیسے فرزند نیک ارجمند ہیں تو ایسے والد اور ایسی اولاد دونوں ہی قابلِ مبارکباد ہیں۔ ایسے ہی ان کا اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قرب میں چلا جانا، یہ سب باتیں بے انتہاء مبارک ہیں۔ اس لئے ان کی وفات پر زیادہ غم کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ وہ ان کمالات کے باعث خوشی ومبارکباد کے مستحق ہیں، کیوں کہ مومن کی زندگی کا مقصد آخرت کی فلاح وکامرانی ہے:

هنيئا ليٰسين الكريم قدومه ☆ على ربنا الرحمان رب العوائد

مبارک ہو، وہ رب کریم ہر لوٹنے والی چیز کا رب ہے — کرم والے یاسین کے لیے ربِ رحمٰن کی بارگاہ میں حاضری

هنيئا له جنات عدن بظلها ☆ فيا خير مورود و يا خيروارد

مبارک ہو انہیں سایہ دار باغات عدن میں، تو کیا ہی اچھا — جائے وود ہے اور کیا ہی اچھا وہاں پہونچنے والا ہے

هنيئا لمن قد كان مثلك ابنه ☆ فيا خير مولود و ياخير والد

مبارک ہو اس شخص کیلئے جس کا تمہارے جیسا بیٹا ہے — تو کیا ہی اچھے باپ ہیں اور کیا ہی اچھا بیٹا

هنيئا له قرب الحبيب محمد ☆ فيا خير مشهود و يا خير شاهد

مبارک ہو انہیں پیارے حبیب محمد ﷺ کا قرب تو کیا ہی — اچھا ہے جسکی زیارت ہونے والی ہے اور کیا ہی اچھا زیارت کرنے والا ہے

اور جہاں تک ان کی علمی حیثیت اور معلم ہونے کا تعلق ہے وہ بہت اچھے استاد تھے جنہیں دیکھنے والے ”علم کا دریا“ کہا کرتے تھے:

فكان ابوك الخير خير معلم ☆ و انك بحر العلم زين المشاهد

آپ کے اچھے والد بہترین معلم تھے اور تم بھی — علم کے سمندر اور مشاہدہ کرنے والوں کی زینت ہو

تو ایسے علم وفضل والے باپ اور بیٹے دونوں ہی قابلِ فخر ومسرت اور لائقِ صد مبارکباد ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ شخص جس کا وارث تم جیسا ذی علم شخص ہو، کبھی مرتا نہیں، کیوں کہ اس نے اپنے پیچھے ہدایت کے روشن ستارے چھوڑے ہیں جو اوروں کی

رہنمائی کا کام کر رہے ہیں:

فطوبی لمن قد کان مثلك خلفه ☆ فیا خیر مفقود و یا خیر فاقد

خوشخبری ہے اس شخص کیلئے جسکا جانشین تمہارے جیسا ہے — تو کیا ہی بھلا گم شدہ ہے اور کیا ہی بہتر گم کردہ ہے

و ما مات من کان خلف مثلکم ☆ نجوم الهدی من سائق الخیر قائد

وہ شخص ہرگز نہیں مرسکتا جس کا جانشین تم جیسا ہو، ہدایت کے — ستارے بھلائی کو چلانے والے کی جانب سے قیادت کر رہے ہیں

یہی وجہ ہے کہ تمہارے اسلاف اگر چہ بظاہر اس دنیا سے کنارہ کش ہو گئے ہیں لیکن وہ زندہ ہیں، کیوں کہ ان کے اسلاف میں آپ جیسے ذی علم و شعور اور صاحبِ فضل و تقویٰ حضرات ہیں۔ اس کا فیض آپ کی وجہ سے ان کو مسلسل پہونچ رہا ہے:

فیحیی بك الاسلاف طرا و یهتدی ☆ بکم خلف من بین غمر و راشد

تمہارے تمام اسلاف تم سے زندگی پائیں گے اور اخلاف — میں سے نیک و بد سب تم سے ہدایت پائیں گے

آخری شعر میں مولانا اپنے رفیقِ محترم (مفتی محمد شفیع صاحب) کو یہ جاننے کے باوجود کہ وہ صبر سے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں، اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ صالح لوگوں کا اس دنیا سے چلا جانا، اللہ کے حضور حاضر ہونا، اللہ سے ملنا، سب کچھ بہت سے فوائد اور انعامات پر مشتمل ہے، صبر کی تلقین کی ہے اور اس خوبصورت انداز سے مرثیہ کا اختتام ہوا:

فصبرا شفیع البر و انك عارف ☆ بان لقاء الله خیر الفوائد

اے نیک شفیع صبر کرو کیونکہ تم جانتے ہو کہ — اللہ سے ملاقات بہترین فوائد میں سے ہے

مرثیہ نمبر چار

بر وفات مولانا اشرف علی تھانویؒ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، ان کی وفات کا حادثہ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ مطابق جولائی ۱۹۴۳ء میں پیش آیا تو ان کی خواہش کے مطابق نمازِ جنازہ بھی آپ نے ہی پڑھائی، اس حادثہ کا اثر حکیم الامت کے سبھی متعلقین بالخصوص مولانا جیسے مقربین پر جس قدر رہا اس کا ذکر طوالت سے خالی نہیں۔ خود مولانا سید سلیمان ندویؒ جیسے مؤرخ وادیب نے اس حادثہ پر متعدد تعزیتی مضامین لکھے، مشہور انشاء پرداز مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ نے ''حکیم الامت، نقوش وتاثرات'' نامی کتاب لکھی۔ مولانا تھانویؒ کے عاشق وشیدائی خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے ''اشرف السوانح'' تین جلدوں میں لکھ کر قوم کے سامنے حکیم الامت کی زندگی کو تفصیلی طور پر پیش کیا۔ الغرض سبھی متعلقین نے نظم و نثر میں بہت کچھ تحریر کیا۔ جس سے مولانا اشرف علی تھانویؒ کی علمی حلقوں میں مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحبؒ نے بھی منظوم شکل میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا جسمیں دو عربی مرثیے بھی شامل ہیں، اس وقت یہی مراثی ہمارے پیشِ نظر ہیں۔ یہ دونوں مرثیے ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ کے دو شماروں میں شائع ہوئے۔ اول الذکر مرثیے کو خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے اپنی کتاب میں بھی شائع کر کے اسے مولانا تھانویؒ کی حیات کا جزو بنا دیا۔ (۷)

اس مرثیے کی ابتداء حزن وملال کی اس کیفیت سے ہو رہی ہے جب کہ اس صدمہ سے شاعر بے قرار ہے۔ اس کی آنکھیں اشکبار اور گریہ بڑھ رہا ہے، اور وہ آنسوؤں کو سامانِ تسلی بنائے ہوئے ہے:

بکت عینی و زاد بی العویل ☆ وھل بدموعھا یشفی الغلیل (۸)

میری آنکھ رو رہی ہے اور میرا گریہ بڑھ رہا ہے ☆ اور کیا اس کے آنسوؤں سے غم ونغمہ ہو سکتی ہے

مولانا اسی کے ساتھ ساتھ غم و ملال کی اس حالت کو اس کیفیت کے مشابہ بتارہے ہیں کہ جب پہاڑ جھکے ہوئے، بلکہ جگہ سے ہٹے ہوئے معلوم ہو رہے ہوں، جس کی وجہ سے شہر وحشت ناک معلوم ہو رہے ہوں اور ایسے ہولناک منظر میں کوئی دوست نظر نہ آرہا ہو، بس ایسا محسوس ہوتا ہو کہ ہر کوئی اندھیرے میں ہے اور بظاہر اس حالت سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ یہ حالت مصیبت کی ایسی انتہائی حالت ہے کہ جس سے دل پھٹ جائیں اور عقل جاتی رہے:

لقد ضاق القضاء بنا و مالت ☆ جبال الارض او كادت تزول

ہم پر عالم کی فضا تنگ ہوگئی اور زمین کے پہاڑ جھک پڑے، قریب ہے کہ جگہ سے ہٹ جائیں

و اوحشت البلاد بنا و امست ☆ يبا ما يرى فيها خليل

شہر ہمارے لئے وحشتناک ہوگئے اور ایسے ویرانہ بن گئے کہ کوئی دوست نظر نہیں آیا

و اظلمت الديار و ما عليها ☆ فهل لضيائها يوماً سبيل؟

اور آبادیاں اور ان کے باشندے اندھیرے میں رہ گئے تو کیا کسی دن ان کی روشنی کا کوئی راستہ ہے

تصدعت القلوب بما دها ها ☆ وجلّ الخطب و انذهلت العقول

مصیبت واقع ہوئی اس سے دل شق ہوگئے اور مصیبت بھی زبردست آئی اور عقلیں غائب ہوگئیں

اس کے بعد حکیم الامت کے علمی و عملی کمالات، خصوصاً ان کی علوم قرآن و حدیث پر گہری نظر اور اس کی وجہ سے زمانہ کی خدمات، تقویٰ و فضل کی وجہ سے زمانہ کی امامت کے ان کے ذاتی اوصاف کو خاص طور پر ابھارا گیا ہے:

و قلبت الامور غداة ولّى ☆ حكيم الامة العلم الجليل

سب حال منقلب ہوگئے جس صبح کو علم و عرفان کے بڑے پہاڑ حضرت حکیم الامت انتقال کر گئے

مجدد ملة الاسلام حقا ☆ فنعم دليلنا ذلك الدليل

آپ یقیناً ملت اسلام کے مجدد تھے اور ہمارے بہترین رہنما آپ ہی تھے

مفسر عصره من غير خلف ☆ فقيه الوقت ليس له عديل

مفسر عصر تھے بلا اختلاف بے مثل فقیہ وقت تھے

خبیر بالحدیث و کل علم ☆ و بالاسراء ینطق اذ یقول
حدیث اور ہر علم پر نظر رکھنے والے تھے اور اسرار الٰہیہ ظاہر فرماتے تھے جب کلام کرتے تھے

تضلع بالعلوم فکان فردا ☆ الیہ کل مکرمۃ تؤول
علوم سے لبریز تھے یکتائے عہد تھے کہ ہر بزرگی انہی کی طرف رجوع کرتی ہے

و لیٌّ زمانہ عدل تقی ☆ امام الدھر لیس لہ مثیل
ولی زمانہ، عادل، تقویٰ شعار امام وقت جن کی نظیر نہیں

رؤف راحم بر کریم ☆ و لاعناق الھوی سیف صقیل
مہربان، رحم دل، خیر خواہ، شریف النفس اور بدعت کی گردن پر تیز تلوار (کی مانند تھے)

حکیم الامت کی خاصیت یہ تھی کہ وہ شیطانی جال کو کاٹ کر عوام کو ارشاداتِ نبویہ کی طرف دعوت دیتے تھے، اس طریقہ پر وہ حق کے داعی تھے اور باطل کو کاٹنے والے تھے۔ وہ اگرچہ آج ہمارے بیچ نہیں ہیں، لیکن ان کی تصنیفات ان کو زندہ رکھے ہوئے ہیں مولانا نے ان کی تصنیفات وتالیفات کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان کے فضل کا اعتراف اور اپنی انتہائی غم کی کیفیت کو مندرجہ ذیل اشعار میں بہت خوبصورت انداز سے نظم کیا ہے۔

لقد قطع الحبائل عن فئام ☆ بواد الھالکین لھم نزول
ان لوگوں سے شیطانی جال کاٹ ڈالے جو ہلاکت کی وادیوں میں اترنے والے تھے

یحض بنا علی طلب المعالی ☆ و یھدینا لما قال الرسول
ہم لوگوں کو تحصیل مراتب پر آمادہ فرماتے اور ارشادات نبویہ کی طرف ہدایت کرتے تھے

لہ فینا صحائف معلمات ☆ کثیر ثناؤ ھا منا قلیل
ہم میں ان کی کتابیں موجود ہیں جو ممتاز ہیں جن کی بہت تعریف بھی کم ہے

اقرّ بفضلہ من قد رآہ ☆ و لم یکفر بہ الا جھول
آپ کو جس نے بھی دیکھ لیا آپ کے فضل کا اعتراف کرنے لگا اور سوائے جاہل کوئی آپ کا منکر نہیں رہا

یعادی اللہ من عادی ولیا ☆ لہ و عدوہ ابدا ذلیل
جو اللہ کے ولی سے عداوت کرتا ہے اللہ اس سے عداوت کرتا ہے اور اللہ کا دشمن ہمیشہ ذلیل ہوتا ہے

21
24

و کاد القلب ان ینشق لما ☆ رأیتك فی التراب لك المقیل
اور دل شق ہونے لگا جب میں نے دیکھا کہ آپ کی آرامگاہ مٹی میں ہوگئی

پھر مولانا نے اپنی اس قلبی کیفیت کو ظاہر کیا ہے جوان پر اپنے پیرومرشد کے رخصت ہونے کے باعث گذر رہی ہے۔ وہ ایسی شخصیت کے مالک تھے کہ جن کی جدائی پر آسمان، چاند، سورج اور زمین سب رو رہے ہیں، دریا اور اس کی مخلوق، پہاڑ اور اس کے نباتات، مکان و مکین، دیوار و در سبھی ان کی جدائی پر آنسو بہار ہے ہیں، یہی نہیں بلکہ علوم اور ان کے پڑھنے والے، ضوابط و اصول، منبر و محراب، وعظ و نصیحت سبھی اشک فشاں ہیں۔ مدارس دینیہ (جو ظاہری علوم کا ذریعہ ہیں) اور طریقت و سلوک (جو باطنی علوم کا مدرسہ ہیں)، تصوف و شریعت سبھی اپنے قدرداں کے اس طرح چلے جانے پر گریہ زاری کررہے ہیں۔ راتوں کا تہجد، اور دن کی حسین و جمیل مجلسیں، غرضیکہ دور، قریب اور اجانب و اقارب اپنے اس پیشوا کے جانے پر غمزدہ ہیں، اور اپنے غم کا اظہار ظاہری و باطنی طریقہ سے اپنے اپنے انداز میں کررہے ہیں، اس سے ان کی شخصیت کی مقبولیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، ملاحظہ فرمایئے اشعارِ بُکا:

یبکیك السماء و نیّراها ☆ و ھذی الارض ھامدة تمیل
آپ کو آسمان اور چاند سورج رورہے ہیں اور یہ زمیں جو چکر کھارہی ہے (یہ بھی رورہی ہے)

یبکیك البحار و ما حوتھا ☆ و تبکیك الحزونة و السھول
آپکو دریا اور جو کچھ ان میں ہے رورہے ہیں اور غم و الم و سہولیات و راحت بھی رورہے ہیں

یبکیك البیوت و ساکنوھا ☆ و تبکیك المعالم و الطلول
آپ کو گھر اور ان کے رہنے والے رورہے ہیں اور پہاڑ اور ٹیلے رورہے ہیں

یبکیك العلوم و دارسوھا ☆ و تبکیك الضوابط و الاصول
آپ کو علوم اور ان کے پڑھنے والے رورہے ہیں اور ضوابط اور اصول رورہے ہیں

یبکیك المنابر موحشات ☆ و تبکیك المواعظ و القبول
آپ کو یہ وحشت ناک منبر رورہے ہیں وعظ اور ان کی قبولیت رورہی ہے

یبکیك المدارس مظلمات ☆ علیها الیوم دائلة تدول
آپ کو مدرسے جو تاریک ہوگئے ہیں اور ان پر آج انقلاب کی یورش ہے رورہے ہیں
یبکیك الطریق و سالکوها ☆ و یبکیك التصوف و الوصول
آپ کو طریقت اور سالکین رورہے ہیں تصوف اور وصول الی اللہ رورہا ہے
یبکیك الحقائق و المعانی ☆ و تبکیك الصحائف و النقول
آپ کو حقائق و معانی اور کتابیں و نقلیات رورہے ہیں
یبکیك التهجد باللیالی ☆ و مجلس یومك الحسن الجمیل
آپ کو راتوں کا تہجد اور آپ کی حسین و جمیل مجلس رورہی ہے
یبکیك الاقاصی و الادانی ☆ و یبکیك الاجانب و القبیل
آپ کو دور اور قریب کے لوگ اور غم اور اپنے سبھی رورہے ہیں
و یبکیك الزمان لفقد خیر ☆ بفقدك ایها البر الوصول
اے بزرگ واصل آپ کو زمانہ رورہا ہے کہ آپ کے جانے سے خیر عظیم جاتی رہی

یہی وجوہات ہیں کہ مولانا مرحوم کی شخصیت کو بھلایا نہیں جا سکتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے سامنے چل پھر رہے ہیں۔ ان کے آثار اور حکیم الامت کی ذاتِ گرامی سے جڑے ہوئے نورانی ایام ناقابلِ فراموش ہیں۔ ان کا ذکر ہماری مجلسوں میں عرصۂ دراز تک رہے گا:

فلا ننساك اشرف! مابقینا ☆ و انك بین اعیننا تجول
لہٰذا اے اشرف زمانہ جب تک ہم زندہ ہیں آپ کو نہ بھولیں گے اور آپ تو ہماری نظروں میں چل پھر رہے ہیں
تذکرناك آثار کرام ☆ ترکت لنا و ایام حجول
ہم آپ کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں یہ آثار کریمہ جن کو آپ نے چھوڑا ہے اور یہ نورانی ایام
اذا نسی الانام حدیث قوم ☆ فذکرك فی مجالسنا یطول
لوگ کسی قوم کی باتوں کو بھول جائیں تو بھول جائیں آپ کا ذکر تو ہماری مجلسوں میں طویل رہے گا

اس کے بعد مولانا قدیم شاعرانہ طرز کے مطابق اپنی آنکھ کو مخاطب کر کے اسے

رونے اور آنسو بہانے پر زور دے رہے ہیں، کیونکہ یہ حادثہ اتنا سنگین ہے جسے بھلایا نہیں جا سکتا، اس کیلئے ہم اگر اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کر دیں تو بھی حق ادا نہیں کیا جا سکتا:

الا یا عینُ جودی و استھلّی ☆ بدمع بعد ذلك لا یسیل
اے آنکھ سخاوت کر اور وہ آنسو بہا جو اس کے بعد کبھی نہ بہیں گے

فانی لن اصاب بمثل ھذا ☆ و ان رحیله لھو الرحیل
کیونکہ مجھ کو ایسی مصیبت کبھی پیش نہ آئے گی اور کوچ در حقیقت اسی کا کوچ ہے

فدته نفوسنا لو کان یبقی ☆ لکان لنا به ظل ظلیل
ان پر ہماری جانیں فدا ہوں اگر آپ زندہ رہتے تو ہمارے لیے ان کا یہ عجیب سایہ رہتا

مولانا کو اپنے مرشد کی وفات پر جہاں بے انتہاء غم اور رنج ہے، وہیں اس بات پر انہیں اطمینان وسکون بھی حاصل ہے کہ وہ اپنے نیک اعمال اور تعلق مع اللہ کی بدولت اللہ کے فضل وکرم سے جس مقام پر گئے ہیں، وہ مقام قابلِ صد رشک مقام ہے اور اس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں، کیوں کہ وہاں پر انہیں اللہ کا سلام، اجرِ جزیل اور ابدی نعمتیں مل رہی ہیں۔ ہماری جماعت کا یہ مایۂ ناز فرد (انشاء اللہ العزیز) اللہ تعالیٰ کے پاس عمدہ عیش میں ہے۔ (یہ مولانا کے عقیدت مندانہ خیالات ہیں، جو انہوں نے اپنے پیرو مرشد کی قربت میں رہتے ہوئے ان کی عملی زندگی کو دیکھ کر قائم کئے ہیں۔ مقامات کا تعین صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے انعامات پر منحصر ہے):

لیھنك سیدی فی کل یوم ☆ سلام الله و الاجر الجزیل
اے ہمارے آقا آپ کو مبارک ہو روز اللہ کا سلام اور اجر جزیل

و صلت الی مقام شھود صدق ☆ یحف به نعیم لا یزول
آپ حقیقی مقام شہود پر پہنچے جس کو ابدی نعمتیں محیط ہیں

فانت لدی الاله بخیر عیش ☆ و انت لخیلنا سلف رحیل
آپ اللہ تعالیٰ کے پاس عمدہ عیش میں ہیں اور آپ ہماری جماعت کے مایۂ ناز فرد تھے

اسی کیساتھ مولانا کا ذہن اس ارضِ مقدس کیطرف مراجعت کر رہا ہے جس میں

تمام مخلوقات کی افضل ترین ہستی نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ قیام فرما ہیں۔ اس ارض مقدسہ کی زیارت بھی ہر قلب کی زندگی ہے۔ اس ارضِ مقدسہ کی مٹی بھی مریض قلب کی شفا ہے، کیوں کہ وہ ارضِ مقدس اپنے دامن میں اس مایۂ ناز شخصیت کو لئے ہوئے ہے کہ جس کیلئے جان کا نذرانہ پیش کر دینا دنیا کی سب سے بڑی سعادت ہے:

بنفسی روضة فی ارض قدس ☆ بها حدث له شرف نبیل
میری روح اس چمن پر فدا ہو جو پاک زمین میں ہے — جس میں شرف و بزرگی والی قبر شریف ہے

زیارته الحیاة لکل قلب ☆ و تربته بها یشفی الغلیل
کہ جس کی زیارت ہر قلب کی حیات ہے — جس کی مٹی مریضِ قلب کی شفاء ہے

اذا فقد الریاض عبیر ورد ☆ فماء الورد عن ذاك البدیل
جب چمن گلاب کے پھولوں کو کھو دیتا ہے — تو گلاب کا پانی اس کا بدل مانا جاتا ہے

و ان افلت ذکاء فان نجما ☆ ظلام اللیل عن افق یزیل
اگر سورج کی روشنی غائب ہو جائے تو ستارے — رات کی تاریکیوں کو افق سے غائب کر دیتے ہیں

فصبراً یاالِ اشرف ان فیکم ☆ نجوماً یهتدی بهم الضلول [۹]
تو صبر کرو کیوں کہ تم میں اشرف ایسے ستاروں کی — مانند تھے جن کے ذریعہ اندھیروں میں روشنی ملتی تھی۔

حبِّ رسول ﷺ سے سرشار ذہن، پھر اپنے پیر و مرشد کی طرف لوٹ جاتا ہے جنہیں دیکھ کر اطاعتِ رسول ﷺ کا داعیہ پیدا ہوتا تھا۔ جو عرقِ گلاب اور روشن ستاروں کی مانند تھے۔ چوں کہ یہ ایک کلیہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت کرنے والا اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے والا شخص ہزاروں قلوب کو غیر فانی نور سے حیات بخشنے والا ہوتا ہے اور وہ فنا نہیں ہوتا۔ ہمارے حکیم الامت بھی اسی قبیل سے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر گھڑی رحم و کرم کی بارشیں نازل ہوں:

و ما مات الذی احیی قلوبا ☆ بنور ما له ابدا افول
اور جس نے ہزاروں قلوب کو غیر فانی نور — سے حیات بخشی ہو وہ وفات نہیں پاتا

علیه من المهیمن کل حین ☆ شآبیب الکرامة و الظلول
اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر گھڑی — رحم و کرم کی تراوشیں اور بارشیں نازل ہوں۔

مرثیہ نمبر پانچ

مولانا تھانویؒ کا ایک اور مرثیہ

مولانا ظفر احمد صاحب نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک اور مرثیہ کہا، جو "معارف" کے اکتوبر ۴۳ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ یہ مرثیہ چونتیس اشعار پر مشتمل ہے۔ بظاہر یہ گذشتہ مرثیہ کا تتمہ معلوم ہوتا ہے، لیکن دونوں کے مضامین قدرے مختلف ہیں۔ ابتداء اس مرثیہ کی بھی غم وحزن کی اس کیفیت سے ہوتی ہے جو شاعر کے دل پر اس سانحہ سے واقع ہوا ہے، اس کا انداز پہلے سے ذرا سا مختلف افسانوی طرز لئے ہوئے ہے، ملاحظہ فرمائیں: (۱۰)

بقلبی هم لا یکاد یزول ☆ ثقیل و هم العاشقین ثقیل

میرے دل پر ایسا گراں بارغم ہے جو دور ہونے والا نہیں اور بلاشبہ عاشقوں کا غم گراں بار ہوتا ہے

یسھرنی لیلا طویلا و لم اکن ☆ لأسھر الا ان یبین خلیل

یہ غم مجھے لمبی لمبی راتوں میں جگائے رکھتا ہے اور دوست کی جدائی کے سوا میں کسی اور غم میں جاگنے والا نہیں تھا

الی اللہ اشکوا ما الاقی من النوی ☆ و لو ان قلبی للجبال حمول

جو غم میں برداشت کر رہا ہوں اس کی فریاد اللہ سے کر رہا ہوں اگر چہ میرا قلب پہاڑوں کو اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہے

اور صرف دل پر ہی اکتفاء نہیں، بلکہ دل کے ساتھ ساتھ آنکھ اپنا کام اس انداز سے کر رہی ہے کہ وہ گرم پانی کا چشمہ بہا کر اس دل پر پڑے ہوئے غمگین بوجھ کا اظہار کر رہی ہے:

کان بعینی مابقلبی من الجوی ☆ فمن طرفھا عین الحمیم تسیل

گویا کہ میری آنکھ میں وہی سوزش ہے جو میرے دل میں ہے چنانچہ میری آنکھوں کے گوشوں سے گرم چشمے بہہ رہے ہیں

مولانا اس غم کی منظر نگاری بایں طور کر رہے ہیں جیسے کہ رات کے وقت کا عالم ہو، ایسے وقت میں موت کی خبر دینے والا کسی کی موت کی خبر سنائے تو اندھیری رات

اور موت کے خوف سے سننے والے پر خوف والم کی جو غم ناک کیفیت گذرے گی وہی حالت میری حکیم الامت کے انتقال کی اطلاع سے ہوئی اور میرا دل اس اطلاع پر تصدیق کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ لیکن یہ خبر مبنی بر حقیقت تھی، اس وجہ سے دل پر جو کیفیت گذری اس کا اظہار نا قابلِ بیان ہے۔

و داعٍ دعا اذ قام باللیل ناعیا ☆ فطار بقلبی القول حین یقول

پکارنیوالے نے پکارا جب اس نے رات میں انکی وفات کا اعلان کیا تو میرا دل اس صدا کے ساتھ اڑ گیا

فقلت له غیر اشرف ناعیا ☆ فدته الوری لو للفداء قبول

تو میں نے پکارنیوالے سے کہا کہ یہ شاید اشرف علی کی وفات کا اعلان نہیں ہے کیونکہ ان کیلئے تو تمام مخلوق فدا ہونے کیلئے تیار ہے اگر فدیہ قبول کیا جائے

فبکی و نادی ان اشرف قد ثوی ☆ فضجت قلوب بالبکا و عقول

تو وہ رویا اور اس نے اطلاع دی کہ اشرف علی کا انتقال ہو گیا تو میرا دل و دماغ بکاء سے بھر گیا

اس یقین کے بعد کہ مولانا تھانویؒ کی وفات واقعتاً ہو گئی ہے۔ مولانا کا شاعرانہ ذہن مولانا تھانوی کے اوصاف و کمالات کی طرف گھوم جاتا ہے۔

مولانا اشرف علی کی وفات کا سانحہ کسی ایک گھر یا خاندان کا غم نہیں، بلکہ وہ تمام نیک لوگوں کا غم ہے، کیونکہ انہوں نے قرآن کی تفسیر کی خدمات انجام دیں۔ وہ ایسے فقیہ تھے جو فروع و اصول پر دسترس رکھتے تھے، وہ متقی تھے، اور ذی رائے تھے، انکی رائے کا عوام احترام کرتے تھے، ان کی مختلف علوم پر مبنی کتب سے اہلِ علم استفادہ کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے اس حادثۂ فاجعہ پر غم و حسرت اور افسوس کا اظہار ایک قدرتی و فطری امر ہے، یہ غم ایسا غم ہے کہ اگر پہاڑوں پر پڑ جائے تو وہ لرز جائیں، کیونکہ وہ اپنے علمی کمالات کی وجہ سے اللہ تعالی سے قتال کرنے والے گروہ کیلئے شمشیر برہنہ کے مانند کام کرتے تھے۔

مجدد هذا القرآن حقا حکیمه ☆ فقیه لدیه للفروع اصول

وہ اس صدی کے حقیقی معنوں میں مجدد اور حکیم ہیں، ایسے فقیہ ہیں کہ جنکے پاس تمام مسائل فرعیہ کے اصول ہیں

مفسر هذا العصر من غیر ریبة ☆ له فی المعالی رأیة و رعیل

بلاشک وشبہ وہ اس زمانے کے مفسر ہیں، اور معانی قرآن کا جھنڈا اور ترجمۂ قرآن کی قیادت ان ہی کے لیے ہے۔

تقی نقی حجۃ ذو اصابۃ ☆ من الرأی اذ رأی الانام اقول

وہ تقی نقی اور حجت ہیں، اور جب لوگ اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ وہ اصابت رائے کے مالک ہیں

لہ کتب فی کل علم جمیلۃ ☆ بہا یشتفی للطالبین غلیل

ہر علم و فن میں ان کی خوبصورت تصانیف ہیں جس سے طالبین کے امراض کو شفا ملتی ہے

تقطر قلبی اذ رأیتک راحلا ☆ و کادت لہ شم الجبال تزول

میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا جب میں نے انہیں کوچ کرتے دیکھا اور قریب تھا کہ پہاڑ کی بلندیاں اپنی جگہ سے ہل جائیں

فوا حسرتنا ما اقبح البین بیننا ☆ و اقطعہ و النائبات تہول

ہائے افسوس ہماری جدائی کس قدر بری ہے جسے میں طے کرنا چاہتا ہوں لیکن مصیبتیں ڈرا رہی ہیں

و یا قاتل اللّٰہُ النوی ما امرّہ ☆ واصرعہ للمرء حین یصول

اللہ تکلیفوں کو فنا کرے یہ کس قدر سخت ہیں، اور کتنی جلدی یہ مرد کو پچھاڑ دیتی ہیں جب وہ اس پر جھپٹتی ہیں

فیا لیت ایام الفراق رواحلا ☆ و یا لیت ایام الوصال تؤول

کاش کہ فراق کے دن گذر جاتے اور کاش کہ وصال کے دن لوٹ آتے

مولانا حکیم الامت کی مقبولیت کی وجوہات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ حکیم الامت ایسی شخصیت کے حامل تھے کہ جنہوں نے اپنے علمی کمالات کی وجہ سے علوم پر پڑی ہوئی نقاب اٹھانے کے ساتھ ساتھ اس کے پوشیدہ رازوں کو گویائی عطا فرمائی، جس کی وجہ سے خود ساختہ فریبِ دانشوری میں مبتلا افراد دلدل میں مبتلا شخص کی مانند ہو گئے، اور حکیم الامت نے ایسے علمی نکتے دریافت کئے جنہوں نے ان علوم کو خزانے کی حیثیت دے دی، جس کی وجہ سے مخلوق کے درمیان انہیں عظمت و بزرگی حاصل ہوئی:

فمن لعلوم قد کشفت لثامہا؟ ☆ و لم یقتبسہا عن سواک سؤول

اب ان علوم کیلئے کون ہے؟ جنکی آپ نے نقاب کشائی کی ہے اور سوال کرنیوالے نے آپکے سوا کسی سے بھی (جواب) حاصل نہیں کیا ہے

و من لمعان قد نطقت بسرّہا؟ ☆ و زلّت باقدام العقول وحول

اور اب ان معانی کیلئے کون ہے جنکے اسرار آپ نے بیان کئے ہیں جن میں نہ جانے کتنی عقلوں کے قدم ڈگمگا گئے ہیں

و من لنکات قد فتحت کنوزها؟ ☆ لها غرر بین الوری و حجول
اب ان علمی نکات کیلئے کون ہے؟ جنکے خزانوں کو آپ نے کھولا ہے لوگوں میں ان نکات کی بڑی قدر و قیمت ہے۔
و من لعضال اعجز الناس طبه؟ ☆ و انت لکشف المعضلات کفیل
اور ان علمی پیچیدگیوں کیلئے کون ہے؟ جسنے تمام انسانوں کو عاجز کردیا ہے اور آپ ہی پیچیدگیوں کو دور کرنے میں کافی تھے
و من لبیان فی القلوب مؤثر؟ ☆ و بعدك قول القائلین فضول
اور دلوں میں اثر کرنیوالے خطابوں کیلئے اب کون ہے؟ آپ کے بعد خطیبوں کے خطاب بیکار ہیں

انہیں وجوہات کی بناء پر اس عالم باعمل کی وفات پر علماء، صلحاء اور متقی حضرات اس طرح ماتم کناں ہیں کہ آنسو سیلاب بلا کی صورت اختیار کر گئے ہیں، یہ گریہ زاری کسی ایک طبقہ یا کسی ایک متعینہ زمانہ سے عبارت نہیں ہے، بلکہ یہ نالۂ شیون تا قیامت یوں ہی جاری رہے گا:

یبکیك اهل العلم و البر و النهی ☆ سواءً شباب منهم و کهول
آپ پر تمام اہل علم و تقی اور اطاعت گذار رو رہے ہیں خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھے
یبکیك اهل الزهد و الورع و التقی ☆ بآما تهم مثل العیون سیول
آپ (کی وفات) پر تمام اہل زہد و ورع گریہ کر رہے ہیں ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہے
یبکیك اهل الارض فی کل لیلة ☆ و فی کل یوم رنة و عویل
اہل زمین ہر رات آپ کے غم میں روتے ہیں اور ہر دن نوحہ وفغاں کرتے ہیں

اس کے بعد مولانا، حکیم الامت کی وفات کے سانحہ کو زبردست حادثہ قرار دیتے ہوئے گویا ہیں کہ یہ حادثہ ایسا حادثہ ہے کہ جس کی وجہ سے اطراف و اکناف کے عوام آزمائش میں مبتلا ہو گئے ہیں، کیوں کہ آپ ہر بیمار شخص کیلئے طبیب کے مثل تھے۔ آپ علوم کے فریادرساں تھے اور آپ کے چہرۂ انور کی دید سے آلام و مصائب اسی طرح زائل ہوتے تھے جس طرح چمک دار دھار دار تلوار کے سامنے کوئی نہیں ٹک پاتا۔ مولانا نے حکیم الامت کے ساتھ زندگی کے گذارے ہوئے ایام کو نہایت شیریں، خوبصورت اور بڑی پاکیزہ زندگی کا دور تسلیم کیا ہے، حکیم الامت کی مجالس عدل و انصاف اور زہد و

تقویٰ کا ایک اعلیٰ نمونہ تھیں اسی وجہ سے آپ کے ذکر کے بغیر زندگی بے کیف لگتی ہے۔

فقد حاق بالناس البلا کل جانب ☆ وکنت طبیبا و الزمان علیل

(آپکے بعد) لوگوں کو بلا اس نے ہر چہار جانب سے گھیر لیا ہے — کیونکہ آپ طبیب تھے اور سارا زمانہ مریض

و کنت ملاذاللانام غیاثهم ☆ و وجهك سیف للهموم صقیل

اور آپ تمام مخلوق کی پناہ گاہ اور ان کے مددگار تھے اور آپکا — چہرۂ انور غموں کو کاٹنے والی چمکدار تلوار کی مانند تھا

تذکرت ایاما مضت فی حلاوة ☆ اذا انت حی و الزمان جمیل

میں ان دنوں کو یاد کررہا ہوں جو حلاوت میں گذر گئے ہیں — جب آپ بقید حیات تھے اور یہ زمانہ خوبصورت تھا

مضت فمضی ما کان من طیب عیشة ☆ بمجلس خیر ما لذاك عدیل

وہ دن گذر گئے تو انہیں کے ساتھ زندگی کے مزے بھی — رخصت ہوگئے، ان خیر کی مجلسوں میں جن کی اب کوئی مثال نہیں

اقوم و مالی غیر ذکرك ملهج ☆ و ارقد و الافکار فیك تحول

میں بیدار ہوتا ہوں تو دل میں آپ کے ذکر کے سوا کچھ نہیں ہوتا — اور جب میں سوتا ہوں تو آپ کی یادوں میں فکر سرگرداں رہتی ہے

اسی کے ساتھ مولانا ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ حکیم الامت نے اپنی موت کے وقت مولانا کو بلا کر قرآنی آیت کریمہ ﴿و جعلنا ها و ابنها آیة للعالمین﴾ لکھ کر انہیں دی تھی۔[11] جس سے اشارہ ملتا ہے کہ حکیم الامت نے نرینہ اولاد نہ ہونے کے باعث مولانا ظفر صاحبؒ کو اولاد کے مانند مان لیا تھا۔ یہ نمونہ اور یہ مثالیں بہت ہی برکتوں والی ہیں:

بنفسی من لم ینسنی عند موته ☆ دعانی باسمی واللسان کلیل

میری جان اس پر قربان جسنے اپنی موت کیوقت بھی مجھے فراموش — نہیں کیا اور مجھے میرے نام سے پکارا جبکہ زبان تھکی ہوئی تھی

و قد کان فیما قبل یومین خط لی ☆ کتابا له فی المرجفین صلیل

اور وفات سے دو دن قبل انہوں نے مجھے خط لکھا اس حالت میں کہ — ان کی انگلیوں کے ارتعاش سے آواز پیدا ہورہی تھی

یبشرنی انی بعیسی ابن مریم ☆ ببرکته انموذج و مثیل

مجھے بشارت دی کہ میں عیسیٰ بن مریم — کی طرح نمونہ اور مثال ہوں ان کی برکت سے

علیها مع الابن السلام و تحیة ☆ من الله ما یتلو العروج نزول

حضرت مریم اور ان کے بیٹے عیسیٰ پر اللہ کا سلام اور درود ہو جب تک کہ عروج نزول کا پیچھا کرے

بشارة شیخ عارف قرب موته ☆ لنعمة ربی آیة و دلیل

شیخ عارف کا اپنی موت کے قریب کوئی بشارت دینا میرے رب کے انعامات کی نشانی اور دلیل ہے

جزاه اله العرش خیرا یمده ☆ بخیر عظیم و الجزاء جزیل

مالک عرش اس کو ایسی جزائے خیر دے جو اسے خیر عظیم اور جزائے جزیل تک لے جائے

مرثیہ مع ترجمہ
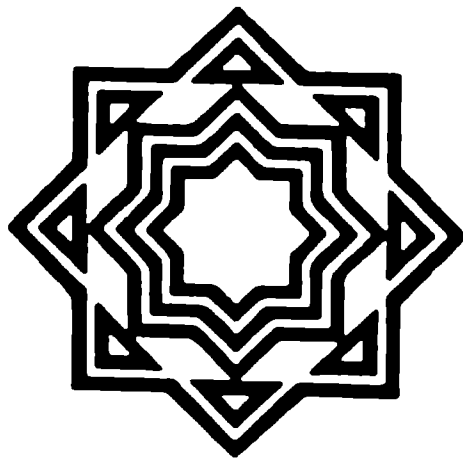
شریک حیات کا مرثیہ

مولانا ظفر احمد صاحب کی پہلی شادی تھانہ بھون کے پیر جی ظفر احمد صاحب کی صاحب زادی کے ساتھ (۱۳۲۹ھ/۱۹۱۰ء میں) ہوئی تھی۔ جن کی ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء میں وفات ہوگئی۔ (پیر جی ظفر صاحب کی ایک صاحبزادی کی شادی مولانا اشرف علی صاحب سے بھی ہوئی تھی [۱۲] اس رشتہ سے مولانا ظفر احمد صاحب اپنے پیر و مرشد کے ہم زلف بھی تھے) مولانا کی طبیعت اس واقعہ سے حد درجہ متاثر ہوئی۔ شریکِ حیات کی طویل رفاقت کے بعد اس طرح داغِ مفارقت دے جانا واقعۃً بہت بڑا صدمہ تھا۔ مولانا نے اپنی ان کیفیات کو مرثیہ کی شکل میں پیش کیا۔ جو ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں اپریل ۵۱ء میں شائع ہوا، فی الحقیقت یہ مرثیہ دلی جذبات کی حقیقی ترجمانی ہے۔ اس میں الفاظ کی بندش اور جاذبیت اس قدر ہے کہ اس کی وجہ سے مشہور مؤرخ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مولانا کی عربی شاعری پر قادر الکلامی کا اعتراف کیا ہے، اور اس پر خصوصی ادارتی نوٹ میں اس کو واضح کیا ہے۔ [۱۳]

مولانا نے اس مرثیہ میں اپنے مونس و غم خوار کی جدائی پر حد درجہ افسوس کا اظہار کیا ہے، اور اس مرثیہ میں ان کے ظاہری حسن و جمال کا خاص طور سے ذکر کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرحومہ باطنی اوصاف کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن و جمال کی دولت سے بھی مالا مال تھیں۔ اس کا آغاز ملاحظہ فرمائیے:

أف لفرقة مونسی و أنیسی ☆ بدر البدور نعم وشمس شموس

ہائے افسوس ہمدرد و غم خوار کی جدائی پر جو ۔ چاندوں کا چاند اور سورجوں کا سورج تھی

حسناء ، بیضاء الفعال فریدة ☆ غیداء قد ارزت لکل نفیس

جو خوبصورت، نیکو کار اور منفرد تھی، ایسی نرم و نازک ۔ جو ہر عمدہ شئے اور ہر خوبصورت کو شرمادے

حسن و جمال کی انتہائی تشبیہات سے مولانا کی مراد ان کی ظاہری خوبصورتی سے لی جاسکتی ہے، لیکن ایک مؤمن کی باطنی خوبصورتی یہ ہے کہ وہ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو، اور اللہ کا اطاعت گذار، فرماں بردار ہو۔ مرحومہ ان اوصاف سے بھی متصف تھیں۔ ان اوصاف کو ابھارنے کیلئے مولانا نے انتہائی مبالغہ سے کام لیا ہے کہ ''اگر وہ اپنے اندازِ عبادت کے ساتھ مشرکین میں تبلیغ کا فریضہ انجام دیتیں تو وہ شیطانی طریقوں پر چلنے والے مشرکین بھی ان کے اس عمل سے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے، اور اگر ان کا ظاہری جمال مجوسیوں کے سامنے ظاہر ہو جاتا تو اس حسن و جمال کے سامنے مجوسیوں کے آتشدان سرد پڑ جاتے'' ان اشعار سے مولانا کی باطنی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے جو وہ اپنی اہلیہ کے تئیں رکھتے تھے۔

اللّٰہُ زینھابحسن ملاحۃ ☆ و عبادۃ و طھارۃ الناموس

اللہ نے انہیں ملاحت ، عبادت اور طہارت نفس سے مزین کیا تھا

لو انھا للمشرکین تعرضت ☆ سجدوا لطلعتھا بنوا ابلیس

اگر وہ مشرکین کے سامنے آجاتیں (یعنی انہیں اپنا ظاہری جمال دکھادیتیں) تو تمام فرزندان ابلیس ان کے حسن کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتے

و لو انھا خرجت لھم فی زینۃ ☆ خمدت لھا انفاس نار مجوس

اگر وہ اپنی زیب وزینت کیساتھ آتش پرستوں کے سامنے آجاتیں تو آتش کدہ مجوسی ان کے حسن کی تاب نہ لاکر سرد پڑ جاتا

مذکورہ بالا اشعار نے مولانا کی شاعرانہ طبیعت کی پوشیدہ صلاحیتوں کو پوری طرح ابھار دیا ہے، اور ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ وہ حسن و جمال کی شیدا طبیعت کے مالک تھے جس کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکے۔

جیسا کہ گذر چکا ہے کہ مولانا کی اہلیہ حسنِ صورت کے ساتھ ساتھ حسنِ سیرت سے بھی مالا مال تھیں انہوں نے خود کو خلقِ خدا کے لئے وقف کر دیا تھا، ان کے انہیں اوصاف کے باعث ہر ملنے والا اور تمام اعزاء واقرباء سکون وراحت محسوس کرتے۔ ایسی شخصیت کا اس طرح جدا ہونا نہایت تکلیف دہ ہے، چناں چہ درج ذیل اشعار میں ایسے

ہی جذبات کو نظم کیا گیا ہے جن کا اظہار مولانا نے اپنے مندرجہ ذیل اشعار میں کیا ہے:

کانت حیاة للنفوس و راحة ☆ للقلب قرة عین کل جلیس
وہ لوگوں کے لیے زندگی اور دلوں کے لیے راحت تھی، اور ہر ہم نشین کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی

راحوا بها یوم الخمیس فلم ازل ☆ قلق الفؤاد بکل یوم خمیس
لوگ اس کو جمعرات کے دن لے کر چلے تب سے آج تک ہر جمعرات کو میرا دل مضطرب رہتا ہے

و افرقتاه لقد تقطع مهجتی ☆ و بقیت فی نکد اذل خسیس
ہائے جدائی کہ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور میں غم و الم کے ساتھ زندہ رہ گیا

و احرقتاه فلا قرار بدونها ☆ یا ویح قلب بالفراق و طیس
ہائے سوزش کہ اس کے بغیر قرار نہیں اور ہائے افسوس اس دل پر جو فراق میں خونچکاں ہے

و احرّ قلباه فکیف یلذ لی ☆ عیش تبدل سعده بنحوس
ہائے سوزش دل مجھے زندگی کی لذت کیسے ملے؟ جس کا سعد نحس میں تبدیل ہوگیا

آگے مولانا نے شعری انداز بدل دیا ہے، وہ اپنی اہلیہ کے دوسرے عالم میں پہونچ جانے پر افسردگی و ملال کا اظہار کرتے ہوئے انہیں مخاطب کر رہے ہیں کہ تم ہمارے دلوں سے دور نہیں ہو، بس یہ سمجھ لو کہ ہمارے سینوں کی دھڑکن، آنکھوں کا سرور اور ذہن کا سکون سب کچھ تمہاری یادوں سے وابستہ ہے۔ میں تم سے انتہائی تیز رفتار سواری پر سوار ہو کر منزلِ مقصود پر پہونچ کر مل لوں گا، میں تمہارا پیچھا اس طرح کر رہا ہوں کہ اس طریقہ کا پیچھا کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔

لا تبعدی فلأنت بین قلوبنا ☆ و صدورنا و عیوننا و رؤوس
مجھ سے دور نہیں ہوتی ہو تم تو ہمارے دلوں میں آنکھوں اور سروں میں بسی ہوئی ہو

لا تبعدی لأوافینك عاجلا ☆ فلقد حدا بالرکب حادی العیس
تم مجھ سے دور نہیں ہوئی ہو عنقریب تم تک پہونچنے والا ہوں، شتربان نے قافلہ کے اونٹوں کو ہنکا دیا ہے

لا تبعدی فالله خیر خلیفة ☆ منی علیك فداك کل نفوس
مجھ سے دور نہیں ہوئی ہو تمہارے جانیکے بعد (میرا ساتھی) اللہ ہے، میری جانب سے تم پر تمام جان قربان،

اس خطاب کے ساتھ مولانا اپنی اہلیہ کو بڑی قیمتی دعاؤں سے نواز رہے ہیں، کیوں کہ اب ان کے لئے یہی چیز ذخیرۂ آخرت ہے، دعاء میں بھی مولانا نے بہت دل کش انداز اختیار کیا ہے، چند الفاظ میں انتہائی جامع اور مؤثر دعائیں دے کر "دریا کو کوزہ میں بند کرنے" کا محاورہ پورا کر دیا ہے:

حیاك ربكِ و الملائكة الكرا ☆ م بقولهم نامی کنوم عروس
اللہ تعالی تمہیں حیات جاودانی عطا کرے اور ملائکہ تم سے اس قول کے ساتھ ملیں کہ تو سو جا دلہن کی طرح سو جا

سبقت للكِ الحسنی فانتِ بعیدة ☆ عما یسوء ك یا اجل انیس
تمہاری نیکیاں آگے بڑھ جائیں اور تم برائی پہونچانے والی ہر شئے سے دور رہو اے بہترین دوست

روّی الاله رباكِ کل عیشة ☆ و سقاكِ من نهر الحیا بکؤوس
حیات اخروی کے ہر لحہ میں اللہ تمہیں سیراب کرے اور تمہیں نہر حیا سے جام پر جام پلائے

اسی مرثیہ کے ایک شعر میں انہوں نے سالِ وفات کی تخریج بھی کی ہے، جس میں ان کے لئے دعائے خیر کی گئی ہے، اور آخری شعر میں حضورِ اکرم ﷺ، ان کے عیال پر درود بھیج کر مرثیہ کا اختتام ہوا، جو مولانا کا ایک عظیم شعری شاہ کار ہے:

عام الوفاة خلیل ربك مشتری ☆ حق وقاها ربها من بوس
۱۹۵۰ =۱۰۸ ۹۵۰+۲۲۲ + ٦٧٠
وفات کا سال "خلیل ربک مشتری حق" ہے اللہ تعالی اس کی ہر تکلیف سے حفاظت فرمائے

ثم الصلاة علی النبی و آله ☆ما دام بهجة لیلة التعریس
پھر درود و سلام ہو نبی پر اور ان کی آل پر جب تک کہ شب شادی کی خوشیاں دنیا میں باقی رہیں

مرثیہ نمبر سات

دوست کا مرثیہ

مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ، مولانا ظفر احمد صاحب کے حقیقی ماموں زاد بھائی، یعنی مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ مولانا کے ہم عمر تھے، برادرانہ و دوستانہ تعلقات کے علاوہ مولانا کی اہم ترین تصنیفات کے ناشر اور ماہنامہ ''النور''، تھانہ بھون کے مدیر بھی تھے۔ علم دوست اور علماء نواز تھے۔ ابتداء سے ہی علمی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔ تقسیمِ وطن کے بعد پاکستان چلے گئے تھے، وہیں پر شعبان ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء میں بمقام کراچی اچانک انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال پر مولانا نے ایک تعزیتی مضمون بہ عنوان ''محبوبِ نبی شبیر علی'' لکھا، جس کے آخر میں ایک مرثیہ بھی شامل ہے۔ یہ مضمون کراچی کے مشہور علمی جریدہ ''البلاغ'' میں شائع ہوا۔ (۱۴)

مرثیہ کی ابتداء اس آنکھ کو مخاطب کر کے کی گئی ہے جو آنسو میں ڈوبی ہوئی ہے اور موٹی موٹی بوندوں کے مانند اشک بار ہے:

یا عین جودی مع هاطل همل ☆ علی حبیب جمیل الوجه و العمل

اے وہ آنکھ جس سے آنسو کی برسات ہو رہی ہے　　ایسے دوست (وفات) پر جسکا چہرہ بھی خوبصورت تھا اور عمل بھی

اسی کے ساتھ اپنے اس دوست کی جدائی پر دل و دماغ کی جو کیفیت ہوئی، اس کا اظہار ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کیوں کہ وہ حسن و جمال اور شکل وصورت کے علاوہ سیرت میں بھی ممتاز تھے:

وا حر قلباه من موت الحبیب و من ☆ بدر الجمال ببطن الارض منجدل

ہائے افسوس اس دوست کی موت پر دل کی سوزش کا حال کیا بیان کیا جائے　　خوبصورتی میں وہ چودھویں کے چاند کی مانند تھا جو زمین میں چھپ گیا

و احسرتاه کریم کان موضعه ☆ بین العیون رهین الترب و الجزل

ہائے افسوس وہ ایسا سخی تھا جس کا مقام آنکھوں کے درمیان تھا　　وہ مٹی اور لکڑی کے عوض رہن رکھ دیا گیا (قبر میں دفنا دیا گیا)

واحسرتاه احیط البدر فی ظلم ☆ من الغمام و غاب الشمس فی ظلل

وائے حسرت و مایوسی کہ کامل چاند گھنے بادلوں کے اندھیروں میں گھر گیا اور سورج سایوں میں چھپ گیا

و افرقتاه فان القلب متصدع ☆ و العیش منکدر و العین فی همل

ہائے اس کی جدائی دلوں کو شق کرنے والی ہے (اسکے بغیر) زندگی مکدر ہوگئی اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں

وہ ایک کریم النفس، علم کے شیدائی اور حلیم و بردبار تھے، مزید برآں مغلظات، فتنہ وفساد اور دنیاوی جھمیلوں سے دور تھے، ان کی زندگی صاف ستھری تھی، وہ اللہ کا ایسا جوان تھا جس کا مقصد اللہ کی اطاعت کرنا تھا، وہ اخلاقِ عالیہ سے مزین اور خباثتوں سے پاک تھے، سخن سرا ہوتے تو چہرے پر مسکراہٹیں کھلتیں، وہ مساکین کے معاون ومساعد اور خلق خدا کے رفیق تھے، مہربانی، سخاوت، بزرگی، ذہانت، نیکی، بردباری اور تقویٰ جیسی صفات ان میں بدرجۂ اتم موجود تھیں، چغلخوری جیسی بیماری سے کوسوں دور تھے:

ما کان احسنه خلقا و مکرمة ☆ ماکان اطیبه نفسا بلا دخل

وہ ایسا شخص تھا جس کی عادتیں بہت اچھی تھیں اور وہ کریم تھا بہت ہی اچھی شخصیت کا مالک تھا بلاشبہ

العلم ادّبه و الحلم هذّبه ☆ لم یلف قط علی شتم و لا جدل

علم نے اس کو مہذب بنادیا تھا اور حلم نے اسے پاکیزہ اخلاق والا بنادیا تھا وہ کبھی بھی کسی گالم گلوچ یا جھگڑے میں شامل نہیں رہا

بعدا و سحقاً لدنیا لا یزال بها ☆ هم یکدر صفو العیش بالخلل

وہ دنیا کے جھمیلوں سے ہمیشہ دور رہے کیونکہ دنیا ایک ایسا غم ہے جو صاف ستھری زندگی میں خلل ڈال دیتی ہے

لله دُرٌ فتیً قد کان منشأه ☆ فی طاعة الله من ایامه الاول

اللہ کے لیے ہی ہیں اس نوجوان کی بھلائیاں جس کا مقصد پہلے ہی دن سے اللہ کی اطاعت کرنا تھا

مزین بحلی الآداب نائرة ☆ مطهر من قذی الامارة السفل

تہذیب وشائستگی کے زیور سے آراستہ ومنور تھا اور غرور وسرکشی جیسی برائیوں سے بالکل پاک وصاف تھا

حلو الشمائل طلق الوجه مبتسما ☆ عون المساکین محبوب الانام ولی

بہت اچھی عادتوں والا بولتے وقت جسکے چہرے پر مسکراہٹ رہتی تھی وہ غریبوں کا ہمدرد اور عوام کا اور میرا محبوب تھا

حر، کریم، سخی، ماجد، فطن ☆ بر، حلیم، تقی، غیر ذی دغل

وہ شخص کریم، سخی، بزرگ صفت، نہایت ذہین، نیک و بردبار متقی تھا جو کبھی کسی کی چغلی نہیں کرتا تھا

زین العشیرۃ نور العین قرتھا ☆ نعم و منطقه احلی من العسل

وہ خاندان کیلئے قابل فخر اور اسکی آنکھوں کی ٹھنڈک تھا اور اس کی گفتگو شہد سے زیادہ شیریں تھی

ایسا عالی اوصاف شخص، جس میں ظاہری اور باطنی خوبصورتیاں اس درجہ موجود ہوں، وہ اللہ کی رحمت اور لطف وعنایات سے دور نہیں ہوسکتا (انشاء اللہ)۔ ہمیں اللہ کی ذات سے پوری امید ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور نہیں ہوں گے، ان کی زندگی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، ہمیں امید یہی ہے کہ ان کے خلف بھی اس راستہ پر چل کر اپنے ان اسلاف کا نمونہ بنیں گے۔

ان مذکورہ بالا اوصاف کے باعث آج لوگوں کی آنکھیں انہیں آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں میں تلاش کر رہی ہیں:

لا یبعد الله من قد کان طلعته ☆ عنی الحیاۃ لنا بالاعین النجل

اللہ تعالی ایسے بندوں کو (اپنی رحمت سے) دور نہیں کرتا جس کی زندگی دوسروں کے لیے بڑی خوبصورت ہو

کنا نؤمل ان تبقی لنا خلفا ☆ فکنت سلفا لنا یا خیر مرتحل

ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے لیے تمہارے خلف باقی رہیں گے اے عمدہ کوچ کرنے والے تم ہمارے لیے بہترین سلف تھے

تبکی علیك عیون الناس قاطبة ☆ مع السماوات و الارضین و الجبل

تمہاری وجہ سے لوگوں کی آنکھیں رو رہی ہیں جو تم کو آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں میں تلاش کر رہی ہیں

اس کے بعد مولانا نے ایک شعر میں قرآنی آیت سے استشہاد کرتے ہوئے بڑی عمدہ نصیحت سبھی افراد کو بڑے خوب صورت پیرایے میں کی ہے:

و عد من الله یاتی علی اجل ☆ و لات حین مناص (۱۵) منه بالحیل

موت اللہ کا وعدہ ہے جو آکر رہتا ہے اور اس سے حیلوں اور بہانوں سے خلاصی نہیں پائی جاسکتی

درج ذیل اشعار میں مولانا نے اپنے دوست کے لئے دعائیں کی ہیں نیز رسول اللہ ﷺ، آلِ رسول اور اصحابِ رسول پر درود وسلام پیش کیا ہے:

روی الاله ضریحا ضم اعظمه ☆ بصیب من ریاض القدس منهمل

اللہ تعالی اس کو جنت کے بڑے باغوں میں ایسے خالص چشموں سے سیراب کرے جو مسلسل برسنے والے ہوں

ثم الصلاة علی من کان نشأته ☆ اصل الخلائق جرّا ها من الازل

پھر درود ہو اس ذات اقدس پر کہ جو مخلوقات کے دنیا میں آنے کا سبب بنے

محمد خاتم الانبیاء سیدهم ☆ و اکرم الناس طرا افضل الرسل

وہ محمدؐ ہیں جو آخری پیغمبر ہیں اور لوگوں میں سب سے زیادہ مہربان اور انبیاء میں سب سے زیادہ افضل اور روشن ہیں

و الآل و الصحب ثم التابعین لهم ☆ ما لاح نجم علی الآفاق بالأُصُل

اور ان کی اولاد، صحابہ کرام اور ان کے تمام اتباع کرنے والوں پر جو اصولوں کے اعتبار سے افق دنیا پر روشن ستارے کے مانند چمک رہے ہیں
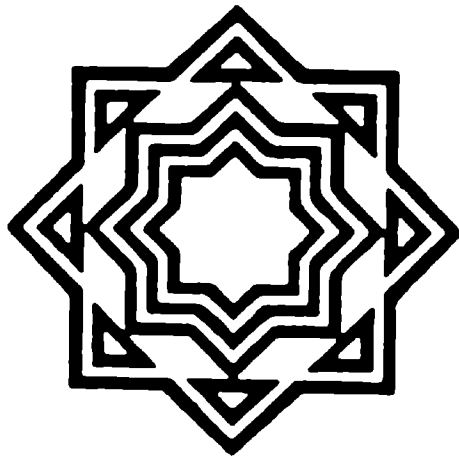
مرثیہ نمبر آٹھ

شاگرد کا مرثیہ

مولانا محمد ادریس کاندھلوی علیہ الرحمۃ برِ صغیر کے ان ممتاز علمائے کرام میں سے ہیں جنہوں نے اپنی علمی خدمات خصوصاً علومِ قرآن وحدیث میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ آپ کی پیدائش ۱۲/ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ/ اگست ۱۸۹۹ء میں معروف مردم خیز قصبہ کاندھلہ میں ہوئی۔ (۱۶) آپ مولانا ظفر احمد کے ہونہار اور لائق شاگردوں میں سے تھے، (۱۷) ان کی تفسیر قرآن ''معارف القرآن'' کے نام سے مشہور ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے بخاری شریف اور مشکوۃ شریف کی شروحات بھی کیں، جو بہت مقبول ہوئیں، خصوصاً مؤخرالذکر کی شرح ''التعلیق الصبیح'' عربی زبان میں سات جلدوں میں بے انتہاء مشہور ہے اور علمی حلقوں میں اہم مقام رکھتی ہے۔

ان کا انتقال مولانا کے انتقال سے کچھ ماہ قبل (جولائی ۷۴ء) میں ہوا، جس کا مولانا پر زبردست اثر ہوا، جس کی عکاسی درجِ ذیل مرثیہ سے ہوتی ہے۔ (۱۸)

مرثیہ کی ابتداء میں دنیا کی نعمتوں کے زوال اور ہر چیز کے فنا ہونے کا ذکر بڑے اچھے انداز سے کیا گیا ہے:

تبا لدنیا لا یدوم نعیمها ☆ و جمیع ما فیها لدینا فان

دنیا کے لیے بربادی مقدر ہے اس کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں اور جو کچھ دنیا میں ہمارے پاس ہے فنا ہونے والا ہے

البتہ اس فانی دنیا میں علم وعمل کے پیکر (مولانا ادریس جیسے) کچھ حضرات ایسے بھی ہیں کہ جن کے اس فانی دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ان کا ذکر خیر باقی رہتا ہے، اور وہ ابظاہر بھلے ہی دور چلے جاتے ہوں، لیکن فی الحقیقت وہ دور نہیں جاتے۔

اسی کے ساتھ مولانا اپنے شاگرد سے جو توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے کہ علوم قرآن وحدیث میں ادریس صاحب مولانا کے خلیفہ بنیں گے، ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کے جنت کی طرف تیزی کے ساتھ چلے جانے اور ورثاء کو روتا بلکتا چھوڑنے کا شکوہ کیا

گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

ادریس لا تبعد فذکرك خالد ☆ و الذکر للانسان عمر ثان

اے ادریس آپ دور مت جایئے آپ کا ذکر ہمیشہ رہنے والا ہے   اور ذکر خیر انسان کے لیے دوسری زندگی ہے

قد کنتُ ارجو ان تکون خلیفة ☆ لدراسة الآثار و القرآن

میں آپ کے متعلق توقع کرتا تھا کہ آپ میرے خلیفہ   (نائب) ہوں گے حدیث شریف اور قرآن مجید کی تدریس کیلئے

لکن رحلتَ الی الجنان بسرعة ☆ و ترکت اهلك فی البکا لزمان

لیکن آپ جلدی سے جنت الفردوس کی طرف چلے گئے   اور اپنے اہل وعیال کیلئے روتا ہوا چھوڑ گئے ایک زمانے تک

سچی بات یہ ہے کہ مولانا علوم کے دریا تھے اور عالم ربانی تو تھے ہی اس کے علاوہ آپ ظاہری حسن و جمال سے بھی آراستہ تھے، چودھویں رات کی چاند کے مانند تھے، اور عملی زندگی میں اس روشن ستارے کی مثل تھے جس سے شیطان کو مارا جاتا ہے۔ شیطان کو مارنے کی تشبیہ دے کر اس شعر کو ذو معنیین بنادیا ہے:

قد کنت بحرا فی العلوم باسرها ☆ و لانت حقا عالم ربانی

آپ تمام علوم کے دریا تھے   اور حقیقت میں عالم ربانی تھے

قد کنت بدرا للغیاهب صاحبا ☆ قد کنت نجما راجم الشیطان

اور آپ چودھویں کے چاند تھے   اور آپ آسمانی ستارہ تھے جس کے ذریعہ شیطان کو مارا جاتا ہے

قد کنت من اهل الصلاح نعم و من ☆ اهل التقی فی السر و الاعلان

اور آپ اہل صلاح وفلاح میں سے تھے، ہاں آپ   اہل تقویٰ میں سے تھے پوشیدہ اور ظاہری احوال میں

ان اوصافِ ظاہری و باطنی کے حامل اپنے اس عزیز ترین شاگرد کو دعاؤں سے نواز رہے ہیں کہ اللہ تعالی اس لائق شاگرد کے ساتھ عفو در گذر اور مغفرت کا معاملہ فرماتے ہوئے یومِ جزا میں اس جنت الفردوس کا وارث بنائے جو اللہ کے لطف و کرم اور فضل و عنایت سے متقیوں کے لئے مخصوص ہے اور مؤمنوں کے لئے ابدی سرمایہ ہے۔ اس دعاء میں مولانا نے مولانا ادریس صاحبؒ کو حصولِ جنت کی دعاء دی ہے۔ حصولِ جنت ہی ہر مؤمن کی آرزو و تمنا ہے:

فالله یورثك الجنان برحمة ☆ وكرامة بالعفو و الغفران

اللہ تعالیٰ آپ کو وارث فرمائے گا جنت الفردوس کا اپنی رحمت سے اور کرم سے اور صفت عفو (معافی) اور بخشش کی وجہ سے

فتكون وارث جنة الفردوس ☆ يوم الجزا بالروح و الريحان

آپ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے جنت کے اندر

آخری شعر درود ہے۔ اس میں مولانا نے رسول اللہ ﷺ کی نسبت آپ کے قبیلہ بنی عدنان کی طرف کرتے ہوئے آپ کو تمام مخلوقات میں افضل ہونے کو شعری جامہ پہنایا ہے:

ثم الصلاة على النبی المصطفی ☆ خير الخلائق من بنی عدنان

پھر درود ہو حضرت (محمد مصطفی ﷺ) پر جو (آخری) نبی اور تمام مخلوق میں سب سے بہتر ہیں اور بنی عدنان سے ہیں پسندیدہ ہیں

اس طریقہ پر یہ مرثیہ اختتام کو پہونچتا ہے۔

مولانا کے جو مراثی دستیاب ہو سکے ہیں، وہ اس مقالہ میں پیش کئے جا چکے ہیں، اب بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ایک طالب علمانہ نظر مولانا کی منظوم تقاریظ پر بھی ڈال لی جائے۔

﴿حواشی﴾ پانچواں باب فصل سوم۔

(۱) مصباح اللغات (عربی، اردو) ص:۲۷۹

(۲) دائرہ معارف اسلامیہ/دانشگاہ پنجاب لاہور/۴۰۴اھ ۱۹۸۴ء/۲۰/۳۸۰

(۳) تاریخ الأدب العربی/عمر فروخ/دار العلم، بیروت/طبع پنجم ۱۹۸۴ء/۱/۸۳

(۴) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں/النور تھانہ بھون/۱۳۳۹ھ/ص:۱۹

(۵) ماہنامہ قاسم العلوم دیوبند/شوال، ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ/ص:۵۷۔۵۹

(۶) ماخوذ از مجالس/مرتبہ مفتی محمد شفیع عثمانی/ادارۃ المعارف، کراچی/۱۳۹۳ھ/ص:۵۰

(۷) اشرف السوانح/خواجہ عزیز الحسن مجذوب/امداد المطابع تھانہ بھون/۱۳۹۴ھ/۳/۱۵۱۔۱۵۴

(۸) معارف، اعظم گڑھ/ستمبر ۱۹۴۳ء/۵۲/۳/ص:۳۲۹ تا ۳۳۲

(۹) درج بالا اشعار میں سے مؤخر الذکر تین اشعار اشرف السوانح میں نہیں ہیں صرف معارف میں ہیں

(۱۰) ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ/اکتوبر ۱۹۴۳ء/۵۲/۴/ص:۳۰۶ تا ۳۰۸

(۱۱) مولنا نے اس شعر کی تشریح کیلئے معارف میں حاشیہ دیا ہے جس میں تحریر فرمایا ہے کہ'' حکیم الامت نے اپنی وفات سے دو دن قبل گھر کے تمام افراد کی موجودگی میں کاغذ اور قلم لے کر ایک تحریر لکھ کر مجھے دی جس میں تحریر تھا''هنيئاً لكم نموذج آية (وجعلناها وابنها اية للعلمين) القرآن الکریم:۲۱/۹۱ اور فرمایا کہ میں اس سے زیادہ لکھنے پر قادر نہیں۔ مجھے اس سے جو خوشی ہوئی وہ نا قابل بیان ہے'' معارف کے مذکورہ شمارہ کا حاشیہ۔

اس آیت سے مولنا تھانوی کا مقصود خواہ کچھ بھی ہو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مولنا تھانوی، مولنا ظفر صاحب کو اپنی حقیقی اولاد کے مانند بنانے کا اشارہ دے رہے ہیں

(۱۲) تذکرۃ الظفر/ص:۱۳۰

(۱۳) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ/اپریل ۱۹۵۱ء/۶۷/۴/ص:۳۰۶

(۱۴) ماہنامہ البلاغ کراچی/شوال ۱۳۸۸ھ/ص:۳۱ تا ۴۰

(۱۵) القرآن الکریم/۳۷/۲

(۱۶) تذکرہ مولنا محمد ادریس کاندھلوی/مرتبہ محمد میاں صدیقی/مکتبہ عثمانیہ لاہور/جولائی ۷۷ء/ص:۱۵

(۱۷) تذکرۃ الظفر/ص:۱۵۰

(۱۸) تذکرہ مولنا محمد ادریس کاندھلوی/ص:۳۵۲۔۳۵۳

فصل چہارم

منظوم تقاریظ

یہ ایک عام دستور ہے کہ ماہرینِ فنون سے فنی شہ پاروں سے متعلق آراء طلب کی جاتی ہیں، تا کہ ان کے معیار کی بابت کوئی رائے قائم کی جا سکے۔ علمی دنیا بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں۔ علم حدیث سے مولانا کو خصوصی مناسبت ہونے کے باعث جب حدیث کی شروحات کا مشاہدہ مولانا کو کرایا جاتا تو مولانا اس پر اپنی رائے کا اظہار ضرور کرتے۔ بہت سی تصنیفات و تالیفات پر مولانا کے تبصرے اردو اور عربی میں محفوظ ہیں، لیکن منظوم تقاریظ کی شکل میں عربی قصائد ہمیں صرف "بذل المجھود فی حل شرح ابی داؤد" اور "الکوکب الدری علی جامع الترمذی" پر ملے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مولانا نے دوسری کتابوں پر بھی عربی میں منظوم تقاریظ کہی ہوں جو ہماری نظروں سے اوجھل ہوں، بہر حال پیشِ نظر کتب پر مولانا نے منظوم تقاریظ لکھ کر نہ صرف یہ کہ ان کتب اور ان کی شروحات سے اپنے خصوصی قلبی تعلق کا اظہار کیا، بلکہ ان کے شارحین کے تئیں بھی اپنی عقیدت، محبت اور خاص جذباتی لگاؤ کا اظہار کیا ہے۔

جہاں تک ان شروحات کی علمی حیثیت کا تعلق ہے اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مذکورہ بالا دونوں ہی کتب علم حدیث کی ایسی شروحات ہیں کہ جن کا معیار تا ہنوز بدستور قائم ہے، خصوصاً حنفی مسلک کے متبعین ان میں دیئے ہوئے حنفی دلائل سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔ مولانا نے اپنے پاکیزہ جذبات کا اظہار بہت خوبصورت انداز سے کیا ہے، جس میں کتاب کے اوصاف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مصنف، مؤلف اور شارح سبھی کو بہترین خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے ان تقاریظ کو بھی زندۂ جاوید بنادیا۔ پیش ہیں دونوں تقاریظ۔

تقریظ نمبر ایک

بذل المجهود فی حل ابی داؤد

اللہ تعالیٰ نے علمِ حدیث کی جن کتب کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور احادیث کی معتبر ترین کتب ''صحاحِ ستہ'' میں جن کا شمار ہوا ان میں سے ایک امام ابوداؤد بجستانی (۸۱۷-۸۸۸ء/ ۲۰۲-۲۷۵ھ) کی مشہور و معروف کتاب ''سنن ابی داؤد'' علمی حلقوں میں کسی طرح محتاجِ تعارف نہیں۔ یہ کتاب آج تک علمی حلقے میں متداول ہے، اس کی شرح کا خیال مولانا ظفر احمد صاحب کے پیر و مرشد مولانا خلیل احمد سہارنپوری (۱۸۵۲-۱۹۲۷ء/ ۱۲۶۹-۱۳۴۶ھ) کے دل میں پیدا ہوا تو انہوں نے تقریباً دس سال کی محنت کے بعد اس کی شرح مکمل کی، جس کا نام ''بذل المجهود فی حل ما قال ابو داؤد'' ہے، لیکن عوام میں "بذل المجهود فی حل ابی داؤد" کے نام سے معروف ہوئی، یہ شرح ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میں شروع ہوئی اور شعبان ۱۳۴۵ھ میں تکمیل کو پہونچی۔ [۱] اس کی پہلی اشاعت ۱۳۴۶ھ میں عمل میں آئی۔ مولانا نے اس شرح کو ملاحظہ کیا تو اپنے جذبات کو اشعار میں پیش کیا۔ یہ منظوم تقریظ کتاب کے مقدمہ کے ساتھ شامل ہے۔ [۲] جو چونتیس اشعار پر مشتمل ہے، اس کی ابتداء اس قلبی کیفیت سے ہوتی ہے جو خوشی کی وجہ سے ناقابلِ بیان ہے:

یا قلب ما لك طائرا بسرور ☆ ما لی اراك کمیت منثور

اے دل تجھکو کیا ہوا کہ تو خوشی سے اڑ رہا ہے (پھولا نہیں سماتا ہے)   مجھ کو کیا ہوا کہ میں تجھ کو منتشر اجزاء کو جمع کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں

اس کے بعد اس خوشی پر استفہامی حالت پیدا کر کے عرصۂ دراز کے بعد محبوبہ کے دیدار سے تعبیر کر رہے ہیں:

ما بال وجهك مشرقا متهللا ☆ ا رأيت وجه سعاد بعد دهور

تیرے چہرے پر خوشی کے اثرات ظاہر ہونے کی وجہ کیا ہے؟ کیا تو نے زمانوں کے بعد سعاد (خیالی محبوبہ) کا چہرہ دیکھ لیا ہے

حورية رمت الرقاب بلحظها ☆ سبت القلوب بشعرها المضفور

جو ایک ایسی خوبصورت عورت ہے کہ جس کے گوشہ چشم سے دلوں میں تیر پیوست ہو جاتے ہیں اور اس کے خوبصورت گندھے ہوئے بالوں نے دلوں میں گھر کر رکھا ہے

پھر اس کی تشبیہ مختلف نادر تشبیہات سے اس طرح دے رہے ہیں:

ام هل مررت على منازلها التى ☆ شاقتك من بين الذرى و الدور

یا تیرا گذر ان مقامات پر ہوا ہے کہ جنکے گھروں اور صحنوں کے درمیان رہنا تجھ کو شاق گذر رہا ہے ؟

ام هل وصلت الى سرادقها عزها ☆ او شمت برق جمالها المستور

یا کیا تو اس کی عزت کے ان بلند مقامات تک پہونچ گیا ہے کہ جہاں اس کے چھپے ہوئے جمال کی بجلی چمکتی ہے

او مر طيف خيالها بك موبنا ☆ ام ارسلت من عندها ببشير

کیا اسکے خیال کی گردش تمہارے لیے باعث اذیت ہوئی دراں حالیکہ تم بھوک اور پیاس کی حالت میں تھے یا اس نے اپنی جانب سے کوئی پیامبر نہیں بھیجا (خیر خبر لینے والا)

اس خوشی کے اظہار اور راس کیفیت مسرت کو ظاہر کرنے کے ساتھ مولانا کی توجہ نعت کی طرف مبذول ہوئی اور نہایت مناسب موقع پر کچھ نعتیہ اشعار چسپاں کر دیئے: (۳)

ما للظلام تبدلت بالنور ☆.ما للزمان اتى بكل حبور

وہ وہ ہے جس نے ظلمتوں کو نور سے بدل دیا اور اسی کی وجہ سے زمانہ کی تمام روشنیاں نمودار ہوئیں

دع عنك ذكر سعاد و الزمن الذى ☆ منى مضى فى حب ذات خدود

سعاد اور اس زمانہ کا ذکر چھوڑ دو جو میرا پردے میں رہنے والی عورت کی محبت میں گذر گیا

انى اطلعت على معالم طيبة ☆ و شممت ريح جنابها المعطير

اب میں پاکیزہ علوم سے (علوم نبوی پر) باخبر ہو چکا ہوں اور میں اس کی معطر ہواؤں کو سونگھنے کی وجہ سے ان سے محظوظ ہو رہا ہوں

نعتِ رسول ﷺ کے ساتھ ہی کلام رسول (احادیث مبارکہ) سے متعلق سنن ابی داؤد کی

شرح (بذل المجہود) کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کلام (کلامِ رسول) کی شانِ مبارک میں اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا ہے:

لما رأیت من الحدیث مولفا ☆ کالبدر یطلع من سهارنبور

جب میں نے حدیث کی اس تالیف (بذل المجہود) پر نظر کی تو ایسا معلوم ہوا گویا کہ سہارنپور کے مطلع سے چودھویں رات کا چاند نکل رہا ہے

خیر الکلام کلام احمد بعدما ☆ اوحی الاله بنظمه فی السور

احمد کا کلام (احادیث مبارکہ) اس کلام کے بعد جو اللہ نے وحی کے ذریعہ ترتیب کی صورتوں میں بھیجا ہے (قرآن مجید) کے بعد سب سے عمدہ کلام ہے

کلامِ الٰہی کے بعد کلام نبوت ہی کو درجۂ فضیلت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلام نبوت کے سلسلے میں جو خدمت بھی انجام دی جائے وہ باعثِ ثواب ہے۔ مولانا نے درجِ ذیل اشعار میں ان پہلوؤں کا تذکرہ کیا ہے:

طوبیٰ لحفاظ الحدیث و اهله ☆ و الناظمین لدره المنثور

یہ کام مبارک ہو حدیث کے یاد کرنے والوں اسکے متعلق کام کرنے والوں اور اسکے بکھرے ہوئے موتیوں کو لڑی میں پرونے والوں کیلئے

والناقدین سلیمه و سقیمه ☆ و النابذین لمفتری بالزور

اور اسیطرح اسکو پرکھنے والے اور اسکی اچھائیوں کو اجاگر کرنے والے اور اسکو برائیوں سے محفوظ رکھنے والے بھی مبارکباد کے مستحق ہیں اور عیب جوئی کرنے والے جھوٹا بہتان باندھنے والے ہیں

و الناقلین صحاحه و حسانه ☆ و لما تواتر منه و المشهور

اور اسکی صحت اور اچھے کلام ہونے کا ثبوت یہ ہیکہ اس کی صحت اور حسن پر شروع سے اب تک تواتر قائم ہے جو مشہور ہے

و العاملین به لفقه صائب ☆ تبعا لمجتهد بذاك خبیر

اور اسی کے (حدیث کے) ذریعہ درست فقہ پر عمل کرنے والے اس اجتہاد کرنے والے کی اتباع کرتے رہتے ہیں

یہ کام (تالیف بذل المجہود) کتنا مبارک ہے، اس کی تشبیہ مولانا نے سورۂ یوسف کی آیت ﴿فلما ان جاء البشیر القه علی وجهه فارتد بصیرا﴾ (۴) سے مستعار لے کر بہت خوبصورت انداز سے اس طرح دی ہے:

طوبی فقد جاء البشیر لوجهکم ☆ بقمیص یوسف فائحا بعبیر

مبارک ہو کہ خوشخبری دینے والا تمہارے چہرے کیلئے وہ قمیص لے کر آیا ہے جسکی خوشبو گذرنے والے کیساتھ پھیل رہی ہے

اس کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (مؤلف بذل المجہود) کی تعریف میں چند اشعار اس طرح کہے گئے ہیں:

مولای سیدنا الخلیل المقتدی ☆ غوث الزمان بکل یوم ثبور

وہ (خوشخبری دینوالے) میرے آقا ہمارے سردار مولانا خلیل احمد صاحب جو اقتدا کرنے والے ہیں اس شخص کی جو زمانہ کے فریادرس ہیں (یعنی رسول ﷺ) اس تمام دن جو ہلاکتوں کا ہوگا (قیامت کے دن)

زاکی النجار و سلالة الانصار[٥] ☆ حلو الشمائل جابر المکسور

وہ پاکیزہ حسب ونسب والے ہیں انصار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں شیریں اخلاق کے حامل ٹوٹے ہوئے حصوں پر پٹی رکھنے والے (یا ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والے)

بحر الندی، علم الهدی، بطل الوغی ☆ یمحو الضلال بصارم مشهور

(مولانا خلیل احمد) فیض کا دریا ہیں ہدایت کا علم رکھتے ہیں اور (ایسے) بہادر سپہ سالار ہیں جو اپنی (علم کی)) شہرت یافتہ تلوار کے ذریعے گمراہیوں (جہالتوں) کو مٹانے والے ہیں

کشاف معضلة العلوم بأسرها ☆ شیخ الوری حلال کل عسیر

وہ علوم کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانیوالے ہیں حدیث کے اسرار کے ذریعہ وہ متقی بزرگ ہیں اور تمام مشکل مقامات کو (اپنے علم حدیثکے ذریعہ) حل کرنیوالے ہیں

مبعوث رب العالمین هدایة ☆ لاولی الضلال بسعیه المشکور

انہیں اللہ تعالیٰ کیطرف سے گمراہ لوگوں کیلئے ہدایت دیکر بھیجا گیا ہے انکی یہ کوشش (بذل المجہود کی تالیف) بہرطور شکریہ کی مستحق ہے

و بما حباه کرامة من عنده ☆ تاج الولایة و التقی و النور

اور وہ شخص جو ان سے انکی بزرگی کیوجہ سے محبت کرتا ہے تو (معلوم ہونا چاہئے) کہ انکے پاس ولایت، تقویٰ اور نور کا تاج ہے

و بآیة لاحت لأرباب الحجی ☆ فی ذاته و النطق و التحریر

اور وہ اپنی ذات اپنے کلام اور اپنی تحریر کی وجہ سے ارباب حجت کیلئے (اہل علم کیلئے) روشن، چمکدار علامت کے مانند ہیں

ـد اسمعت کلماته صم الهوی ☆ و بوجهه انفتحت عیون العور

انکے کلمات سننے کے بعد خواہشیں گونگی ہوگئیں (کوئی خواہش باقی نہیں رہی) اور انکے چہرہ کو دیکھکر بند آنکھیں کھل گئیں (یا آنکھیں متحیر ہوکر کھلی کی کھلی رہ گئیں)

رَوِی الانام بفیضه متواترا ☆ بلغ العلی بجهاده المبرو

اپنے فیض سے مخلوق خدا کو مسلسل فیض پہونچانے والے اپنی کوششوں کی وجہ سے بلند مقامات پر پہونچے ہوئے ہیں

مولانا خلیل احمد کے اوصاف حمیدہ کو ذکر کرنے کے بعد شرح ابو داؤد (بذل المجہود) اوراس تالیف کے ذریعہ مسلک حنفی کو جو تقویت ملی اس کا ذکر ہے۔ اس کو مولانا نے ایک خوبصورت دوشیزہ کے گلے میں پڑے ہوئے بیش قیمت خوبصورت ہار سے تعبیر کیا ہے۔ جس طرح وہ ہار اس کے حسن کو دوبالا کئے ہوئے ہے اسی طرح اس شرح نے اصل کتاب کے حسن میں اضافہ کرکے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے:

املی لنا شرحا علی سنن ابی ☆ داؤد مثل قلادة للحور

انہوں نے ہمارے لیے سنن ابی داؤد کی شرح (بذل المجہود) تحریر کی جو کسی بہت خوبصورت عورت کے گلے میں خوبصورت ہار کے مانند ہے

فتلألأت انوار سنة احمد ☆ منها نعم واشعة التفسير

احمد (رسول اللہ ﷺ) کی سنت مبارکہ کے انوار اس شرح کی وجہ سے مزید روشن ہو گئے گویا کہ یہ کتاب شروحات حدیث میں بہترین پھول دار درخت ہے

ابدت سرائر کان اخفاها الاوا ☆ ئل فی الشروح باحسن التصویر

انہوں نے ابتدائے زمانہ کی شروحات میں چھپے ہوئے رازوں کو ظاہر کیا بہت اچھے طریقہ سے

شرحت احادیث الرسول بنصرة ☆ لا بیحنیفة ذی العلی و الخیر

بذل کے ذریعہ احادیث رسول کی شرح امام ابو حنیفہ (کے مسلک کے مطابق کرکے) انکی مدد کی وہ ابو حنیفہ بلند مرتبہ والے اور بہترین انسان ہیں

جعلت وجوه مقلديه منيرة ☆ و طلست وجوه اولی الهوی بالقير

(اس طریقہ سے) امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کرنیوالے چہروں کو منور کردیا، اور (بلا وجہ اختلاف کرنیوالے) لالچیوں کے چہروں کو تارکول جیسا سیاہ کردیا

واها له من بذل مجهود اتی ☆ بين الشروح كنسمة فی الصور

واہ واہ بذل المجہود کتنی عمدہ شرح آئی ہے شروح کے درمیان گویا کہ (اس نے) تصویروں میں روح ڈال دی ہے

مصنف، مؤلف، تالیف، شرح اور شارح سبھی کی خصوصیات کی طرف مولانا نے اپنی منظوم تقریظ میں اشارات کئے ہیں۔ تقریظ کا اختتامیہ سرورِ کائنات ﷺ سے

جڑا ہے۔ مولانا کی اس عقیدت رسول کا منظر نامہ ملاحظہ فرمائیے:

منها الحياة لكل حق ميت ☆ منها الممات لكل قول زور

اسی (حدیث رسولؐ) کی وجہ سے زندگی ہے ہر اس شخص کیلئے جس کا حق مر گیا ہے اور ہر جھوٹ بولنے والے کیلئے موت ہے

فيها البياض لكل قلب اسود ☆ فيها السواد لكل عين ضرير

اس میں روشنی ہے تمام سیاہ دلوں کے لیے اور اس میں ہر دکھتی ہوئی آنکھ کا سرمہ ہے

آخری شعر میں بذل المجہود کی اشاعت اول کے سن کی تخریج ''ہو خیر تالیف'' سے (۱۳۴۶ھ) برآمد کرنے کے ساتھ اپنا تخلص (ظریف) بھی لے آئے ہیں:

قال الظريف لعام اول طبعه ☆ "هو خير تاليف" من المنصور

ظریف (تخلص) نے اس کی پہلی مرتبہ طباعت کا سن ''ہو خیر تالیف'' سے برآمد کیا جو (اللہ کی) مدد ہے
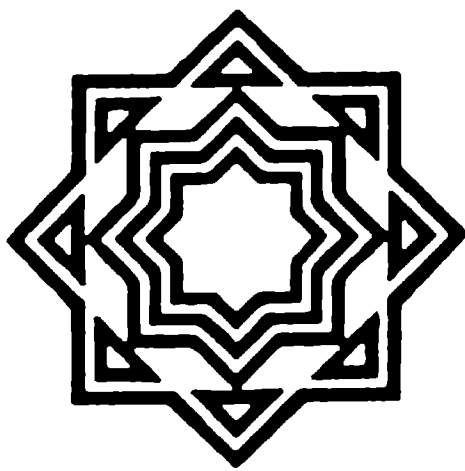
تقریظ نمبر دو

الکوکب الدری علی جامع الترمذی

صحاحِ ستہ کی مشہور و معروف کتاب الجامع الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سکورہ بن موسیٰ بن ضحاک (۲۰۹-۲۷۹ھ/۸۲۴-۸۹۲ء) کی وہ مایہ ناز علمی تالیف ہے کہ جسکی استناد پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ اور ابتداء سے ہی وہ علمی حلقوں کی پسندیدگی اور توجہ کا مرکز رہی ہے۔ ہر دور میں اس کے علمی نکات تمام علمی طبقوں میں زیرِ بحث رہے۔ ہر مکتب فکر نے اس کی احادیث کو اپنے اپنے پیمانے سے جانچا ہے، اور ان کو صحیح گردانا ہے، اسی کی ایک شرح ''کوکب الدری علیٰ جامع الترمذی'' کے نام سے معروف ہے۔ دراصل یہ کتاب قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی کی وہ تقریر ہے جو وہ اس کتاب کو پڑھاتے وقت کیا کرتے تھے۔ اسی کو ان کے مشہور شاگرد مولانا یحییٰ کاندھلویؒ (والدِ ماجد مولانا محمد زکریا صاحبؒ) نے دورانِ درس قلم بند کر لیا تھا، یہ تقریر ۱۳۱۱ھ میں قلم بند کی گئی تھی پھر بعد میں اس پر اضافات بھی کئے گئے، لیکن کسی وجہ سے ان کی زندگی میں یہ کام مکمل نہیں ہوسکا، بعد میں ان کے صاحب زادے مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے ''پدر نہ کند پسر تمام کند'' کے محاورے پر عمل کرتے ہوئے اس پر مزید حواشی لگا کر اسے خوبصورت انداز سے مزین کیا، ''الکوکب الدری علیٰ جامع الترمذی'' کے نام سے دو جلدوں میں شائع کیا۔ اور اس کی اشاعت ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ میں ہوئی۔ جب یہ کتاب مولانا ظفر احمد صاحب نے ملاحظہ کی تو اس پر فی البدیہہ ایک قصیدہ کہا جو کتاب، شارح کتاب اور حاشیہ نگار کی شان میں بلند پایہ بائیس اشعار پر مشتمل ہے۔ (٦)

تقریظ کی ابتداء بطوزِ تشبیب کی گئی ہے۔ اس کی منظر نگاری بڑے خوبصورت انداز سے کی گئی ہے صبح کے سہانے وقت سے جس میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے ہوں، پو پھٹنے کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہو، اس ماحول سے خوش گوار منظر پیدا ہوتا ہے،

طبیعت میں بشاشت پیدا ہوتی ہے، مسرت کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ ایسے ہی علمی حلقوں میں الکوکب الدری کے آنے سے جو کیفیت پیدا ہوئی ہے، اس کا اظہار ابتدائی اشعار میں اس طرح کیا گیا ہے:

زال الظلام و لاحت الانوار ☆ و تنفست بنسیمها الاسحار
اندھیرا دور ہوگیا اور روشنیاں چمکنے لگیں تھیں اور صبح کی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی

و تبخترت ریح الصبا بذلولها ☆ فتمایلت بغصونها الاشجار
پروائی ہوا اکڑ کر چل رہی ہے اس کی عاجزی اور فروتنی کی وجہ سے اس کی شاخیں جھک گئی ہیں

و الکوکب الدری زان بلادنا ☆ فتلألات بجماله الاقطار
کوکب الدری نے ہمارے شہروں کو زینت بخشی، اس کے جمال اور خوبصورتی سے علاقے اور ممالک منور ہوئے۔

یہ تالیف فی الحقیقت مولانا رشید احمد گنگوہی کی تقریر ہے، جس کو مولانا یحییٰ صاحب اوران کے صاحب زادے مولانا زکریا صاحبؒ نے اپنی شرح سے مزین کیا تو اس کی تشبیہ اس بہشت سے دی گئی ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں، علاوہ ازیں بلبلیں چہچہاتی ہوئی اس کی تعریف میں نغمہ سرا ہیں پھول خوشبوؤں میں بسے ہوئے ہیں۔ ہوا اٹھلا کر چل رہی ہے پرندے خوشی سے باغوں میں اترا کے پھر رہے ہوں۔

کلم الرشید بشرح یحییٰ و ابنه ☆ جنات عدن تحتها الانهار
رشید کی باتیں یحییٰ اور اسکے بیٹے (زکریا) کی شرح کیساتھ ایسی جنتوں کے مانند ہیں جسکے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں

سجعت عنادلها یطیب ثنائه ☆ و تعطرت بعبیره الازهار
بلبلیں اس کی پاکیزہ تعریف میں نغمہ سرا ہیں اور اس کی مہک نے پھولوں کو معطر کردیا ہے

والریح تعبث بالغصون و غرورت ☆ بریاضها فرحا به الاطیار
اور ہوا چل کر ٹہنیوں کو جھکا رہی ہے۔ اور اسکے باغ میں اٹھلا کر چلنے کی وجہ سے پرندے خوش ہو رہے ہیں (چہچہا رہے ہیں)

پھر ان تشبیہات میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ تمہاری اس کوکب نے ستاروں میں لکنت پیدا کردی ہے، یعنی ان کی چمک اس چمک کے سامنے ماند پڑ گئی ہے، اوراس نے حاسدین ومخالفین کے سینوں میں آگ بھڑکا دی ہے:

باکوکباکم قد حضرمت کواکبا ☆ قد قادها اهل الهوی الاشرار

تمہاری کوکب (کوکب الدری یعنی اس تشریح) نے شرارت پسند لالچیوں کے پیروں میں بیڑی ڈال دی ہے

پھر حاسدین اور مخالفین پر اس تالیف سے کیا گذری؟ انہیں کس قدر ذلت و رسوائی کا سامنا ہوا، اور اس کی مقبولیت سے ان کو مخالفت، حیرت و استعجاب اور شرمندگی و ندامت کا سامنا کرنا پڑا، کیوں کہ وہ لوگ اس میدان میں بزعمِ خود اپنے سے بڑا کسی کو تصور نہیں کرتے تھے، اس کی علمیت اور شارحین کی عالمیت نے ان پر پر یہ حقیقت واضح کردی کہ وہ اصل میں کچھ بھی نہیں تھے:

اخزیت من زعم الحدیث شحیمة ☆ نکسوا الرؤس و سُکّرت ابصار

تم نے شرمندگی میں ڈالدیا حدیث کے خودساختہ موٹے جغادریوں کو (بلند بانگ دعوے داروں کو) ذلت سے انکے سر جھک گئے

فسبقتهم و تخلفوا و تحیروا ☆ رجعوا و زادهم الخنا و العار

پس تم ان سے آگے بڑھ گئے اور وہ پیچھے ہٹ اور وہ حیرت زدہ ہو کر لوٹے اس حالت میں کہ انکی عقل سلب ہوگئی اور شرمندگی اور ذلت زیادہ ہوگئی

اس کے بعد مولانا نے اپنی عقیدت کا اظہار قسم کھا کر اس طرح کیا ہے کہ آپ (شارح یا حاشیہ نگار) ستاروں سے زیادہ روشن ہیں، کیوں کہ ستاروں کی چمک وقتی ہے اور اصحابِ علم وفضل کی تابناکی دائمی ہے، ان کے بعد ان کے علم وفضل کا نور دنیا کو روشن کرتا رہتا ہے۔ اور پھر یہ علمی کام ایسا ہے کہ جس نے طالبینِ علوم نبوت، اہلِ روایت اور اہلِ درایت سبھی کی خدمت کا حق ادا کیا ہے۔ اور اگر اس کو ایسے عمل سے تشبیہ دی جائے جو میدانِ جنگ کے مشابہ ہو تو اس میدان میں بھی یہ کام دشمنانِ دین کے لئے سخت ترین ہے۔ یہ کتاب حاسدین کیلئے سیفِ برّاں سے بھی زیادہ کارگر ہے۔ زندیقی، منکرینِ حدیث اور دشمنانِ اسلام کیلئے یہ کتاب مسکت جواب کے مانند ہے، اس کی وجہ سے ان کی چولیں ہل گئیں اور انہیں کوئی جائے فرار نہ مل سکی:

قسمابوجهك انت اضوء کوکب ☆ قد یهتدی بضیائه الاحبار

تمہارے چہرے کی قسم کہ تم ستاروں سے زیادہ روشنی والے ہو (کیونکہ تمہارے چہرے کی) روشنی کے ذریعہ دانشائیوں کو سیدھا راستہ ملا ہے

اهل الروايةو الدراية حملةً ☆ و الطالبون سبابك الزوار

روایت حدیث کرنیوالے اور حدیث کا شغف رکھنے والے اور حدیث کا علم طلب کرنیوالے جملہ افراد تمہارے کلام کو عمدہ بتانے پر شاہد ہیں

ابشر فانك يا يحيى ابن عامل ☆ بالقول ما لم يعمل البتار

خوشخبری ہو تمکو اے یحییٰ (ایسے) بیٹے کی (جو) عمل کرنیوالا ہے قول کے ساتھ ایسا عمل کرنیوالا جو تیز دھار دار تلوار بھی نہیں کر سکتی

ما للهوى و لاهله متحصن ☆ من برق سيفك الكرار

ہوس رکھنے والے اور اسکے متعلقین کے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے تمہاری تلوار کی چمک سے، اے عجیب کام کرنیوالے ایسے سخت بہادر جو دوبارہ حملہ کرتا ہے

علم التزندق ناكس متزلزلا ☆ بنهيب رعدك ايها العكار

زندیقیت اور برا بھلا کہنے والوں کا علم کا (بازار) مندا ہو گیا اور مل کر رہ گیا چہاہ آواز سے اے سخت حملہ کرنیوالے

فتمزقوا ايدى سبا و تهدمت ☆ اركان حديث ما لهن قرار

وہ بکھر گئے اور تباہ ہو گئے گالم گلوج کرنے کے باعث اور منہدم ہو گئے ان کی باتوں کے ستون جس کیلیے (اب) کوئی قرار نہیں

اس طریقہ پر آپ حضرات نے علوم نبویہ کے وہ معارف بیان کئے، وہ باریک نکتے بیان کئے کہ جن پر عام آدمی کی نظر نہیں پڑتی تھی۔ آپ حضرات کی کوششوں سے وہ علمی نکتے درخشاں نظر آنے لگے اور ایسا معلوم ہونے لگا گویا کہ آپ نے ان علوم کو پہاڑ کی ان بلندیوں پر پہونچانے میں مدد کی جہاں مخالفینِ اسلام اور حق سے برسرِ پیکار گروہ پہونچ کر حملہ کرنا چاہے گا تو وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو پائے گا:

و علوت من جبل المعارف ذروة ☆ لا يرتقيها عسكر جرار

اور تمنے معارف کو پہاڑ کی بلندیوں پر پہونچا دیا کہ اب اسکی بلندیوں کو بہت کھینچنے والا سخت حملہ کرنیوالا (بھی) نہیں پہونچے گا

اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ آپ کا ان علوم کی تشریح کا جو انداز ہے، اور سنتِ نبوی کو جس فصیح و بلیغ طریقہ پر آپ نے بیان کیا ہے، اس نے نہ صرف یہ کہ شہروں اور ملکوں ہی کو کسی متعینہ مدت کے لئے متاثر کیا، بلکہ یہ کام رہتی دنیا تک قائم و دائم رہے گا۔ آنے والی نسلیں اس سے استفادہ کریں گی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اس کام پر علماء، صلحاء،

فقہاء اور اولیاء وغیرہم نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا:

باهت بمنطقك الفصيح محالس ☆ و مدارس و اكابر و صغار

تمہاری فصیح و بلیغ گفتگو سے اہل مجالس، اہل مدارس اور چھوٹے بڑے سبھی دم بخود رہ گئے

باحت بمدحك السُّنن و الضمائر ☆ و علت بك البلدان و الاعصار

تمہاری تعریف کی وجہ سے سنتیں (رسول اللہؐ کے طریقہ ہائے مبارک) اسرار و رموز خالص ہوگئے اور تمہاری وجہ سے شہروں اور زمانوں کو پناہ ملگئی

فرحت بك العلماء و الصلحاء وا ☆ لفقهاء و الفقراء و الابرار

تمہاری (اس کوشش) سے علماء، صلحاء، فقہاء، فقراء اور نیک لوگ خوش ہوگئے

اسی کیساتھ مؤلف کتاب کی بلندیٔ درجات کی ۱۳۴۶ھ دعاء ربّ کریم سے اس طرح کی گئی ہے:

لا زلت فی کنف الاله و لم تزل ☆ ترقی المعارج ما اضاء نهار

تم اللہ کی پناہ میں ہمیشہ رہو اور تمہاری بلندی کے درجات کبھی زائل نہ ہوں جس سے روشنیاں ضائع نہ ہوں

اس کے بعد پیغمبرِ آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، ان کے جاں نثار ساتھیوں اور اہلِ بیت کے لئے درود و سلام کے تحفہ کے ساتھ کے ساتھ تقریظ پوری ہوجاتی ہے:

ثم الصلاة على النبى محمد ☆ روح العوالم سيد المختار

پھر درود ہو نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو تمام علوم کی جان ہیں اور سردار مختار ہیں

و على صحابته الكرام و آله ☆ ما دار هذا الازرق الدوار

اور ان صحابۂ کرام رضوان اللہ اجمعین پر اور رسول اللہ ﷺ کی آل و اولاد پر کہ جنکا ان (دنیاوی) زرق برق گھروں میں کوئی گھر نہیں ہے

﴿حواشی﴾ پانچواں باب فصل چہارم

(۱) تذکرۃ الخلیل / ص: ۲۷۶

(۲) بذل المجهود فی حل ابی داؤد / مولنا خلیل احمد سہارن پوری / مکتبہ رشیدیہ سہارن پور / ۱۳۹۶ء مقدماتی صفحہ: ۴

(۳) ملاحظہ کیجئے گذرے ہوئے صفحات میں نعتیہ قصیدہ وسیلۃ الظفر

(۴) القرآن الکریم / ۱۲/ ۹۲

(۵) مولنا خلیل احمد صاحبؒ، حضرت ابوایوب انصاریؓ کے اس خانوادے سے تعلق رکھتے تھے جو مختلف مقامات سے گذر کر انبہٹہ ضلع سہارن پور میں آباد ہو گیا تھا، اس شعر میں اسی نسبت کی طرف اشارہ ہے۔

(۶) ملاحظہ کیجئے فہرست تالیفات شیخ۔ سید محمد شاہد / مکتبہ یادگار شیخ سہارن پور / ۱۹۹۷ء / ۱۴۱۷ھ / ص: ۲۸۲

فصل پنجم

مولانا کی عربی شاعری کا تنقیدی جائزہ

مولانا ظفر احمد عثمانی کی عربی شاعری کے جو نمونے ہم نے گذشتہ صفحات میں پیش کئے ہیں، ان کے مطابق ہم مولانا کی شاعری کو چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(الف) نعتیہ قصائد (ب) شخصی مدائح (ج) مراثی (د) تقاریظ

جہاں تک ان کی نعتیہ شاعری کا تعلق ہے تو اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ ان کی شاعری کا یہ حصہ نہایت شستہ وشائستہ، پاکیزہ خیالات اور حبِ رسولؐ سے سرشار جذبات کا آئینہ دار ہے۔ اس میں جہاں مولانا نے اپنی جذباتی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے، وہیں اسے عبادت سمجھ کر اپنے خیالات کو نظم کیا ہے۔ وہ ﴿و من یطع الرسول فقد اطاع الله﴾[1] کی قرآنی تعلیم پر پوری طرح عمل پیرا نظر آتے ہیں۔ شخصی مدائح میں بھی انہوں نے انہیں حضرات کی شان میں قصائد کہے ہیں جو دنیوی دولت وجاہ وحشمت سے کوسوں دور علم وعمل کی دنیا میں اپنا مقام بنائے ہوئے تھے، اور مخلوقِ خدا کو مسلسل فیض پہونچا رہے تھے۔ تقاریظ ان کتابوں پر لکھی ہیں جو کلامِ رسولؐ کی تشریح وتعبیر اور ان میں آپسی تطبیق کے لئے لکھی گئیں، مراثی میں دو مرثیوں کو چھوڑ کر (اہلیہ اور صاحب زادی) باقی تمام مراثی علماءِ عصر اور رشد وہدایت کے منبع سمجھے جانے والے حضرات کے متعلق نظم کئے۔ اہلیہ اور صاحب زادی کے مراثی میں بھی ان کے ان اوصاف کو اجاگر کیا جن سے عمل کی تلقین ہوتی ہے، حالانکہ ان کا اپنی اہلیہ کی یاد میں کہا گیا مرثیہ جذباتی لگاؤ کا اظہار ہے اور اس میں حسن وعشق کے وہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں جو غزلیہ شاعری کے ضمن میں چلے جاتے ہیں، الفاظ کا زیر وبم اور ان کا مناسب جگہوں پر انطباق ایسی خصوصیات ہیں جن سے اس مرثیہ کی نوعیت جداگانہ ہے، تاہم اس میں بھی انہوں نے ان کے دینی جذبہ، وفا شعاری، دینداری اور خصوصاً ان کی اسلام پسندی جیسے اوصاف کو جس طرح

ابھارا ہے ان سب سے مولانا کی فکری صلاحیت واصابت کا پتہ چلتا ہے۔
ان تمام معروضات کی بنا پر ہم مولانا کو صحیح العقیدہ اسلامی افکار کا علم بردار شاعر قرار دے سکتے ہیں، اس لئے مولانا کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے یہ نکتہ پیشِ نظر رہنا ضروری ہے۔اسی تناظر میں ہم مولانا کی شاعری کا جائزہ لیں گے۔

نعتیہ شاعری

مولانا کی نعتیہ شاعری کے ضمن میں تین قصائد اور کچھ متفرق اشعار گذشتہ صفحات میں پیش کئے گئے ہیں، جن سے اندازہ ہوا کہ مولانا نے شعر وسخن کی اس سب سے متبرک صنف میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے اور انہی روایات سے استفادہ کیا ہے جو بہر طور معتبر ہیں۔قرآن کریم کی آیات سے مولانا نے اپنے اقلیمِ سخن کو جس طرح سنوارا ہے وہ مولانا ہی کا حصہ ہے۔

سب سے زیادہ دل چسپ یہ ہے کہ قرآنی آیات اور ارشاداتِ رسول کو اپنے اشعار میں بایں طور پیش کیا ہے کہ وہ چیزیں ضرورتِ شعری معلوم ہونے لگتی ہیں۔ ''نورٌ علی نور'' کے دو قصائد میں حضورِ اکرم ﷺ کی مکی زندگی اور معجزات صادقہ کی جھلک موجود ہے تو ''وسیلة الظفر'' میں آپ کی مدنی زندگی، غزوات، فتوحات، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر آپ ﷺ کی اخلاقی تعلیمات کے اثرات، ان کا جذبۂ حبِ رسول ﷺ، خلفائے اربعہ حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضی رضی اللہ عنہم کے ذیلی تذکرے، عشرۂ مبشرہ کو خراجِ عقیدت وہ مضامین ہیں جن کو مولانا نے بطورِ خاص پیش کیا ہے۔

قرآنی اثرات

مولانا کی نعتیہ شاعری کا خصوصی وصف قرآن کریم پر ماہرانہ نظر اور اس سے اپنی شاعری کو زینت بخشنا ہے۔انہوں نے قرآن کریم کے متعدد الفاظ اور آیات کو جس طرح نظم کیا وہ مولانا کی قرآن فہمی اور ان آیات کے مناظر وپسِ مناظر پر مولانا کے عبور

رکھنے کی دلیل ہے۔اس سے جہاں مولانا کی قرآنی فہم و بصیرت اور اسکے معانی و تفسیر سے بلاتکلف اخذ کرنے کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں انکی ذہانت و فطانت کا اندازہ کرنا بھی چنداں مشکل نہیں ہے۔اسکے نمونے انکی شاعری میں جابجا موجود ہیں، مثلاً:

و نادی شقی القوم تبا لمن دعا ☆ فتبت یداہ فی لهیب مسعر (۲)

اسی طریقہ پر جب انہوں نے واقعۂ معراج کو نظم کیا تو ایک ہی شعر میں اس پوری کیفیت کو اس طرح نظم کیا:

قد خصك الله بالاسراء لیلة اذ ☆ ترقی السماوات من طبق الی طبق (۳)

مولانا کے نعتیہ قصائد میں اس قسم کے سینکڑوں اشعار ہیں، جنکا موضوع قرآن پاک ہے ان کا تفصیلی تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا جاچکا ہے۔

احادیث نبوی کے اثرات

قرآن حکیم کے بعد ہر مؤمن و مسلم کے لئے سب سے زیادہ بھروسہ مند سرمایہ وہ احادیث رسول ﷺ ہیں، جن کی صحت کو جانچنے پرکھنے اور بالکل صحیح طریقہ پر امت تک پہونچانے کے لئے محدثین نے اپنی عمریں لگادیں اور ہر ہر حدیث کے تمام راویوں کے تقدس کو جانچا، پرکھا اور جہاں بھی جھول نظر آیا بلاتکلف اس راوی کی روایت کو ناقابلِ قبول قرار دیدیا۔لہٰذا احادیث کا یہ ذخیرہ خصوصاً صحاحِ ستہ مسلمانوں کے لئے قرآن کریم کے بعد سب سے مستند ذخیرہ ہے۔مولانا علومِ قرآنیہ کے ساتھ ساتھ علومِ احادیث سے بہرہ ور تھے (جس کا ثبوت ان کی معروف کتاب ''اعلاء السنن'' ہے)۔اسی لئے ان کی شاعری میں قرآن پاک کے ساتھ ساتھ معتبر احادیث کے اشارے ملتے ہیں، مثلاً مولانا کا مندرجہ ذیل شعر:

لو ساوت الدنیا جناح بعوضة ☆ عند الالٰه لمات کل کفور (۴)

اس حدیث مبارک کی طرف اشارہ ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''لو کانت الدنیا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقی کافرا منها شربة''۔ (۵)

سیرت نگاری

ان کی نعتیہ شاعری کا ایک خصوصی وصف رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ کا احاطہ ہے، جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ مولانا نے اپنی شاعری میں آں حضرت ﷺ کی مکی و مدنی زندگی کے پہلوؤں کا کافی حد تک احاطہ کیا ہے۔ اگر ان کے دونوں نعتیہ قصائد (نورٌ علی نور اور وسیلۃ الظفر) کو یکجا کر دیا جائے تو پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ منظوم شکل میں سامنے آجاتی ہے، جس میں اختصار تو کہا جا سکتا ہے، لیکن اس کی جامعیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نورٌ علیٰ نور میں آپ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت مکہ کے جو حالات تھے انکو بیشتر نظم کیا ہے، جب کہ وسیلۃ الظفر میں آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے جو جہالت اور تاریکی کا ماحول تھا اس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ کی آمد سے وہ تاریکی جس انداز سے چھٹی اور روشنی نمودار ہوئی اس کو مرکزی موضوع بنا کر مدنی زندگی کی بڑی خوبصورت تصویر کشی کی ہے۔ آپ ﷺ کے معجزات مبارکہ کو جس طرح مولانا نے نظم کیا ہے وہ آپ کی شعری مہارت کی دلیل ہے، مثلاً معجزۂ شق القمر کے بارے میں آپ کا مندرجۂ ذیل شعر:

باصبع من ید کانت اشارتھا ☆ فی البدر انکی من الصمصام فی العنق (٦)

معجزاتِ مصدقہ آپ کی سیرت مبارکہ کا جزو لازم ہیں، اسی لئے مولانا نے اکثر و بیشتر معجزات کو موقع و محل کی مناسبت سے بڑے ہی جامع اور دلکش انداز میں نظم کیا ہے، جس نے ان قصائد کو اہم بنا دیا ہے

تاریخ نگاری

مولانا نے اپنی شاعری میں بہت سے تاریخی واقعات کو تلمیحی انداز میں نظم کیا ہے، جس سے ان کی تاریخ پر وسعتِ نظر کے ساتھ ساتھ اسے نظم کرنے کی صلاحیتوں کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے، مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ واقعہ جس میں انہوں نے اپنے والد کی بصارت واپس آنے کے لئے اپنا کرتا بطورِ علاج بھیجا تھا۔ تاریخ کے صفحات پر قرآن کی سچائی کے ساتھ محفوظ ہے۔ اس واقعہ کو مولانا نے اپنے نعتیہ اشعار میں

محبت بھرے انداز میں اس طرح نظم کیا ہے:

جاء البشیر فرد الله لی بصری ☆ لما اتی بقمیص فائح عبق
فالحمد لله ان لم یاتنی اجلی ☆ حتی لبست لباسا زاد کل نقی (۷)

مدحتِ صحابہ

رسول اللہ ﷺ کے ذکرِ مبارک کے ساتھ ساتھ آپ نے ان کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعریف وتوصیف بھی اپنے نعتیہ اشعار میں شخصی واجتماعی طور پر کی ہے خلفائے اربعہ، عشرۂ مبشرہ کے تذکرے انفرادی طور پر بطورِ خاص منظوم ہیں ،لیکن اجتماعی طور پر تمام صحابہ کرام کو دو اشعار میں جس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اس نے قصیدے کو چار چاند لگا دئے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

اولئك خير الناس بعد نبيهم ☆ و من يعتصم بالله يسعد و يظفر
اولئك اصحاب النبی و حزبه ☆ كفاهم به فخرا علی كل مفخر (۸)

درود وسلام کا التزام

مولانا کی شاعری کی ایک خوبی یہ ہے کہ انہوں نے خواہ کسی بھی صنف میں اپنے خیالات نظم کئے ہوں، لیکن اس کا اختتام عام طور پر رسول اللہ ﷺ ،ان کے اہل بیت، جاں نثار صحابۂ کرامؓ اور صالحین امت پر درود وسلام سے کیا ہے، جس سے مولانا کے حبِ رسول وصحابۂ کرام کی محبت کے ساتھ ساتھ جملہ اہل حق مؤمنین ومسلمین سے محبت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ نعتیہ شاعری ہو یا شخصی مدائح، تقاریظ ہوں یا مراثی سبھی جگہ مولانا نے درود وسلام کا التزام کیا ہے۔

الغرض مولانا کی نعتیہ شاعری، ہم جس لحاظ سے بھی دیکھتے ہیں ایک کامیاب شاعری ہے، جس میں متنوع مضامین، جدت آفرینی، ندرت کلامی، صوتی ہم آہنگی، الفاظ کی شان وشوکت اور معنوی حسن وصوری خوبیاں سبھی کچھ ہیں اس سے مولانا کی قادر کلامی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور وسعتِ مطالعہ کا بھی، وہ یقینی طور پر ایک عمدہ نعت گو شاعر

ہیں، جنہیں رسول اللہ ﷺ سے والہانہ تعلق بھی ہے اور بے پناہ عقیدت بھی، احادیث نبویہ سے اخذ مفاہیم کی قدرت بھی ہے اور فہمِ قرآنی کی صلاحیت بھی، اس روشنی میں جب ہم ان کے نعتیہ قصائد کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعر و ادب کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں، جو حب رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ مدحِ صحابہ کے بحرِ بیکراں میں بھی موجزن ہیں، اس طریقہ پر کہا جاسکتا ہے کہ مولانا کی عربی نعتیہ شاعری ہندی النسل شعراء میں بہترین شاعری ہے، جس پر اہالیانِ ہند کو ناز ہے۔

شخصی مدائح

مولانا اپنی زندگی میں جن شخصیات سے بہت زیادہ متاثر ہوئے، ان کی تعریف و تحسین کے لئے بھی انہوں نے عربی نظم کا سہارا لیا۔ ظاہر ہے کہ ان میں ان کے مربی و مرشد مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی سب سے اول ہے۔ علاوہ ازیں مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے انہیں خصوصی عقیدت تھی، ان کے سفرِ مدینہ منورہ پر مولانا نے اپنے جذبات کو شعر کا قالب عطا کیا۔ ایسے ہی نواب صادق علی صاحب کے مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور تشریف آوری پر ان کا استقبال منظوم خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا، ابوظبی کے قاضی القضاۃ شیخ زائد کے ٹنڈو الہیار تشریف آوری پر مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایک قطعۂ اراضی قبرستان کے لئے وقف کرنے پر اپنے خیالات نظم کئے (جن کا تفصیلی تذکرہ گذشتہ صفحات میں آچکا ہے)۔

مولانا نے ان قصائد میں جن چیزوں کو مرکزی موضوع بنایا ہے وہ موقع و مناسبت کے لحاظ سے ہر قصیدہ میں مختلف ہیں، تاہم مجموعی طور پر جو تاثر ابھرتا ہے وہ مولانا کی بزرگوں کے تئیں عقیدت و محبت اور خوفِ خدا و خشیت کی زیادتی ہے، جس کی وجہ سے کہیں کہیں ان اشعار میں مبالغہ بھی ہے جو اسلامی شاعری سے ہم آہنگ نہیں، لیکن ان کی شاعرانہ تخلیقی صلاحیتوں کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ خاص طور پر نواب صادق علی کی سہارنپور مدرسہ آمد پر مولانا نے جو قصیدہ پیش کیا وہ عربی ادب میں ہندوستانی شعراء کی اعلیٰ ادبی کاوشوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس قصیدہ میں مولانا نے اپنی عام روش سے

ہٹ کر ممدوح کی تشریف آوری پر جو منظر کشی کی ہے، اس میں پورے طور سے غزلیہ انداز نمایاں ہے، اس کے مندرجہ ذیل اشعار بطورِ خاص قابلِ داد ہیں:

جاء الامیر ففاحت الازہار ☆ و تعطرت لشمیمه الاقطار
لبست ریاض العلم ثوب بہائہا ☆ و تغردت طربابہا الاطیار (۹)

یہ طرز مولانا کی شاعری میں جداگانہ اہمیت کا حامل ہے، کیوں کہ عام طور پر ان کی شاعری اپنے ممدوح کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان نہیں ہوتی، وہ یا تو اپنے ممدوح کی بزرگی و پارسائی کو قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں یا پھر پند و نصائح کے دفتر کھول دیتے ہیں۔ لیکن اس قصیدہ میں انہوں نے حسن و عشق، پرندوں کی چہچہاہٹ، پھولوں کا کھلنا، نسیمِ صبح گاہی اور پھر اس سے پیدا ہونے والی طبیعت کی جولانی کو جتنے خوبصورت انداز سے پیش کیا ہے، اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ مولانا کی ابتدائے جوانی کی شاعری کا نمونہ ہے، جب کہ مولانا کی عمر بیس سال سے بھی کم رہی ہوگی، عنفوانِ شباب کی شاعری میں اس رنگ کا آنا فطری ہے۔ بہر حال اس سے اتنا تو اندازہ ہوجاتا ہے کہ مولانا کی شاعری صوفیانہ و زاہدانہ خشکی ہی نہیں لئے ہوئے تھی، بلکہ وہ حسن و عشق کی رنگینیوں کو بھی نظم بند کرنے پر قادر تھے۔

پند و نصائح

مولانا کی شاعری کا دوسرا اہم پہلو نصیحت کے مواقع تلاش کرنا ہے، انہوں نے جب مناسب موقع دیکھا تو اس فرض کو ادا کیا۔ اس طریقہ پر وہ تبلیغ و تذکیر کا دینی فریضہ بھی ادا کردیتے ہیں اور شعری ضروریات بھی۔ مثلاً مولانا تھانویؒ کے قبرستان کے لئے ایک قطعۂ اراضی وقف کرنے پر انہوں نے جو قصیدہ کہا ہے اس میں انہوں نے موت کی گرفت سے بے خبر انسانوں کو تلقین کرتے ہوئے بہت عمدہ نصیحت اس طرح نظم کی ہے:

یا غافلا بلذة العیش المعجل ☆ ابصر خلفك عم قلیل تندمر
کل امرئ یرید بقاه و انما ☆ و الله ان ذاك خیال بصور

یہ مولانا کی شاعری کی وہ خوبیاں ہیں جو ظاہر و باہر ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی شاعری باطنی خوبیوں سے بھی مالا مال ہے۔

مولانا کی شاعری کے نقائص

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہم کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ مولانا ایک انسان تھے، اور انسان "مرکب خطأ ونسیان" ہے۔ کسی بھی ادیب، شاعر، یا مصنف کا کوئی ادبی شہ کار ایسا نہیں ہے کہ جو صرف خوبیوں کا مرقع ہو، ناقدینِ ادب نے جب بھی ان کو کسوٹی پر رکھا تو ایسے جھول نظر آئے کہ جو عوام الناس کی نظروں سے اوجھل تھے۔ ایسے ہی جب مولانا کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ ان کی شاعری صاف ستھری اور پاکیزہ ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ خامیاں بھی رکھتی ہے، جن کی صحیح گرفت ہم جیسے مبتدئین کیلئے بڑا دشوار گزار مرحلہ ہے، لیکن کچھ نقائص ایسے ہیں جو نمایاں ہیں۔ بہتر ہے کہ ایک سرسری نظر ان پر بھی ڈال لی جائے۔

مولانا کے شعری سرمایے میں عربوں کی عام شعری روایت سے ہٹ کر کچھ ایسی چیزیں بھی ملتی ہیں جنہیں محاسن کی فہرست میں شمار نہیں کیا جاتا، مثلاً:

عجمی اثرات

تخریجِ سنین کے لئے مصرعوں کو موزوں کرنا اگرچہ عمر کو محفوظ کر دیتا ہے اور یہ عربی شعر گوئی میں خوش گوار اضافہ ہے، تاہم یہ شعر گوئی کا عجمی انداز ہے۔ مولانا کے یہاں اس کے نمونے خاصے ملتے ہیں، مثلاً مولانا اشرف علی تھانویؒ کے قطعۂ اراضی برائے قبرستان وقف کرنے پر مولانا نے جو قصیدہ کہا اس میں ایک شعر یہ بھی ہے:

ان يسئلوك اين رياحين طيبة ☆ قل " اشرف المقابر نحم منور"(۱۰)

۱۳۴۴ھ

ایسے ہی بذل المجہود کی تقریظ میں مولانا نے اس کے سنِ طباعت کی تخریج اس طرح کی ہے:

قال الظريف لعام اول طبعه ☆ " هو خير تاليف" من المنصور(۱۱)

یا اسی طرح اپنی صاحب زادی کے سانحۂ ارتحال پر مولانا نے جو مرثیہ کہا اس

کے تخریج سن میں مولانا نے خود اس کے عجمی ہونے کا اعتراف کیا:

عام وفاۃ "حبیب سبحان اختری" ☆ بالفارسی مؤرخ مقبول [۱۲]

مذکورہ بالا مثالوں کے علاوہ بہت سی مثالیں صوری و معنوی بھی ہیں جنہیں طوالت کے خوف سے نقل نہیں کیا جا رہا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگرچہ مولانا کو عربی شعر گوئی میں کمال حاصل تھا، پھر بھی وہ اپنی عجمیت کو چھپانے پر قادر نہیں تھے، ایسا صرف مولانا ہی کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ برّ صغیر ہند و پاک و بنگلہ دیش کے بیشتر، بلکہ تقریباً سبھی شعراء کے یہاں اس قسم کے نمونے ملتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ یہاں کے باشندوں کی مادری زبان عربی نہ ہونے کے باعث خیالات و افکار کی بندش میں عجمی رنگ آ جاتا ہے۔

مبالغے

نعتیہ شاعری کو مستثنیٰ کر کے شخصی مدائح، مراثی و تقاریظ وغیرہ مولانا کی شاعری کا ایک نقص یہ ہے کہ ممدوح کی تعریف میں حد سے زیادہ رطب اللسان ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کا مقصد ان دلی جذبات کا اظہار ہے جو ممدوح کی ذات کے تعلق سے مولانا پیش کرنا چاہتے ہیں، لیکن پھر بھی بسا اوقات وہ نا قابلِ یقین ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے مولانا کا شعری تقدس پامال ہوتا معلوم ہوتا ہے۔ مولانا کے عمومی قصائد، مراثی، تقاریظ وغیرہ میں یہ چیز جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ جس کی مثال کے لئے الکوکب الدری کی تقریظ میں شامل شعر:

یا کوکبا کم قد حضرمت کواکبا...... قد قادہا اہل الھوی الاشرار۔

نواب صادق علی کے قصیدہ میں شامل شعر:

لو لاح طلعته المنيرة فی الدجی ☆ لتلت نشيد ثنائه الاقمار [۱۳]

اور مولانا کی اہلیہ کے مرثیہ میں شامل شعر:

لوانها للمشركين نعرضت...... سجدوا لطلعتها بنوابليس

عقیدت میں غلو

مولانا، بنیادی طور پر اپنے مرشد کی عقیدت و احترام میں ذرہ برابر بھی کمی نہ آنے کے قائل تھے۔ اصطلاحِ تصوف میں اسے "فنافی الشیخ" کا نام دیا جاتا ہے، اسی وجہ سے ان کے ان اشعار میں جو انہوں نے اپنے مرشد کی تعریف میں یا ان کی وفات پر کہے، خاصا غلو ہے، جسے غلو فی العقیدت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اللہ کی ذات سے امید یہی ہے کہ حکیم الامت انشاء اللہ جنت میں اسی مقام پر سرفراز ہوں گے جو مولانا کی طبیعت چاہ رہی ہے، لیکن اس سلسلے میں کوئی حتمی رائے قائم کر کے اسے شعر میں موزوں کر دینا غلو فی العقیدت ہی کہا جائے گا، مثلاً:

لیھنك سید ی فی کل یوم ☆ سلام الله و الاجر الجزیل
و صلت الی مقام شهود صدق ☆ یحف به نعیم لا یزول
فانت لدی الاله بخیر عیش ☆ و انت لخیلنا سلف رحیل

فی الحقیقت مولانا اشرف تھانویؒ کی ذاتی زندگی زہد و تقویٰ کے جس اعلیٰ مقام پر تھی اس کی بنا پر اشعارِ بالا میں کوئی غلو نظر نہیں آتا، لیکن بہر حال انسان انسان ہے، اللہ کے فضل و کرم اور لطف و عنایات سے یہ امیدیں قائم رکھنا مستحسن، لیکن انہیں حتمی شکل دینے کو غلو فی العقیدت کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

تکرار

کوئی شاعر کتنا ہی بلند مراتب پر کیوں نہ فائز ہو، شعر گوئی میں وہ اگر اشعار کا اعادہ کرنے لگے تو یہ اسکی شعری خامی تصور کی جائیگی۔ مولانا کی شاعری میں جہاں بہت سے عمدہ اوصاف ہیں وہیں ایک خامی اشعار کی تکرار ہے، حالانکہ وہ ان اشعار کو جہاں موزوں معلوم ہوتے ہیں فٹ کر دیتے ہیں، لیکن اس تکرار سے قاری کو کلفت محسوس ہوتی ہے۔

مثلاً ان کے نعتیہ قصیدہ "وسیلۃ الظفر" کے مندرجہ ذیل اشعار:

ما للظلام تبدلت بالنور ☆ ما للزمان اتی بکل حبور[۱۵]
خیر الکلام کلام احمد بعدما ☆ اوحی الاله بنظمه فی السور

ایسے ہی:

منها الحياة لكل حق ميت ☆ منها الممات لكل قول زور
فيها البياض لكل قلب اسود ☆ فيها السواد لكل عين ضرير

تقریظ بذل المجہود میں شامل ہیں جو اگرچہ موقع و مناسبت کے لحاظ سے بالکل مناسب ہیں، لیکن بہر حال ان میں تکرار ہے۔

اسی طرح ان کے زمانہ طالب علمی کا شعر:

الیٰ این ابکیٰ واحدا بعد واحد ☆ فلیس امرؤ منا هناك بخالد

مفتی شفیع احمد صاحب کے والد کے مرثیہ کا بھی پہلا شعر ہے جو واقعات کے مطابق بالکل درست معلوم ہوتا ہے، لیکن بہر حال تکرار ہے۔

علاوہ ازیں بہت سے اشعار میں لفظی، معنوی اور مفاہیم کی تکرار بھی پائی جاتی ہے، مثلاً ان کے مندرجہ ذیل اشعار کی مماثلت ملاحظہ فرمایئے:

محمود! لا تبعد فذكرك خالد ☆ و الذكر للانسان عمر ثان (۱۶)
لا تبعدی یا بنت ذکرك خالد ☆ و حديث خيرك في الزمان طويل (۱۷)

دونوں مراثی میں زمین و آسمان کا فرق ہے، لیکن جذباتی تعلق دونوں سے یکساں ہونے کی بنا پر دوسرے مرثیہ میں لفظی تکرار سے اگرچہ معنی و مفہوم میں کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی، لیکن تکرار سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

الغرض اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ مولانا کی شاعری کسی محنت و کاوش کا نتیجہ نہیں، بلکہ انکی ان فطری صلاحیتوں کی عکاس ہے جو قدرت نے انکو فطری طور پر ودیعت کی تھیں، ورنہ مولانا جس خانقاہی ماحول اور زاہدانہ مسلک و مشرب کی عملی تجربہ گاہ سے تعلق رکھتے تھے وہاں اس کی گنجائش ہی نہیں تھی کہ مولانا اپنے خیالات و افکار کو باقاعدہ نظم کریں، وہ تو منتشر افکار و خیالات کو فطری طور پر نظم کر لیتے تھے اور پھر جس سے متعلق اشعار ہوئے اس تک براہِ راست یا مجلات کی وساطت سے پہونچا دیتے تھے، فنکارانہ نوک پلک درست کرنے کی نہ تو انہیں فرصت تھی اور نہ ہی غالباً ان کے مرشد کی طرف سے اجازت۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری وہ قبولِ عام حاصل نہیں کر سکی جس کی وہ بجا طور پر مستحق تھی۔ اور پھر مولانا کے ورثاء میں بھی کوئی اس ذوق کا حامل نہیں ہوا، جو ان کے شعری سرمایے کو قرینے اور سلیقے سے عوام کے روبرو پیش کرتا، اور اس کے سقم کو دور کر دیتا۔

ان سب باتوں کے باوجود مولانا کی شعری خدمات کا بہر طور اعتراف کیا جائیگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی صاحبِ تحقیق و نظر آئے اور ان جواہر پاروں کو یکجا کر کے انہیں دنیائے علم و ادب کے حضور پیش کرے تا کہ انکے شعری سرمایے کو عمر طویل مل سکے۔

حاصل کلام

گذشتہ صفحات میں ہم نے مولانا ظفر احمد صاحبؒ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے قدرے تفصیل سے انکے حالات قارئین کے سامنے پیش کئے۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا ظفر صاحب ماضی قریب کی عبقری شخصیات میں سے ایک تھے، جنہوں نے اپنے سیاسی شعور کی پختگی، علمی ذوق کی بلند مرتبتی اور ادبی شوق کی تسکین کی خاطر ہر میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور نا قابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔

سیاست میں ان کا نظریہ اگر چہ اختلافی رہا، جس کی وجہ سے علماء کی ایک جماعت ان سے فکری طور پر متصادم رہی، تاہم انہوں نے جو کچھ کیا حق جان کر کیا اور جو بھی کیا اس سے یک سرِ مو انحراف نہیں کیا، بلکہ اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ وہ اس تحریکی پودے کو تناور درخت بنانے کے لئے عمر بھر کوشاں رہے، جس میں انہیں کامیابی بھی ملی۔

لیکن یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ مولانا جس پائے کے عالم، ادیب اور شاعر تھے اس کا اعتراف کرنے میں انکے معاصرین اور مؤرخین نے بخل سے کام لیا، یہی وجہ ہے کہ آج نئی نسل انکے کارناموں سے تو کیا انکے نام کو بھی فراموش کرتی جارہی ہے۔

مجھے اعتراف ہے کہ اگر چہ اپنی کم علمی کی بنا پر اس مطالعہ میں کوئی نئی بات پیدا نہیں کی گئی ہے، تاہم اساتذۂ کرام، محبین، مخلصین، رفقاء اور معاونین کی کوششوں اور کاوشوں سے اس میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا ہوں کہ مولانا کی زندگی کے بکھرے ہوئے اوراق، اور ان کی نا قابلِ فراموش خدمات یکجا کر دوں تا کہ کام کرنے والوں کو ان بکھرے ہوئے موتیوں سے لطف اندوز ہونے میں کسی دقت کا سامنا کرنا نہ پڑے۔ و السعی منا و الاتمام من الله، و الحمد لله علی ذلك.

تمت

عبید اقبال عاصم، علی گڑھ

﴿حواشی﴾ پانچواں باب فصل پنجم

(۱) القرآن الکریم ۸۰/۴
(۲) القرآن الکریم ۱/۱۱۱ (ابولہب کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ کے تبلیغ کرنے پر جب سب وشتم کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ اس شعر میں اس واقعہ کے منظر و پس منظر کو سمویا گیا ہے۔
(۳) القرآن الکریم ۱۹/۸۴
(۴) وسیلۃ الظفر.
(۵) معارف الحدیث/منظور نعمانی/الفرقان بک ڈپو لکھنو/1958ء/۲/۲۶۶
(۶) نورٌ علی نور/ص:۹
(۷) نورٌ علی نور/ص:۶
(۸) نورٌ علی نور/ص:۷
(۹) روداد مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور/۱۳۲۹ھ/ص:۷
(۱۰) ملاحظہ فرمائیے النور تھانہ بھون/شوال ۱۳۴۴ھ/ص:۲۱
(۱۱) بذل المجھود فی حلّ ما قال ابو داؤد/سرورق کا اندرونی صفحہ
(۱۲) القاسم دیوبند/شوال ۱۳۵۴ھ/ص:۵۹
(۱۳) فہرست تالیفات شیخ/۳/۲۸۲
(۱۴) بذل المجھود فی حل قال ابی داؤد/سرورق کا اندرونی صفحہ
(۱۵) وسیلۃ الظفر/ص:۳
(۱۶) مرثیہ شیخ الہند/النور تھانہ بھون/رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/ص:۱۹
(۱۷) القاسم دیوبند/شوال ۱۳۵۲ھ/ص:۶۰

عربی:

القرآن الکریم: مختلف مقامات

(۱)احیاء السنن (مقدمه اعلاء السنن) ظفر احمد عثمانی، مطبوعه: تهانه بهون، ۱۳۴۴ھ.
(۲)اعلاء السنن، ظفر احمد عثمانی(مع تعلیقات تقی عثمانی)مطبوعه: کراچی، ۱۳۹۷ھ.
(۳)الاعلام یعنی نزهة الخواطرعبد الحئی الحسنی،مطبوعه:رائے بریلی،۱۹۹۲ء،جلد :۳.
(۴)الثقافة الاسلامیه فی الهند؛ سید عبد الحئی الحسنی ؛ مطبوعه: دمشق، ۱۹۵۷ء.
(۵)الحکمة فی مخلوقات الله عزّ و جلّ؛ ابو حامد بن محمد الغزالی؛ مطبوعه: مصر، ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء.
(۶)الشعرانی:امام التصوف فی عصره؛ الدکتور توفیق الطویل؛ مطبوعه: مصر ۱۹۴۵ء.
(۷)المسالك و الممالك؛الشیخ ابوالقاسم خردازبه خراسانی؛مطبوعه:مصر ، ۱۳۰۶ھ
(۸)المستدرك ؛ ابو عبد الله الحاکم؛ مطبوعه : حیدر آباد (بدون تاریخ) ؛ جلد : ۴.
(۹)الملل و النحل؛ محمد بن عبد الکریم الشهرستانی؛ مطبوعه : مصر ، ۱۹۴۷ء.
(۱۰)الهدیة السنیه ؛ مولانا ذو الفقار علی دیوبندی ؛ مطبوعه:دیوبند(بدون تاریخ) ۔
(۱۱)انجا ء الوطن عن الازدراء بامام الزمن؛ ظفر احمد عثمانی(مع تعلیقات مولانا تقی عثمانی)؛ مطبوعه: کراچی، ۱۳۸۷ھ۔
(۱۲)انهاءالسکن الی من یطالع اعلاء السنن؛ظفراحمدعثمانی؛مطبوعه:تهانه بهون ۱۳۴۴ھ
(۱۳)صحیح البخاری؛ ابو اسماعیل عبد الله البخاری؛ مطبوعه :دیوبند (بدون تاریخ).
(۱۴)بذل المجهود فی حل ما قال ابی داؤد؛ مولانا خلیل احمد سهارنپوری؛ مطبوعه: سهارنپور ۱۳۹۶ھ.
(۱۵)تاریخ الادب العربی؛ عمر فروخ؛ مطبوعه : بیروت(طبع خامس—جلد اول)۱۹۸۴ء.
(۱۶)تاریخ الطبری ؛ الشیخ ابو جعفر الطبری؛ مطبوعه : مصر، ۱۸۹۰ء؛ جلد: ۵.
(۱۷)دیوان زهیر بن ابی سلمی؛ تحقیق و شرح : کرم بستانی؛ مطبوعه : بیروت، ۱۹۵۳ء.
(۱۸)دیوان طرفة بن العبد؛طرفة بن العبد؛ تحقیق : کرم بستانی؛ مطبوعه: بیروت، ۱۹۶۱ء.
(۱۹)دیوان الفرزدق(مع شرح استاد علی فاعور)؛ مطبوعه :بیروت، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء.
(۲۰)سبحة المرجان؛ غلام علی آزاد بلگرامی؛ مطبوعه: علی گڑه، ۱۹۷۲ء.
(۲۱)شرح دیوان جریر(محمد اسماعیل عبد الله الصاوی)؛ مطبوعه:بیروت،(بدون تاریخ).
(۲۲)شرح دیوان کعب بن زهیر(ابو سعید الحسن بن الحسین)؛مطبوعه:مصر، ۱۹۵۰ء.
(۲۳)عجائب الهند ؛ بزرك بن شهریار رامهرمزی(مع فرانسیسی ترجمه) ؛ مطبوعه: لیڈن ، ۱۸۸۳ء.
(۲۴)فتوح البلدان (مع شرح و تحقیق : عبد الله انیس الطباع و عمر انیس الطباع)؛ امام ابو العباس احمد بن یحییٰ البلاذری؛ مطبوعه: بیروت،۱۹۵۷ء .

(۲۵)قواعد فی علوم الحدیث؛ عبد الفتاح ابو غدة؛ مطبوعہ: حلب (شام) ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء.
(۲۶)مقالات الکوثری ؛ شیخ محمد زاهد الکوثری؛ مرتبہ : محمد الخیری؛ مطبوعہ: مصر، ۱۳۷۳ھ.
(۲۷)نزهة الخواطر ؛ سید عبد الحئی الحسنی؛ مطبوعہ: حیدر آباد ۱۹۷۹ء ؛ جلد :۷
(۲۸)نفحات ؛ مرتبہ : مفتی محمد شفیع عثمانی ؛ مطبوعہ: کراچی ۱۳۹۳ھ.
(۲۹)نورٌ علی نور ؛ مولانا ظفر احمدعثمانی ؛ مطبوعہ: سہارنپور ۱۳۵٤ھ .
(۳۰)وسیلة الظفر ؛ مولانا ظفر احمد عثمانی ؛ مطبوعہ: اعظم گڑھ ۱۳٦۳ھ .

اردو:

(۳۱) آبِ کوثر ؛ شیخ محمد اکرام ؛مطبوعہ: دہلی، ۱۹۸۷ء۔
(۳۲) آثار الصنادید ؛ سرسید احمد خاں (مرتبہ: خلیق انجم)مطبوعہ: دہلی، ۱۹۹۰ء۔
(۳۳)ابوالکلام آزاد - شخصیت اور کارنامے ؛مرتبہ: خلیق انجم ؛مطبوعہ: دہلی، ۱۹۸٦ء۔
(۳۴)ابوالکلام آزاد -ایک ہمہ گیر شخصیت ؛مرتبہ: رشید الدین خاں ؛مطبوعہ: دہلی؛ ۱۹۸۹ء۔
(۳۵)اردو انسائیکلوپیڈیا؛ مرتبہ: فضل الرحمان ؛مطبوعہ: دہلی، ۱۹۹٦ء؛ جلد: ٦۔
(۳٦)اردو ترجمہ ترمذی شریف ؛مرتبہ: نامعلوم ؛مطبوعہ: دہلی، ۱۹۷۸ء۔
(۳۷)الاسباب المحمودیہ (اردو ترجمہ آداب العبودیۃ) ؛مولانا ظفر احمد عثمانی ؛مطبوعہ: تھانہ بھون ۱۳۴۲ھ۔
(۳۸)اسلام میں پردہ کی حقیقت ؛مولانا ظفر احمد عثمانی ؛مطبوعہ: سہارنپور ۱۳۵۴ھ۔
(۳۹)اسلامی نظام تعلیم ؛ پروفیسر سعید احمد رفیق ؛مطبوعہ: کراچی، بدون سن۔
(۴۰)اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں (اردو ترجمہ عرفان ندوی) ؛حکیم عبدالحئی الحسنی ؛مطبوعہ: اعظم گڑھ، ۱۹٦۹ء
(۴۱) اشرف السوانح ؛عزیز الحسن مجذوب ؛مطبوعہ: لاہور (طبع سوم)، ۱۳۷۸ھ؛ جلد: ۳۔
(۴۲)البیان المشید (اردو ترجمہ البرہان المؤید) ؛مولانا ظفر احمد عثمانی ؛مطبوعہ: لکھنؤ، ۱۳۵۲ھ۔
(۴۳)الدر المنضود (اردو ترجمہ البحر المورود) ؛مولانا ظفر احمد عثمانی ؛مطبوعہ: تھانہ بھون، ۱۳۴۸ھ۔
(۴۴)الترغیب و الترہیب ؛ ذکی الدین المنذری ؛(اردو ترجمہ بنام الانوار المحمدیہ : مولانا ظفر احمد عثمانی) مطبوعہ: دہلی، ۱۳۵۰ھ۔
(۴۵)الشفاء (تفسیری مضامین) ؛مولانا ظفر احمد عثمانی ؛مطبوعہ: تھانہ بھون۔
(۴٦)القول الماضی فی نصب القاضی ؛مولانا ظفر احمد عثمانی ؛مطبوعہ: تھانہ بھون، ۱۳۴۵ھ۔
(۴۷)القول المنصور فی ابن منصور ؛مولانا ظفر احمد عثمانی ؛لکھنؤ، بدون تاریخ۔
(۴۸) امپیریل گزیٹیر آف انڈیا ؛مرتبہ: گورنمنٹ آف انڈیا ؛مطبوعہ: دہلی، ۱۹۰۸ء؛ جلد: ۱۱۔
(۴۹) امداد الاحکام فی مسائل الحلال والحرام ؛مولانا ظفر احمد عثمانی ؛مطبوعہ: کراچی، بدون سن۔
(۵۰) انتخاب الترغیب والترہیب (اردو ترجمہ: عبداللہ دہلوی) ؛مطبوعہ: دہلی، ۱۹۷۳ء۔
(۵۱) انوار اولیاء ؛سید رئیس احمد جعفری ندوی ؛مطبوعہ: لاہور، ۱۹۵۸ء۔
(۵۲) انوار الاتقیاء ؛محمد برکت اللہ رضا فرنگی محلی ؛مطبوعہ: دیوبند، ۱۳۹۱ھ۔
(۵۳) برعظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ ؛اردو ترجمہ: ہلال زبیری ؛مطبوعہ: کراچی، ۱۹۸۷ء۔

(۵۴) بزم اشرف کے چراغ؛ پروفیسر احمد سعید؛ مطبوعہ: لاہور، ۱۹۹۲ء۔
(۵۵) تاریخ پاکستان اور دنیائے اسلام؛ پروفیسر محمد اسلم؛ مطبوعہ: راولپنڈی، ۱۹۷۴ء۔
(۵۶) تاریخ تعلیم ہند؛ اردو ترجمہ: مسعود الحق؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۷۳ء۔
(۵۷) تاریخ جمعیۃ علماء ہند؛ اسیر ادروی؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۸۳ء۔
(۵۸) تاریخ دار العلوم، دیوبند: سید محبوب رضوی؛ مطبوعہ: دیوبند، ۱۹۷۷ء۔
(۵۹) تاریخ دعوت وعزیمت؛ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ؛ مطبوعہ: لکھنؤ ۱۹۸۲ء۔
(۶۰) تاریخ دیوبند: سید محبوب رضوی (قدیم ایڈیشن)؛ مطبوعہ: دیوبند، ۱۹۵۲ء۔
(۶۱) تاریخ سہارنپور؛ پنڈت نند کشور؛ مطبوعہ: سہارنپور، ۱۸۶۵ء۔
(۶۲) تاریخ فرشتہ؛ محمد بن قاسم فرشتہ؛ اردو ترجمہ: عبدالحیٔ خواجہ؛ مطبوعہ: دیوبند، ۱۹۸۳ء۔
(۶۳) تاریخ مظاہر علوم، سہارنپور؛ مولانا محمد زکریا؛ مطبوعہ: سہارنپور، ۱۹۷۲ء۔
(۶۴) تاریخ مسلم لیگ؛ مرزا اختر حسین؛ مطبوعہ: بمبئی، بدون سن۔
(۶۵) تاریخ ندوۃ العلماء، لکھنؤ؛ اسحاق جلیس ندوی، لکھنؤ، ۱۹۸۳ء۔
(۶۶) تجلیات عثانی؛ پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی؛ مطبوعہ: ملتان، ۱۹۵۷ء۔
(۶۷) تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین؛ مولانا ظفر احمد عثمانی؛ مطبوعہ: تھانہ بھون، ۱۳۳۹ھ۔
(۶۸) تحریک خلافت؛ عدیل عباسی؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۷۸ء۔
(۶۹) تحریک شیخ الہند؛ مولانا محمد میاں؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۷۵ء۔
(۷۰) تذکرۃ الخلیل؛ مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری؛ مطبوعہ: سہارنپور، بدون سن۔
(۷۱) تذکرۃ الرشید؛ مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری؛ مطبوعہ: سہارنپور، ۱۹۷۷ء۔
(۷۲) تذکرۃ الظفر؛ مولانا عبدالشکور ترمذی؛ مطبوعہ: کمالیہ (پاکستان)، ۱۹۷۷ء۔
(۷۳) تذکرۂ سلیمان؛ غلام محمد بی، اے؛ مطبوعہ: کراچی، ۱۹۶۰ء۔
(۷۴) تذکرۂ شیخ مدنی؛ مولوی راشد حسن عثمانی؛ مطبوعہ: دیوبند، ۱۹۵۸ء۔
(۷۵) تذکرہ علمائے ہند؛ اردو ترجمہ: ایوب قادری؛ مطبوعہ: کراچی، ۱۹۶۱ء۔
(۷۶) تذکرہ مشائخ ہند؛ اسلام الحق مظاہری؛ مطبوعہ: سہارنپور، ۱۹۷۸ء۔
(۷۷) تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی؛ مولانا محمد میاں صدیقی؛ مطبوعہ: لاہور، ۱۹۷۷ء۔
(۷۸) تفسیر نظام القرآن: علامہ حمید الدین فراہی؛ اردو ترجمہ: امین احسن اصلاحی؛ مطبوعہ: سرائے میر، ۱۹۹۰ء
(۷۹) تقویم ہجری وعیسوی؛ مرتبین: ابوالنصر محمد خالدی، محمود خاں، زیڈ اے ڈیسائی؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۷۷ء۔
(۸۰) تلخیص البیان (تلخیص تفسیر بیان القرآن)؛ مولانا ظفر احمد عثمانی؛ مطبوعہ: تھانہ بھون، ۱۳۴۰ھ۔
(۸۱) جمعیۃ العلماء ہند؛ پروین روزینہ؛ مطبوعہ: اسلام آباد، ۱۹۸۰ء۔
(۸۲) جناح - بانیٔ پاکستان (اردو ترجمہ: تنویر انجم)؛ مطبوعہ: کراچی، پاکستان؛ ۱۹۹۸ء۔
(۸۳) چند عظیم شخصیات؛ مفتی محمد شفیع؛ مطبوعہ: دیوبند، ۱۹۹۷ء۔
(۸۴) حضرت مجدد الف ثانی؛ مولانا سید زوار حسین شاہ؛ مطبوعہ: کراچی، ۱۹۷۵ء۔
(۸۵) حکیم الامت - نقوش وتاثرات؛ عبدالماجد دریا آبادی؛ مطبوعہ: اعظم گڑھ ۱۹۵۲ء۔
(۸۶) حیات اجمل؛ قاضی محمد عبدالغفار؛ مطبوعہ: دہلی، بدون سن۔

(۸۷) حیاتِ امداد؛ پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی؛ مطبوعہ: کراچی، ۱۹۶۵ء۔
(۸۸) حیاتِ شیخ عبد الحق محدث دہلوی؛ خلیق احمد نظامی؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۵۳ء۔
(۸۹) حیاتِ عبد الحیؒ؛ سید ابو الحسن علی ندویؒ؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۹۶ء۔
(۹۰) حیاتِ عثمانی؛ پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی؛ مطبوعہ: کراچی، ۱۹۸۵ء۔
(۹۱) دائرۂ معارف اسلامیہ؛ مرتبہ: دانش گاہ پنجاب؛ مطبوعہ: لاہور، ۱۹۷۳ء؛ جلد: ۸۔
(۹۲) دائرۂ معارف اسلامیہ؛ مرتبہ: دانش گاہ پنجاب؛ مطبوعہ: لاہور، ۱۹۸۶ء؛ جلد: ۱۹۔
(۹۳) دائرۂ معارف اسلامیہ؛ مرتبہ: دانش گاہ پنجاب؛ مطبوعہ: لاہور، ۱۹۸۶ء؛ جلد: ۲۰۔
(۹۴) دائرۂ معارف اسلامیہ؛ مرتبہ: دانش گاہ پنجاب؛ مطبوعہ: لاہور، ۱۹۸۶ء؛ جلد: ۲۲۔
(۹۵) رحمۃ القدوس (اردو ترجمہ بہجۃ النفوس)؛ مولانا ظفر احمد عثمانی؛ مطبوعہ: لاہور، بدونِ سن۔
(۹۶) رسائل و مسائل؛ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ؛ مطبوعہ: اچھرہ، پاکستان، ۱۹۵۷ء۔
(۹۷) روحِ تصوف مع عطر تصوف؛ مولانا ظفر احمد عثمانی؛ مطبوعہ: تھانہ بھون، بدونِ سن۔
(۹۸) رودِ کوثر؛ شیخ محمد اکرام؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۸۷ء۔
(۹۹) رودادِ مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور؛ مطبوعہ: سہارنپور، ۱۳۲۸ھ۔
(۱۰۰) رودادِ مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور؛ مطبوعہ: سہارنپور، ۱۳۲۹ھ۔
(۱۰۱) رودادِ مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور؛ مطبوعہ: سہارنپور، ۱۳۳۳ھ۔
(۱۰۲) سرگزشتِ مجاہدین؛ مولانا غلام رسول مہر؛ مطبوعہ: لاہور، ۱۹۵۶ء۔
(۱۰۳) سفرنامۂ حج و زیارتِ حرمین شریفین؛ مولانا ظفر احمد عثمانی؛ مطبوعہ: سہارنپور، ۱۳۵۴ھ۔
(۱۰۴) سوانحِ قاسمی؛ مولانا سید مناظر احسن گیلانی؛ مطبوعہ: دیوبند، ۱۳۷۲ھ۔
(۱۰۵) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ؛ مولانا عبید اللہ سندھی؛ مطبوعہ: لاہور، ۱۹۴۴ء۔
(۱۰۶) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات؛ خلیق احمد نظامی؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۶۹ء۔
(۱۰۷) ظہیر الدین محمد بابر (مسلمان و ہندو مؤرخین کی نظر میں) صباح الدین عبد الرحمان؛ مطبوعہ: اعظم گڑھ، ۱۹۸۶ء
(۱۰۸) عرب و ہند عہدِ رسالت میں؛ قاضی اطہر مبارکپوری؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۶۵ء۔
(۱۰۹) عرب و ہند کے تعلقات؛ سید سلیمان ندویؒ؛ مطبوعہ: اعظم گڑھ، ۱۹۷۹ء۔
(۱۱۰) عربی ادب میں ہندوستان کا حصہ؛ شمس تبریز خاں؛ مطبوعہ: لکھنؤ، ۱۹۸۹ء۔
(۱۱۱) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ (اردو ترجمہ: شاہد رزاقی)؛ مطبوعہ: لاہور، ۱۹۸۷ء۔
(۱۱۲) عربی زبان و ادب عہدِ مغلیہ میں؛ شبیر احمد قادر آبادی؛ مطبوعہ: لکھنؤ، ۱۹۸۲ء۔
(۱۱۳) عربی میں نعتیہ کلام؛ عبد اللہ عباس ندوی؛ مطبوعہ: لکھنؤ، ۱۹۷۵ء۔
(۱۱۴) علم حدیث اور چند اہم محدثین؛ پروفیسر محمد سالم قدوائی؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۸۱ء۔
(۱۱۵) علم حدیث میں برِ اعظم پاک و ہند کا حصہ (اردو ترجمہ: شاہد رزاقی)؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۸۳ء۔
(۱۱۶) علمائے مظاہر علوم اور ان کی تصنیفی خدمات؛ مولانا محمد شاہد سہارنپوری؛ مطبوعہ: سہارنپور، ۱۹۸۳ء۔
(۱۱۷) علمائے ہند کا شاندار ماضی؛ مولانا سید محمد میاں؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۸۵ء۔
(۱۱۸) فضائلِ جہاد؛ مولانا ظفر احمد عثمانی؛ مطبوعہ: کراچی، بدونِ سن۔
(۱۱۹) فقہ القرآن؛ عمر احمد عثمانی؛ مطبوعہ: کراچی، بدونِ سن۔

(۱۲۰) فنِ تحریر کی تاریخ؛ محمد اسحاق صدیقی؛ مطبوعہ: علی گڑھ، ۱۹۶۲ء۔
(۱۲۱) فہرست تالیفات شیخ؛ مولانا محمد شاہد سہارنپوری؛ مطبوعہ: سہارنپور، ۱۹۹۷ء۔
(۱۲۲) کاروانِ تھانوی؛ محمد اکبر شاہ بخاری؛ مطبوعہ: کراچی، ۱۹۹۷ء۔
(۱۲۳) کانگریس اور اقلیتیں؛ مرتبہ: ایم، ایم زیدی؛ مطبوعہ: دہلی: ۱۹۸۴ء۔
(۱۲۴) کانگریس کا صد سالہ جشن؛ مرتبہ: آل انڈیا مومن کانفرنس؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۸۵ء۔
(۱۲۵) لباب النعمۃ (اردو ترجمہ کتاب الحکمۃ امام غزالی) مولانا ظفر احمد عثمانی مطبوعہ: تھانہ بھون، بدونِ سن
(۱۲۶) محمد علی جناح (اردو ترجمہ: شہاب الدین دسنوی)؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۷۰ء۔
(۱۲۷) محمود غزنوی کی بزم ادب؛ ڈاکٹر غلام محی الدین قادری؛ مطبوعہ: حیدر آباد، ۱۹۲۷ء۔
(۱۲۸) مرام الخاص (اردو ترجمہ: النظام الخاص)؛ مولانا ظفر احمد عثمانی؛ مطبوعہ: تھانہ بھون، ۱۳۵۲ھ۔
(۱۲۹) مسلم لیگ، ایک قومی تحریک؛ پروفیسر محمد مظفر مرزا؛ مطبوعہ: لاہور، ۱۹۹۱ء۔
(۱۳۰) مسلمانوں کا روشن مستقبل؛ سید طفیل احمد منگلوری؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۴۵ء۔
(۱۳۱) مسئلۂ ترک موالاۃ؛ مولانا ظفر احمد عثمانی؛ مطبوعہ: علی گڑھ، ۱۳۳۹ھ۔
(۱۳۲) مصباح اللغات، عربی اردو؛ مرتبہ: مولانا عبدالحفیظ بلیاوی؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۹۲ء۔
(۱۳۳) معارف الحدیث، مرتبہ: مولانا منظور نعمانی؛ مطبوعہ: لکھنؤ، ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء۔
(۱۳۴) مکتوبات امام ربانی (اردو ترجمہ: قاضی عالم الدین؛ مطبوعہ: حیدر آباد، بدونِ سن۔
(۱۳۵) مکتوبات شیخ الاسلام؛ مرتبہ: نجم الدین اصلاحی؛ مطبوعہ: اعظم گڑھ، ۱۹۵۲ء۔
(۱۳۶) ملا جیون کے معاصر علماء: اشفاق علی؛ مطبوعہ: لکھنؤ، ۱۹۸۲ء۔
(۱۳۷) ملتِ اسلامیہ کی مختصر تاریخ؛ ثروت صولت؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۹۵ء۔
(۱۳۸) موجِ کوثر: شیخ محمد اکرام؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۸۷ء۔
(۱۳۹) مولانا انور شاہ - حیات اور کارنامے: محمد رضوان اللہ؛ مطبوعہ: علی گڑھ، ۱۹۷۲ء۔
(۱۴۰) مولانا حسین احمد مدنی - ایک سیاسی مطالعہ؛ ابو سلمان شاہ جہاں پوری؛ مطبوعہ: لاہور، ۱۹۹۳ء۔
(۱۴۱) نزہۃ البساتین (اردو ترجمہ: روض الریاحین)؛ مولانا ظفر احمد عثمانی؛ مطبوعہ: تھانہ بھون؛ بدونِ سن۔
(۱۴۲) نقش حیات: مولانا حسین احمد مدنی؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۵۴ء۔
(۱۴۳) واقعات دار الحکومت، دہلی؛ بشیر الدین احمد؛ مطبوعہ: آگرہ، ۱۹۱۹ء۔
(۱۴۴) ہندوستان میں اسلامی جدیدیت: پروفیسر عزیز احمد؛ (اردو ترجمہ: جمیل جالبی) مطبوعہ: دہلی ۱۹۹۰۔
(۱۴۵) ہند و پاک میں اسلامی کلچر؛ پروفیسر عزیز احمد: (اردو ترجمہ: جمیل جالبی) مطبوعہ: دہلی، ۱۹۹۱ء۔
(۱۴۶) ہندوستان اسلام کے سائے میں: قاضی وجدی الحسینی؛ مطبوعہ: بھوپال، ۱۹۸۲ء۔
(۱۴۷) ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں؛ ابوالحسنات ندوی؛ مطبوعہ: اعظم گڑھ، ۱۹۳۶ء۔
(۱۴۸) ہندوستان کے اہم مدارس: محمد قمر اسحاق؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۷۰ء۔
(۱۴۹) ہندوستان کے سلاطین وعلماء: صباح الدین عبدالرحمان؛ مطبوعہ: اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء۔
(۱۵۰) ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں: قاضی اطہر مبارکپوری؛ مطبوعہ: دہلی، ۱۹۶۷ء۔
(۱۵۱) ہندوستان میں عربی شاعری (حامد علی خاں کا غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ)؛ T-378 مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، ۱۹۶۳ء
(۱۵۲) مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ کی تحریر میں قصیدہ نمبر چار/ عطا کردہ ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی صاحب

ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان۔

رسائل و جرائد:

(۱) اشرف العلوم (ماہنامہ)، سہارنپور: جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ۔
(۲) البلاغ (ماہنامہ) کراچی: جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ، صفر، جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ شوال ۱۳۹۱ھ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ۔
(۳) الجمعیۃ (روزنامہ)، دہلی (مجاہد ملت نمبر): ۱۹۶۴ء۔
(۴) الرشاد (ماہنامہ)، سہارنپور: (ابتدائی صفحات نہ ہونے کی وجہ سے ماہ و سن کا علم نہ ہوسکا)۔
(۵) الرشید (ماہنامہ)، سہارنپور (دارالعلوم، دیوبند نمبر): ۱۴۰۰ھ (نعت نمبر): ۱۴۱۱ھ۔
(۶) الصدیق (ماہنامہ)، ملتان: ابتدائی صفحات نہ ہونے کی وجہ سے ماہ و سال کا علم نہ ہوسکا۔
(۷) الفاروق، کراچی: جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ/ اکتوبر ۱۹۹۸ء۔
(۸) الفرقان، بریلی و لکھنؤ (شاہ ولی اللہ نمبر): ربیعین ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء؛ جلد نمبر: ۸، شمارہ نمبر: ۳-۴، شوال ۱۳۶۰ھ: ۸/۱۰، ربیعین و جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ: ۹/۳، ۴، ۵، ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ: ۹/۱۱-۱۲۔
(۹) النور (ماہنامہ) تھانہ بھون: جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ تا ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ (جلد ۱ تا ۱۴ کے بیشتر شمارے)
(۱۰) بینات (ماہنامہ)، کراچی: رجب و ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ، ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ۔
(۱۱) ترجمان القرآن (ماہنامہ)، پٹھان کوٹ: جون ۱۹۴۲ء۔
(۱۲) ترجمان دارالعلوم (ماہنامہ)، دہلی: مئی ۱۹۹۷ء: ۱۲/۴۔
(۱۳) زندگی (ہفت روزہ)، لاہور: ۱۴/ ستمبر ۱۹۶۹ء۔
(۱۴) سیارہ ڈائجسٹ (ماہنامہ)، لاہور (قرآن نمبر): ۱۹۷۰ء۔
(۱۵) شباب (ہفت روزہ) لاہور: ۲/ اپریل، ۱۸ و ۲۵/ جون، ۲۳/ جولائی، ۱۴/ اگست و ۲۴/ ستمبر ۱۹۶۱ء، ۴/ فروری و ۲۳/ مئی ۱۹۶۲ء۔
(۱۶) صوت الاسلام (ہفت روزہ)، لاہور: ۱۲/ جون ۱۹۷۰ء۔
(۱۷) طلوع اسلام (ماہنامہ)، دہلی: ستمبر ۱۹۴۱ء، نومبر ۴۱ء۔
(۱۸) عزائم (ہفت روزہ)، لکھنؤ (خاص نمبر: جدوجہد آزادی اور اس کے بعد): دسمبر ۷۳ء۔
(۱۹) عصرِ جدید (روزنامہ)، کلکتہ: ۱۳/ مارچ ۱۹۴۶ء۔
(۲۰) فاران (ماہنامہ)، کراچی: کچھ صفحات نہ ہونے کے باعث ماہ و سن نامعلوم۔
(۲۱) فیض الاسلام (ماہنامہ)، لاہور: دسمبر ۹۷ء۔
(۲۲) قاسم العلوم (ماہنامہ)، دیوبند: ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ: ۲/۶۔ شوال، ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ: ۳/۴-۵۔
(۲۳) گگن (ماہنامہ)، بمبئی (مذاہب عالم نمبر): ۱۹۸۴ء۔
(۲۴) معارف (ماہنامہ)، اعظم گڑھ: ۲/۴، ۱۳/۱، ۳۷/۳ و ۵، ۳۸/ او ۳، ۳۹/۵، ۴۴/۵، ۴۸/۴، ۵۲/۴-۳، ۵۳/۱-۴-۵ و ۶، ۵۴/۱-۲، ۵۵/۵، ۵۶/۵-۶، ۵۷/۱-۳ و ۶، ۵۸/۱-۳ و ۶، ۵۹/۱، ۶۷/۴، ۶۹/۴، ۷۰/۶، ۷۱/۱-۴ تا ۶، ۷۲/۱، ۸۱/۴، ۸۴/۵، ۹۰/۶، ۹۳/۲-۵۔
(۲۵) ندائے حرم (ماہنامہ)، کراچی۔
(۲۶) نقوش (ماہنامہ)، لاہور (رسول نمبر): جلد: ۱۰۔

کچھ مصنف کے بارے میں

نام: عبید اقبال عاصم

ولدیت: اقبال الٰہی عثمانی

جائے پیدائش: دیوبند ضلع سہارن پور (یو، پی)

تاریخ پیدائش: ٢٥/ جولائی ١٩٥٩ء

تعلیم: حافظِ قرآن، فاضلِ دیوبند ١٩٨٠ء
ایم، اے، (عربی) علیگ ١٩٩٦ء
پی، ایچ، ڈی، (عربی) ٢٠٠٢ء

مطبوعہ تحقیقی مقالات: زائد از بیس

مطبوعہ مضامین: زائد از ایک سو بیس

سماجی خدمات: ممبر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت
ایکزیکٹیو ممبر یو، پی رابطہ کمیٹی
سیکریٹری۔ علی گڑھ زکوٰۃ فنڈ

صحافتی مشاغل: ایڈیٹر۔ ماہنامہ۔ رابطہ بلیٹن علی گڑھ
جوائنٹ ایڈیٹر ماہنامہ علمی صدا۔ دہلی

موجودہ مشغلہ: ملازمت اے، ایم، یو۔ علی گڑھ

مراسلت کا پتہ: 4/460 زہرہ باغ علی گڑھ۔ یو، پی
202001 ہندوستان

رسولِ اکرم ﷺ کا اندازِ تربیت

تصنیف وترتیب: مفتی ثناء اللہ محمود فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

قرآن کریم میں بعثت نبوی کا مقصد واضح طور پر ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ''وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں پر ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کی باتیں سکھلاتے ہیں۔'' (الجمعہ)

اس آیت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے یہ تین مقاصد بیان فرمائے گئے ہیں:

(۱) اللہ کی آیتوں کی تلاوت (۲) لوگوں کا تزکیہ (۳) اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم

پہلا مقصد تو واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرکار دو عالم ﷺ پر جو وحی قرآنی نازل کی گئی آپ نے اسے لوگوں تک پہنچایا۔ دوسرے دو مقاصد سے مراد تعلیم وتربیت ہے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آپ ﷺ جس ماحول میں مبعوث ہوئے وہ اخلاقی اعتبار سے نہایت زوال آمدہ ماحول تھا۔ اور جو لوگ اس ماحول میں زندگی گزار رہے تھے ان کے اوپر بدعملی اور بداعتقادی کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ایسے ماحول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سنبھالی اور اپنی ۲۳ سالہ حیات مبارکہ میں ایک ایسا ماحول تیار فرمایا جو اخلاقی اقدار کی بلندیوں پر پہنچ چکا تھا اور روئے زمین پر اس کی کوئی مثال نہیں تھی عرب کے ناخواندہ لوگوں کے آپ اولین معلم بھی تھے اور مربی بھی۔ آپ نے ان کی کس طرح تربیت کی اور ان کے ذہنوں کو دین کے سانچوں میں ڈھالنے کے لئے کیا طریقہ اختیار فرمایا پیش نظر کتاب میں اسی سوال کا جواب دیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ ''رسول اکرم ﷺ کا انداز تربیت'' اپنے موضوع پر منفرد اور مکمل کتاب ہے۔ مصنف کی نظر آپ ﷺ کی عملی تربیت کے تمام پہلوؤں پر تھی عبادات سے لے کر معاملات تک میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بارگاہ رسالت سے جو ہدایات ملتی رہیں ان کو اس سلیقے سے جمع کیا گیا ہے کہ پوری کتاب ہدایات نبوی کا خوب صورت گلدستہ بن گئی ہے۔

صفحات: 496 سائز: $\frac{23\times36}{16}$